DR ZAKIR HUSAIN LIBRARY
59224

فہرست مضامین

بزم صوفیہ

دیباچہ طبع ثانی

بزم صوفیہ کا یہ نیا ایڈیشن ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، اسکا پرانا ایڈیشن کئی سال پہلے ختم ہوگیا تھا، اسکو بہت اضافہ کیساتھ شائع کرنے کا خیال رہا جس سے اسکی کتابت، طباعت میں کافی دیر ہوگئی، بعض مجبوریوں کی بنا پر اس میں حسب خواہش اضافہ نہ ہوسکا پھر بھی اس ایڈیشن میں کچھ نئی باتیں ملیں گی،

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سوانح حیات کو مستند طریقہ پر مرتب کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن جو مواد ملا وہ انکے زمانہ سے بہت دور کا تھا اور وہ بھی کچھ ایسا الجھا ہوا ہے کہ اسکے سلجھانے میں بڑی دقت پیش آئی، اس سلسلہ میں اپنی ناچیز کوشش سے جو کچھ جمع کرسکا، وہ ناظرین کے سامنے ہے، انکے اور انکے جانشینوں کے ملفوظات کے متعلق ایک بحث اٹھ کھڑی ہوئی ہے کہ یہ اصلی ہیں یا جعلی، اس خاکسار کا ایک طویل مضمون ملفوظات خواجگان چشت کے عنوان سے اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۴۳ء کے معارف میں شائع ہوا تھا جو ہندوستان، پاکستان میں بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا وہ ضمیمہ کے طور پر اس کتاب کے آخر میں ہے، اس سے ان ملفوظات کی صحیح نوعیت کا اندازہ ہوگا

اس کتاب میں جن بزرگان دین کے حالات لکھے گئے ہیں انکی ولادت، وفات اور بعض دوسرے واقعات کی تعیین کرنے میں پہلے ایڈیشن کی طرح اس نئے ایڈیشن میں بھی تسامحات ہو جانے کا احتمال ہے، کیونکہ تذکرہ نویسوں کے درمیان ان سنین کے لکھنے میں بڑا اختلاف ہے، حتی الوسع انکو صحیح لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، پہلے ایڈیشن میں جو غلطیاں نظر آئیں وہ درست کر دی گئی ہیں،

بعض اور صاحب تصانیف و ملفوظات صوفیائے کرام کے حالات کو قلمبند کرکے اس نئے ایڈیشن میں شامل کرنے کا ارادہ تھا، لیکن کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی، اسلئے صرف حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے حالات اضافہ کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اس باب کو جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی ناظم دار المصنفین نے لکھا ہے، اس کے لکھنے کا حق انہی کو تھا، کیونکہ وہ اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں،

یہ سطریں لکھتے وقت استاذی الاکرم علامہ سید سلیمان ندوی (المتوفی ۱۹۵۳ء) نظروں میں گھوم رہے ہیں، انہی کی رہنمائی میں یہ کتاب تیار ہوئی، وہ اس پر ایک طویل مقدمہ تحریر فرمانے کا ارادہ رکھتے تھے جب یہ ختم ہوئی، تو وہ مکہ معظمہ میں تشریف رکھتے تھے، وہاں سے واپسی کے بعد بہت دنوں علیل رہے، اسلئے وہ اپنے قلم سے اس کتاب کی زینت نہ بڑھا سکے، جس کا اس راقم کو بڑا افسوس رہا، اس کے نئے اڈیشن میں اپنا مقدمہ وعدہ کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے رہے، دکھ ہے کہ نیا اڈیشن انکی زندگی میں شائع نہ ہو سکا، جو میرے بڑی محرومی کا باعث ہے، لیکن انھوں نے اپنے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا،

"تمہاری یہ کتاب انشاء اللہ مفید ہوگی، کیونکہ اس کا انداز اصلاحی ہے، اور بابرکت بھی، مصنف کے لئے باعث خیر اور موجب اجر ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ"

یہ دعا خاکسار مرتب کے لئے بہت بڑی سعادت اور دستاویز ہے،

یہ کتاب جتنی پڑھی گئی اتنی خریدی بھی جاتی تو اس کے اب تک کئی اڈیشن نکل گئے، لاہور کے ایک ہفتہ وار اخبار نے تو اپنے ناظرین کے لئے پوری کتاب کو قسط وار شائع کیا، بعض رسالے اور اخبار اس کے ابواب کو شائع کرتے رہتے ہیں،

میں پروفیسر خلیق احمد نظامی شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے کتب خانہ سے وقتاً فوقتاً بعض تذکرے عنایت کئے،

۱۰ مارچ ۱۹۷۱ء

ہیچمداں

سید صباح الدین عبدالرحمن

دار المصنفین، اعظم گڑھ

تقریب

از مولانا عبد الماجد دریابادی

بزم صوفیہ کتاب تصوف کی نہیں، تاریخ کی ہے، گو وہ تاریخ صوفیہ سہی، اسکی تالیف کا حق
آں الدولت سید صباح الدین عبد الرحمن کو حاصل تھا جو تاریخ کے پرانے متعلم اور اس تقسیم سے
ملفوظا ... رہ نوردیں،

ملفوظا تقریب ہماری مما حکم ایک ایسے عامی کو ملا ہے جسے نہ تصوف سے مس نہ تاریخ سے لگاؤ تعمیل
حکم ... میں اکے جو کچھ آتا ہے محض ایک عامیانہ خامہ فرسائی ہوگی،

کتاب میں وہ ایسے اکابر شیوخ کے حالات، تعلیمات اور بعض کے خاصے مفصل درج ہیں جو ہندوستان
... نے ... جن سے امت کی شوکت و عظمت میں اضافہ ہوا، اور جن کی تعلیمات آجتک کسی نہ کسی
... تحریری شکل میں محفوظ چلی آتی ہیں، ان کی تاریخ قلمبند کرنا تاریخ امت کے ایک اہم و روشن
... کی تکمیل کرنی تھی،

ہندوستان کا لفظ ادھر استعمال ہوا ہے یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے مراد وہ ہندوستان ہے
... کے اندر پاکستان بھی شامل تھا، لاہور، ملتان وغیرہ اب پاکستان کے علاقے ہیں، کتاب کی
... وقت ہندوستان میں شامل تھے،

... سرگذشتوں کی داستان کسی کی بھی ہو، دلچسپ ہوتی ہے پھر ایک ان بزرگوں کی سرگذشت

جو فنایت کے لیے تسلیم و رضائے خدا ... اور محبت و محبوبیت کے مجسمے تھے، دلآویزی ان کے
شعر میں ہو گی تو اور کہاں ملے گی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

پھر جب کہ داستان گو خود داستان سرائی سے واقف اور اس فن میں منجھا ہوا ہو،

بکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

مؤلف کی حیثیت اس کتاب میں محض ایک ناقل اور محتاط ناقل کی ہے، ناقدانہ
کی نہیں، ملفوظات و مکتوبات کے انبار عظیم میں انہیں جو کچھ اخذ و نقل کے قابل نظر آیا، حسن
و سلیقہ مندی کے ساتھ یکجا کر دیا، احتیاط اپنے نزدیک اتنی کر لی کہ جو امور خلاف ترتیب یا بے
جا نئے آمیز نظر آئے، انہیں نظر انداز کر دیا، لیکن اتنی احتیاط ناکافی رہی کتاب میں جا بجا
کثرت سے مقامات ایسے آ گئے ہیں جس سے ایک سیدھے سادے متبع شریعت مسلمان کو وحشت
لازمی ہے قصور مؤلف کا نہیں اصل ماخذوں کا ہے۔ ع

ہم ہی جانگداز تو تخزاد کیا کریں

ول تو یہ حضرات صوفیہ واللہ اعلم کن کن احوال و مقامات سے گذرتے رہتے ہیں، ان کی
سلوک کی بہت سی منزلیں ہی عوام و اہل ظاہر کے لیے ناقابل فہم، اس پر طرہ ان کی خا
خاص اصطلاحات اور رمز و کنائے، لفظ بولا کچھ گیا، اور مراد اس سے کچھ لی گئی، اور سب سے
جوش عقیدہ ملفوظ نویس حضرات کا عقیدت مندانہ غلو، کہیں خاص کو عام کر دیا، کہیں مواجید کو
مو کو شرائع و احکام کا درجہ دے دیا، غرض بات کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا
یخ ... طریق سے یہ ادب ... ہے کہ کتاب کو سیر و تاریخ کی حیثیت سے پڑھیں، اعتقاد و ...
استفادہ و استنباط اس سے نہ کرنے لگیں

اہے اسلامی تاریخ ہند کی اس محدود ... ظاہر ہے کہ ان تین ناموں کے علاوہ
یل

تھے، لیکن بہرحال وقت اور کاغذ کی گنجائش محدود ہی ہوتی ہے، اور دائرہ انتخاب
کسی منزل پر بند کرنا ہی تھا، مؤلف کا انتخاب ماشاءاللہ بہت خوب رہا، ایسا کہ اس پر
صاد کرنے کا دل چاہتا ہے،
اللہ مؤلف سلمہ کی عمر اور وقت میں بہت بہت برکت دے، حصہ دوم بے لئے ابھی بڑا
پڑا ہوا ہے،
کتاب اردو کے متین و صالح ادب میں ایک شایستہ اضافہ ہے، اس کے پڑھنے والوں
بہت سے صالحین اور اہل دل ہوں گے، ان سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں
کتاب کو، تقریب نگار کو اور اداراۂ دار المصنفین کو فراموش نہ فرمائیں،

دریاباد - بارہ بنکی

۱۰ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء مطابق ۲۰ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

تمہید

صحابۂ کرام، تابعین، اور تبع تابعین کی طرح صلحا و اخیار امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، اس لیے دار المصنفین کے سلسلۂ سیر الصحابہ اور تابعین کے بعد سیرت صوفیہ کی بھی ضرورت تھی، یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، راقم سطور تاریخ ہند کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے اس لیے اس کتاب کی ترتیب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذہب، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا، تاریخ ہند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکمرانوں کے افعال و کردار سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق و سیرت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، جو صحیح نہیں، ہندوستان میں صلحا و مشایخ ہی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی، اس لیے ان کے حالات و تعلیمات کو ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کا ضروری جزو سمجھنا چاہیے،

اکابر صوفیۂ کرام کے جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں ان میں زیادہ تر ان کی کرامات و خوارق عادات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگان دین کی اصلی تعلیم نظروں سے نکل کر اوجھل رہی ممکن ہے، اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ہندوستان کے مشایخ کی کچھ ایسی نئی تصویریں ملیں جو اور تذکروں میں شاید نہ مل سکیں

اس کتاب میں صوفیۂ کرام کے کرامات و خوارق عادات کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ راقم ان کا قائل نہیں، بلکہ اس لیے کہ جس طرح بعض لوگوں کے نزدیک معجزہ نبوت کی دلیل

ہیں اسی طرح کرامت بھی ولایت کا ثبوت نہیں، خود اولیاء اللہ اپنی کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے، اس لئے ان کو اوصاف میں شمار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے

ہندوستان کے جس دور کے صوفیہ کرام کے حالات اس تالیف میں لکھے گئے ہیں اس میں اتنے اکابر صوفیہ گذرے ہیں کہ اگر ان میں سے ہر ایک کے حالات قلمبند کئے جاتے تو کئی جلدوں کی ضرورت ہوتی، جو میرے لئے ممکن نہ تھا، اس لئے اس کتاب میں ان ہی اکابر صوفیہ کے حالات پیش کئے گئے ہیں جنھوں نے اپنے ملفوظات، مکتوبات اور وصایا کا کوئی مجموعہ یا کوئی تصنیف چھوڑی ہے، ان ہی کی مدد سے ان کی اصلی تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی گئی ہیں، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کا زمانہ زیادہ تر تو تیموری عہد سے پہلے ہی گذرا ہے، لیکن ان کا وصال ۹۴۵ھ میں یعنی ہمایوں کی بادشاہت شروع ہونے کے بعد ہوا، اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا، کہ ان کا شمار تیموری عہد کے صوفیائے کرام میں کیا جائے،

جن مشایخ کے حالات لکھے گئے ہیں، اُن میں سے بعض کے سالِ وفات میں بڑا اختلاف ہے، اس اختلاف پر بحث کرنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے، کیونکہ بحث طویل ہوتی، اور کوئی خاص مفید نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا، حالات لکھتے وقت ترتیب میں حتی الوسع سنہ وفات کا خیال رکھا گیا ہے،

اس کتاب میں صوفیہ کرام کی بعض تعلیمات بار بار دہرائی گئی ہیں، اور ایسا قصداً کیا گیا ہے، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ بزرگانِ دین کی تعلیمات ہر زمانہ میں یکساں ہی رہی ہیں،

عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ خواجگانِ چشت کی تعلیمات میں زیادہ تر رنگینی و مستی، اور نغمہ و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے یہ خیال زائل ہو جائیگا خواجگانِ چشت کے بہت سے ایسے ملفوظات ہیں جن کو الحاقی کہا جا سکتا ہے، چنانچہ

سیر العارفین میں ہے :۔

"ایک شخص نے حضرت نصیر الدین محمود اودھیؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے میں نے بچشم خود دیکھا ہے، حاشا بلّٰہ یہ کلام ان کا نہیں ہے، اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ہیں، جو مجاوروں نے بڑھا دیئے ہیں، کسی طرح قطب صاحب قدس سرہ کے حال اور اعمال کے موافق نہیں ہیں" (ج ۲ ص ۲۲)

اس لئے ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے، کہ کون سا ملفوظ الحاقی ہو سکتا ہے، جو ملفوظ شریعت کے خلاف یا حد درجہ مبالغہ آمیز معلوم ہوا اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

خواجگانِ چشت کے ملفوظات مثلاً انیس الارواح (مرتبہ حضرت خواجہ معین الدینؒ) دلیل العارفین (مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ) فوائد السالکین (مرتبہ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر) راحت القلوب (مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے ان کو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں، لیکن ان ہی ملفوظات سے ان بزرگان دین کے حالات اور تعلیمات معلوم ہوتی ہیں، اس لئے ان پر بھروسہ کرنا پڑا، ان کے علاوہ کوئی اور معاصر تذکرہ نہیں ملا جس کو ماخذ بنایا جا سکتا تھا، عام طور پر تذکروں میں ان بزرگوں کے جو حالات و تعلیمات پائی جاتی ہیں، وہ مذکورۂ بالا ملفوظات ہی پر مبنی ہیں،

مشایخ کے حالات کے سلسلہ میں تعظیم و تکریم کے لئے "آپ" کا لفظ گویا بالکل ہی نہیں استعمال کیا گیا ہے، اس کی اگر کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے، تو صرف یہ کہ کسی موقع پر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ العالی نے میری ایک تحریر دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں تو

لکھتے وقت آپ کا لفظ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے استعمال کرنا پسند کرتا ہوں، یہ بات میرے دل میں اس قدر لگی کہ ان بزرگوں کے لئے آپ کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا، اور زیادہ تر ان کے اسمائے گرامی ہی لکھے گئے ہیں، یا "وہ" اور "انھوں" سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ طریقہ جن ناظرین کے ذوق پر گراں گذرے اُن سے معذرت خواہ ہوں

کتاب کا نام "بزم صوفیہ" بھی شاید بعض ناظرین کو اس لئے پسند نہ آئے کہ صوفیہ کے لئے بزم کا لفظ بے جوڑ سا ہے، لیکن یہ نام راقم کو اتنا پسند آیا کہ کسی اور نام کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوئی،

اس کتاب کے کچھ حصے معارف میں شائع کئے گئے تھے، افسوس کہ پنجاب کے ایک ناشر محمد رفیق ملک مالک اردستان بیرون موچی دروازہ لاہور نے دارالمصنفین کی اجازت کے بغیر معارف میں شائع شدہ حصے کو تذکرہ اولیائے کرام کے نام سے شائع کر دیا، کسی دیانتدار ناشر سے اس قسم کے اخلاقی و قانونی جرم کی توقع نہ تھی، اس کے بعد راقم کو معارف کے شائع شدہ مضامین میں اتنی ترمیم اور اضافہ کرنا پڑا کہ اب اس کتاب میں ان کی شکل بالکل ہی بدل گئی ہے،

ممکن ہے کہ بادۂ تصوف کے ذوق شناسوں کو اس کتاب میں وہ کیف و لذت محسوس نہ ہو جس کی عموماً اس قسم کی تصنیف میں توقع کی جاتی ہے، اس لئے کہ عاجز راقم کا نقطۂ نظر اور تصانیف سے مختلف ہے، پھر بھی ناظرین سے استدعا ہے کہ اس حقیر تالیف کو پڑھکر دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس کے مؤلف کو ان بزرگانِ دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں یہی اس کی قلمی کاوشوں کا بہترین صلہ ہے،

اس کتاب کی تالیف میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے فیض صحبت کا بڑا اثر ہے، اس کا ذکر یہاں بے جا ہے، کیونکہ نہ صرف یہ تالیف بلکہ رفقائے دارالمصنفین کی تمام تصانیف ان ہی کے فیضانِ علم کا نتیجہ ہیں،

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی پروفیسر اسلامی اسٹڈیز کلکتہ یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے مجکو Sufistic Literature in Indian Persian پر پی ایچ، ڈی کے لئے ایک مقالہ لکھنے پر آمادہ کیا تھا، اور یہ مقالہ بڑی حد تک تیار ہو چکا تھا کہ پھر خیال پیدا ہوا کہ صوفیۂ کرام کے حالات و تعلیمات کو دنیاوی اغراض کی تکمیل کے لئے لکھنا مناسب نہیں، اسلئے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا وہ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے،

بزرگ محترم مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے مسودہ کی تقریب کو حتوف کیلئے باعث فخر و امتیاز ہے، استاذی المحترم جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی اور برادر مکرم جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے مسودہ پر نظر ثانی کی اور بہت سے مفید مشورے دیئے،

جناب سید عبد الحکیم صاحب ناظم کتب خانہ الاصلاح دسنہ، ضلع پٹنہ، مولوی محمد انور صاحب ندوی مہتمم کتبخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، جناب حسین احمد خاں صاحب مولوی محلہ خانقاہ بہار شریف ضلع پٹنہ، جناب امتیاز علی خاں صاحب عرشی، ناظم کتب خانہ ریاست رامپور، جناب ناصر محمود خانصاحب محکمہ بکلی، گلبرگہ شریف اور مولانا سید محمد قاسم صاحب مدرس شمس الہدیٰ مدرسہ پٹنہ بھی لائق تشکر ہیں کہ انھوں نے بعض ضروری کتابیں بھیج کر مدد فرمائی،

ہیچمداں
سید صباح الدین عبد الرحمٰن (علیگ)
دار المصنفین
۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویری

نام و نسب ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گانوں ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی میں لاہو کر رہے، اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ سال ولادت سنہ ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے اور سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسن رضی بن علی مرتضیٰ رضی،

تعلیم تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں، کشف المحجوب میں اپنے اساتذہ میں حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارہ میں لکھتے ہیں،

" اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق میں یگانہ تھے، علم اصول و فروع میں امام اور معانی میں بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور اکابر و اجلۂ اہل تصوف میں تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلوں کے گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی لیکن تقلیداً میں جو عبارتیں لکھی گئیں، وہ پراگندہ ہوتی تھیں، مجھ کو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم میں وہ میرے استاد تھے، جب تک

میں ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت کا احترام کرتے نہ دیکھا تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَھِی عَدَمًا لَا وُجُوْدَ لَہٗ یعنی میں اُس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں"، اور فارسی میں کہتے "ہر آدمی را بایست محال باشد و مرا نیز بایستنی محال است کہ بہ یقین دانم کہ آں نباشد اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھ کو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب و بلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جلالہ کی ہستی ہے کہ اس کے لئے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو، اور یہی صحت فنا کا اصل قاعدہ ہے، واللہ اعلم بالصواب"[1]

حضرت شیخ ابو العباس اشقانی کا ذکر ایک اور جگہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ روز شیخ کے پاس آیا تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں، ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں، لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]،

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

---

[1] کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین [2] ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین،

" وہ روسائے متصوفین میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی، حسین بن منصور سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں[۱] "

نفحات الانس میں ہے کہ شیخ ابو جعفر محمد بغداد کے رہنے والے تھے، حضرت جنید ابو العباس کے ہمعصر تھے، مکہ میں مجاوری کرتے، مصر میں وفات پائی، ان کی قبر زقاق مصری کے پہلو میں ہے،

(شیخ ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ "استاذ" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے، اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کئے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے۔)

(شیخ ابو القاسم بن علی بن عبد اللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے۔ ان کو اپنے زمانہ کا قطب اور علم و فن میں بے نظیر اور بے عدیل بتایا ہے، لکھتے ہیں، کہ تمام لوگوں کے دلوں کا منہ ان کی درگاہ کی طرف تھا، طلبہ ان پر پورا اعتقاد رکھتے، مریدین کے واقعات کے کشف میں وہ ایک آیت کی حیثیت سے تھے، اور اپنا ذاتی واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، کہ میں ایک روز اپنی باطنی کیفیت ان سے بیان کر رہا تھا، تو وہ بڑی عاجزی سے اس کو سن رہے تھے، میں اپنی نوجوانی کے نخوت و غرور میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ابھی کوچۂ معرفت سے نہیں گذرے ہیں، اسی لئے عاجزی دکھا رہے ہیں، انہوں نے میرے دل کی بات معلوم کر لی، اور فرمایا اے میرے باپ کے دوست! میری یہ عاجزی تیرے لئے ہے، تیرے حال کے لئے نہیں ہے، حال کا بدلنے والا محال کے محل پر آتا ہے، میں یہ سن کر بے تاب ہو گیا، آخر میں رقمطراز ہیں کہ ان کے بعد انہوں نے

مجھ کو بہت سے اسرار بتائے، اگر ان کے ظاہر کرنے میں مشغول ہوں، تو اصلی مقصد سے باز رہوں،

ائمۂ متاخرین میں ابو العباس احمد بن محمد القصاب سے بھی متاثر تھے، ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ماوراء النہر میں اپنے علوئے حال، صدق فراست، کثرتِ براہان و کرامت علم تصوف و اصول اور نیک سیرت کے لئے مشہور تھے، وہ امی تھے لیکن اصول دین اور دقائق توحید کو لوگ ان ہی سے معلوم کرتے، ان کی ایک کرامت کا ذکر کرکے ان کے کچھ اقوال بھی نقل کئے ہیں،

انھوں نے ابو عبد اللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد اور ابو احمد بن احمد بن حمد کا ذکر خاص طور سے لطف و لذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابو احمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کیساتھ پہنچا، انھوں نے دیکھ کر پوچھا کیا چاہتے ہو،؟ عرض کیا، سماع، انھوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلسِ سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لئے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ سماع اور کوے کی آواز تمھارے لئے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اُس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہو جائے گا، شوقِ سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزو طبیعت نہ بن جائے،[1]

[1] كشف المحجوب [illegible]

تعلیم طریقت | باطنی و روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلہ میں منسلک تھے، ان کے حال میں لکھتے ہیں :-

" اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ تھے، میری اقتداے طریقت ان ہی سے ہوئی علم تفسیر و روایات کے عالم تھے اور تصوف میں مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت میں گوشہ نشیں ہو کر لوگوں سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لکام میں رہتا تھا، اچھی عمر پائی ان کی ولایت کی بہت سی دلیلیں تھیں، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والوں کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پُر رعب نہیں دیکھا"

وہ حضرت شیخ ابوالحسن علی حصری کے مرید تھے، جن کو حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ سے ارادت تھی، اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کو حضرت جنید بغدادیؒ سے بیعت تھی، اس طرح (شیخ ابوالحسن ہجویریؒ جنیدیہ سلسلہ کے بزرگ ہیں، اپنے مرشد کے اوصاف کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ ایک روز میں ان کا ہاتھ دھلا رہا تھا، تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر کے مطابق انجام پاتے ہیں، تو پھر ایک آزاد آدمی اپنے کو کرامت کی امید پر کیوں کسی پیر کا غلام بنائے، مرشد کو میرے دل کی یہ بات معلوم ہو گئی، اور انھوں نے فرمایا اے میرے بیٹے جو تم سوچ رہے ہو، وہ مجھ کو معلوم ہو گیا، مان لو کہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ایک سبب سے ہوتا ہے، جب وہ چاہتا ہے کہ سپاہی بچہ کو بادشاہت دے تو اس کو توبہ کی توفیق دیتا، اور کسی دوست کی خدمت میں مشغول کرتا ہے

اور وہ خدمت اس کی کرامت کا سبب بن جاتی ہے، اسی طرح کی اور باتیں روز ظاہر ہوتی رہیں۔

(مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہیں)

"جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن میں تھے، یہ گاؤں ایک گھاٹی پر دمشق اور بانیاز رود کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، میں نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہوں اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کر لو تو تمام تکلیفوں سے تم کو رہائی ہو جائے تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہیں چاہئے، اور نہ دل میں کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہئے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہیں کیا، اور جان بحق ہو گئے"[1]

سیاحت | روحانی کسب و کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیائے عظام اور صوفیائے کرام کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، خراسان میں وہ تین سو مشائخ سے ملے، جن میں شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدسی، شیخ الشیوخ ابو الحسن ابن سالبہ، شیخ ابو اسحٰق بن شہریار، شیخ ابو الحسن علی بن بکران، شیخ ابو عبداللہ جنیدی، شیخ ابو طاہر مکشوف، شیخ احمد

---

[1] کشف المحجوب ذکر ائمۂ متاخرین،

ابن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین الیرکانی، شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانی، خواجہ ابوجعفر محمد بن علی ابجودنی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد جادی سرخسی اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوئے،

منازلِ سلوک کے طے کرنے میں جو مجاہدے کئے اُن میں ایک عجیب وغریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابویزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا جو ایک بار دہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اُٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گانوں میں پہنچا تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نظر میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے، اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھکو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہانتک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں۔[1]

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلالؓ موذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا، کہ خواب دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں، اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لئے ہوئے

---

[1] کشف المحجوب باب ششم ذکر ملامت،

ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لئے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کر قدم چومے، اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہو گیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ، اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ گو جسمانی طور پر فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لئے باقی اور قائم ہیں اور ان کے حال پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں[۱]،

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے، جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک شیخ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لئے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لئے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اسکی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا بلا سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے، تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے[۲]،

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل سفر میں رہے، لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی، اور ہر جمعہ کو نماز کے لئے کسی

---

[۱] کشف المحجوب ذکر امام اعظم ابوحنیفہؒ [۲] ایضاً فصل تیسری،

قصبہ میں قیام فرمایا[1]،

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے، ان ظاہری رسوم کو معصیت سمجھتے تھے اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (من کان منکم یومن باللہ والیوم الآخر فلا یقفن مواقف التھم) کو لکھ کر خداوند تعالیٰ سے اپنے لئے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے،[2]

ازدواجی زندگی | تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا، اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچا لیا،[3]

---

[1] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"و عبادت آنجا کہ می خواہی می کن و مشایخ رحمہم اللہ حق آداب آں نگاہداشتہ اند و مریداں را بداں فرمودہ اند یکے میگوید از ایشاں کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود و ہر آدینہ بقصبہ بودم"

خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت ہجویری نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے۔

[2] ذکر الفرق بین المقام و الحال [3] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو،

"من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود، ہم تقدیر کرد، تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رویت بودہ بود یک سال مستغرق آں بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین برمن تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را بہ استقبال دل بیچارہ

[illegible]

ورودِ لاہور | فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں :۔

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصے لاہور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں، لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا۔"

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس آگئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات سے بعد پھر لاہور آئے ہوں لیکن بہرحال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے ایک جگہ فرماتے ہیں:

"کتب من بہ حضرت غزنین ماندہ بود، من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنساں گرفتار شدہ بودم۔"

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا مدعی تھا، مقامِ فنا و بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہوگیا کہ وہ فنا و بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا۔"

(ذکر بقا و فنا)

وفات | آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر ہو کر رشد و ہدایت، اور تبلیغ میں مشغول رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سالِ وفات ۴۶۵ھ ہے[1] انتقال کے بعد مزار [illegible]

[1] عام طور سے تاریخ وفات ۴۶۵ھ ہی بتائی جاتی ہے، لیکن لاہور کے بعض اہل علم کی تحقیق ہے کہ [illegible] آغاز میں ہوا (رسالہ داتا گنج بخش از پروفیسر علم الدین سالک)

زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اُن کی قبر پر چلہ کیا، اور
جب مدت ختم کرکے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخشِ ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا — کاملاں را پیرِ کامل ناقصاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہیں، لیکن گنج بخش سے شرک کی بو آتی ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے یہ شعر نہ کہا ہو کسی اور نے کہدیا ہو، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پُر انوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے،

دارا شکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے،

"خلقِ انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آں روضہ منورہ مشرف می گردند مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز ہم طواف روضہ شریفہ ایشاں بکند، ہر حاجے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارتِ روضۂ منورہ ایشاں ودالدین وخال ایشاں مشرف گشتہ[1]"

ڈاکٹر اقبال نے ان کے متعلق کہا ہے،

سیدِ ہجویر مخدومِ اُمم — مرقدِ او پیرِ سنجر را حرم
بندہائے کوہسار آساں گسیخت — در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہدِ فاروق از جمالش تازہ شد — حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب — از نگاہش خانۂ باطل خراب

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۲،

خاک پنجاب ازدم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت
عاشق و ہم قاصد طیار عشق — بیش آشکارا اسرار عشق

(ان کے مزار کو سلطان مسعود غزنوی کے جانشین سلطان ابراہیم غزنوی نے تعمیر کرایا)

تصانیف — کشف المحجوب کے علاوہ اُن کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:۔

(۱) منہاج الدین، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب، (۶) الرعایۃ بحقوق اللہ،

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:۔

"پیش ازیں اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان ایں (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

(لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیاؒ کا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اسکو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائیگا،

[1] دور نظامی مرتبہ شیخ علی محمود جاندار، نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی، بحیثیت

حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں جا بجا اس کتاب کا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں:۔

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور در یں فن است و لطائف و حقائق در اں کتاب جمع کردہ است۔"[1]

دارا شکوہ لکھتا ہے:۔

"حضرت علی ہجویریؒ را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است و ہیچ کس را بر آں سخن نیست، و مرشدی است کامل، و در کتب تصوف بخوبی آں در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ۔"[2]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابلِ قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں،

علم: کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳) میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبد الماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے جنہوں نے کشف المحجوب اور اسکے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے،

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [2] سفینۃ الاولیاء ص ۱۶۴

شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے، کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہئے، کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک اصولی یعنی ظاہر میں کلمہ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا، (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا۔

حضرت شیخ ہجویری کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں، اس کا کوئی مثل نہیں، (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں، (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت، پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویری نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا

دل تا دانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علموں کو لازم ملزوم قرار دیا ہے اور حضرت ابو بکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے،

فقر دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے، کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مال دار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا، اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع کے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے،

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل خود غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندے کے درمیان مشترک ہو ضرور پائی جائیگی، اور یہاں صفت یعنی غنا فقر سے بہتر ہے،

ں کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لئے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں غنی خدا کے منجملہ ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لئے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماورا ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازمی ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہیں،

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کردے، اس لئے غنی بالتبع فاعل ہے اور من اغناہ اللہ معمول ہے فاعل بذات خود قائم ہے، اور معمول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے، جس طرح فقر میں حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہئے حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک

طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے، تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لئے بے معنی ہو جاتے ہیں،

تیسری فصل میں فقر اور فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں اُن کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھید دل کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابو الحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت میں سکوت کرے اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لئے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہیں کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسروں کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا منتظر نہیں رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اسکو آرام نہیں ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے،

صوفی کی اصلیت تیسرے باب میں صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس میں بھی تین فصلیں ہیں،

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اوّل میں رہتا ہے، اس لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہیں مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان میں سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتوں سے پاک و صاف ہوجاتا ہے، اور حقیقت میں صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک و صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعّل سے ہے، جس کا خاصہ تکلف ہے یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہیں

اہلِ تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صوفی جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات میں بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، (۲) متصوف جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف، جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے۔

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) اور متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں، جن سے ان کے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہیں، کہ

تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو، اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیرِ خدا سے بری ہو کر وہ صفِ اوّل اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں،

حضرت حصریؒ کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے،

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے یہاں کوئی چیز نہ دیکھے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح کر کے بتایا ہے کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اسی طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا.

تصوف | اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو،

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک اخلاقِ اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل

ہوتا، رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا، اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا،

صوفی کا لباس | چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنتِ رسول کی پیروی میں کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہئے، اسکے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لئے ضروری ہے، کہ مؤخرالذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں، خلق کی خدمت یہ ہے، کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور اس کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس میں ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہوں، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینوں شرطیں پوری ہو جائیں، تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے،

ملامت | چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے خلق کی ملامت کو خدا کے

دوستوں کی غذا کہاہے، اور اس کی تین قسمیں بتائی ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات میں درست ہو، پھر بھی خلق اسکو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی مطلق پروا نہ کرتا ہو، مثلاً ابو طاہر حرمیؒ ایک بار بازار میں جارہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق، کہاں جاتا ہے"، ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھوں نے روک دیا، اور جب گھر آئے، تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے (جن میں ان کو کسی میں شیخ ذکی، کسی میں شیخ زاہد، کسی میں شیخ الاسلام اور کسی میں شیخ الحرمین کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا) اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے، مگر یہ سب اسم نہیں ہیں، القاب ہیں، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیوں کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو اور خلق کی ملازمت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزیدؒ رمضان کے مہینے میں سفر حجاز سے اپنے شہر میں واپس آئے، تو لوگوں نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم میں وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کردیا، لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے، اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزیدؒ نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں،

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کردیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تروتازہ باغ، دوستوں کے لئے مایۂ تفریح، مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کے لئے سرور ہے، حضرت ابراہیم ادھمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے، تو انھوں نے کہا کہ ہاں دو بار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھ کر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا، اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا، اور مجھ کو وہ لباس اتارنا پڑا، دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی، کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا، ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھ کو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا، اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا، اُس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا،

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل بیت، اہل الصفہ، تبع تابعین ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

- چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی،

رضا | پہلا فرقہ محاسبیہ ہے، جو عبد اللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب

ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے حضرت ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے، (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے۔

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف وہیبت میں ایسی ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسی اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پاکر تمام غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے۔

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے۔

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے اس موقع پر اس

مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے،

سکر و صحو اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابویزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابوالقاسم الجنید بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کا ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتا، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو، تو دونوں بیفائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے،

عزلت نشینی پانچواں گروہ نوریہ کا ہے، جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحابِ صحبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے، اور اگر صحبت کے رسمی ایثار رنج و کلفت کے ساتھ

محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقۂ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے،

مجاہدہ وریاضت (۶) سہلیہ :- اس کے امام حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد (جدوجہد، مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے،

فرماتے ہیں کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتوں کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزّوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشوں کو روکنا جہادِ اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے اس میں بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہیں، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہوں کو اختلاف ہے، انکا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصلِ حق کی علت نہیں ہو سکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت میں مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات میں رہتا ہو، گنہگار ہو، اور اسے قربِ خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے، تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے، کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہیں اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں اس دلیل کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہیں دیتے،

بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں،

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشوں کا ذکر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزوں کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا، دوسرے نفس کی خواہشوں کا، جو عقل کا متبع ہوتا ہے، وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے، فرمایا ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے،

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے، لیکن مؤخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے، خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو،

ولایت وکرامت | (۲) فرقہ حکیمیہ:۔ یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں، کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں، جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں، تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ د[...] باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائیگی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بند[...]

اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں،

(۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقبار (۶) قطب یا غوث،

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے،

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے، نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض مقدرِ خداوندی ہے، یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابویزیدؒ، ذوالنون مصریؒ خفیفؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو [illegible] میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے

وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں،

حضرت جنیدؒ اور ابو العباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں، تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے،

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں بتایا گیا ہے، کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں، اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں،

فنا و بقا (۸) فرقہ خرازی:۔ یہ فرقہ حضرت ابو سعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے جنھوں نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے،

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد

و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علٰحدہ ہو جاتا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق، اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علٰحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے،

غیبت وحضور (۹) فرقہ خفیفی:۔ یہ فرقہ حضرت ابو عبد اللہ بن خفیفؒ کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف "غیبت وحضور" ہے،

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں،

اس سلسلہ میں صوفیہ کرام نے یہ بحث کی ہے، کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ [illegible]ت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور [illegible]ضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انھوں نے

فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی،

جمع و تفرقہ (۱۰) فرقۂ سیاریہ:۔ یہ فرقہ ابو عباس سیاریؒ کی جانب منسوب ہے جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے، کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماعِ ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے، کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علحدہ نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری میں ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم

اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ کوشش سے،

اسکے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) جمع سلامت و (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے، لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے، لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے،

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنوں کی سی ہوتی ہے، اسی لئے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے،

حلول روح (۷) گیارھواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارھویں فرقہ کا نام نہیں لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسٰی بغدادی) بتایا ہے۔

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے، خدائے تعالیٰ میں بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے، قدیم نہیں، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہیں، خالق اور مخلوق کی صفت یکساں نہیں ہو سکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے میں حلول کر سکتی ہے روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف

نہیں کہا جا سکتا ہے۔

گذشتہ صفحات میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آیندہ ابواب میں تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہیں، اور راہ سلوک میں بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کی علٰحدہ علٰحدہ تشریح اور توضیح ہے۔

معرفت پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے، اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے، مگر علت نہیں، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ خدا کو میں نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا۔

معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں بحث کی ہے، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذو النون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ پیہم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کر کے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور مثبتات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے،

جس کے بعد بندہ ظاہری و باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی میں، دوسرے چگونگی میں ہستی میں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے اور چگونگی میں معرفت کیونکہ خدا کی ہستی میں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات و سکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

توحید | دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے یعنی (۱) خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے، (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے، (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لئے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لئے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لئے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ جس میں حرکت و سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ جو اس کے لئے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لئے اجزا ہوں، وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جز و ہو، اس کی

ذات وصفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے، جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی نسبت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی، اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

ایمان | تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا، لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پاسکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت بے معنی ہے جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اُٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو جسم تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہئے،

طہارت | چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارتِ باطن سے مرا

ل کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی ابتدا
سا توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف
ے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں، (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر
اسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ
ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کے لئے بھی تین شرطیں
ہیں، (۱) عقوبت کا خوف ہو، (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں،
(۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں،

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس توبہ کو کہتے ہیں، جو عام بندے کیا کرتے ہیں،

(۲) ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے، جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے،

(۳) حصولِ عرفان کے لئے یہ اوابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لئے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں،

(۱) خطاب سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار
ہو یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہلِ ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

نماز | پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے
کی کوشش کی ہے، کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے
تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے،

قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرأت ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے،

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو، اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابو الخیر اقطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطبا

نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں۔ خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کے لئے نماز با جماعت کی تاکید ہر حال میں کی ہے، چنانچہ انھوں نے خود چالیس برس کی مسلسل سیاحت میں ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی، اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ میں پڑھی، جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا،

زکوٰۃ | چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جز ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں۔ سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال میں اور اس کی زیادتی اور کمی میں تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے لئے اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر میں زکوٰۃ کی گنجائش کہاں ؟ مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں، ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت میں مشغول رکھنا ہے باطن بھی ایک نعمت ہے۔ اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے،

روزہ | ساتواں حجاب روزہ ہے حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس دھوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس سے نفس میں فنا دگی، اور دل میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اگرچہ

بھوک سے جسم بلا میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابوالعباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں کھاتا ہوں تو اپنے میں گناہوں کا مادہ پاتا ہوں، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں تو سب طاعتوں کی اصل پاتا ہوں، حضرت عبداللہ تستریؒ پندرہ روز میں ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہیں تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک میں کوئی چیز نہیں کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہوں کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی، اس کو فقراء و مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

حج آٹھواں حجاب حج کا ہے حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا، گناہوں سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتوں سے علیحدہ ہوتا ہے، عرفات میں قیام کرنا، مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادوں کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ میں دوڑنا دل کی صفائی اور اس میں مروت حاصل کرنا ہے، منیٰ میں آنا آرزوؤں کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشوں کو ذبح کرنا ہے، اور کنکریاں پھینکنا برے ساتھیوں کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج میں یہ کیفیات حاصل نہیں ہوئیں، اس نے گویا حج نہیں کیا،

مشاہدہ حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب

میں مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اسکی کلیت اس کی حدیث ہوجائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لئے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ میں ایک گروہ فاعل کو دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پرتو انوار الٰہی ہے اس لئے ظاہر، ورباطن میں حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار کیفیت ہے، جو ذکر و فکر میں حاصل ہوتی ہے،

آداب سالک اس کے بعد مختلف ابواب میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے سالک کے طریق وآداب پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو، (۲) بندوں کا حق بھی ادا کرتا ہو، (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ استقبال کرے، (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے، یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لئے ہو، (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو، اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے، (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے، (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو، (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو

تو وہ خاموشی سے بہتر ہے، (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے، (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لیے زینت ہے،

سماع | آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے مگر اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ہیں، سالک سماع بلاضرورت نہ سنے اور طویل وقفہ کے بعد سنے تاکہ اس کی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو طبیعت لہو ولعب کی طرف مائل نہ ہو اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے؛ [1]

---

[1] کہا جاتا ہے کہ کشف المحجوب کے ضمیمہ کے طور پر حضرت علی ہجویریؒ نے ایک رسالہ کشف الاسرار کے نام سے بھی لکھا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

نام و نسب | تذکرہ نگار حضرت خواجہ کا پورا اسم مبارک معین الدین حسن سجزی چشتی لکھتے ہیں، اصلی نام معین الدین تھا، ان کے والد بزرگوار سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ حسنؒ بھی جزو تھا، اس لئے ان کے نام کا بھی یہ جزو ہوگیا،

مختلف تذکروں میں ان کا مختلف پدری شجرہ درج ہے، مثلاً جواہر فریدی میں یہ نسب نامہ ہے،

حضرت خواجہ معین الدین بن غیاث الدین حسن سجزی بن سید حسن احمد بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز ابن سید ابراہیم بن امام محمد مہدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی ابن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امیر المومنین امام حسین شہید دشت کربلا رضی اللہ عنہ، ابن حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

خزینۃ الاصفیا میں ہے،

حضرت خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم ....

۱۔ سیر الاقطاب ص ۳۰۔۲۳، آئینہ اکبری جلد سوم ص ۹۸، جواہر فریدی قلمی نسخہ و سفینۃ الاولیا ۱۵، گلزار ابرار قلمی نسخہ،

تذکرۃ السادات میں ہے،

"خواجہ معین الدین بن سید غیاث الدین بن سید سراج الدین بن سید عبداللہ بن سید عبدالکریم بن سید عبدالرحمن بن سید علی اکبر بن سید ابراہیم"

مولد | سیر العارفین ص ۴ میں ہے،

"تولد او سجستان است و نشو و نما در دیار خراسان۔

اکبر نامہ میں ہے

"خواجہ از سیستان است او را سجزی می نویسد کہ معرب سگزی است (ج ۲ ص ۱۵۴)[1]

آئین اکبری میں ہے،

"در قصبہ سجار دار سجستان براد (جلد سوم ص ۱۶۸)

گلزار ابرار میں ہے:-

"نقصبہ سجزا از دار سجستان علی صورت او را حصری ملعت پوشانید لیکن پرورش در صوبہ خراسان یافت"

تزک جہانگیری میں اکبر نامہ ہی کی روایت ہے،

تاریخ فرشتہ کی روایت ہے،

"تولد او در بلدۂ سجستان بود" (جلد دوم ص ۳۷۵)

سیر الاقطاب میں درج ہے،

---

[1] اکبر نامہ کے انگریزی مترجم کا ترجمہ (ص ۲۳۸) میں یہ ہے،
The Khwaja cam from Sistan and they write him Sijzi which is the Arabic for Sigzi ...... wrongly printed in the Text as Sinjri The mistake is corrected

"آنحضرت اصل از سادات سنجرستان است . . مولد شریف آں حضرت در صفاہان است و نشو و نما در خراسان یافت (ص ۱۰۱)

جواہر فریدی میں ہے،

"تولد او در سجستان است و نشو و نما در دیار خراسان"

مرآۃ الاسرار کے مولف لکھتے ہیں،

"ولادت وی بقصبہ سنجر در دیار سجستان است و آں را سیستان نیز گویند و در خراسان نشو و نما یافت"

مطلوب الطالبین میں ہے،

"ولادت وے بقصبہ سنجر کہ در دیار سجستان کہ ایں را سیستان نیز گویند واقع شدہ و در ملک خراسان نشو و نما یافت"

روضۃ الاقطاب میں مرقوم ہے،

"ولادت وے بقصبہ سنجر کہ در دیار سجستان است و آں را سیستان نیز گویند واقع شدہ در ملک خراسان نشو و نما یافت (ص ۳۰)

خزینۃ الاصفیا میں ہے،

"مولد شریف وے بلدۂ اصفہان است و نشو و نما در خراسان یافت" (جلد اول ص ۲۵۶)

اوپر کے تذکروں میں صرف سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ حضرت خواجہ اصفہان میں پیدا ہوئے، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے، کیونکہ اور تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا مولد سجستان یا سیستان تھا، اور بعض تذکروں میں تصریح ہے کہ سجستان یا سیستان کے قصبہ سنجر میں ولادت ہوئی، اسی لئے سیر الاولیا، اور

اخبار الاخیار جیسے مستند مطبوعہ نسخوں میں اُن کے نام کے ساتھ سنجری لکھا ہے، لیکن راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے، جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے، در اصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں، جس کی نسبت سجزی ہے، اس لئے میری رائے میں خواجہ معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے،

سنہ پیدائش خواجگانِ چشت کے ملفوظات یا تصانیف میں جو اُن کی طرف منسوب ہے، ہیں حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت کے سنہ کا ذکر نہیں، سیر الاولیاء خواجگانِ چشت پر قدیم ترین تذکرہ سمجھا جاتا ہے، لیکن اس میں بھی حضرت خواجہ کے حالاتِ زندگی کے سلسلہ میں کسی سنہ کا ذکر نہیں، بعد کے تذکروں میں سیر العارفین میں صرف اتنا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نے اس عالمِ فانی سے عالمِ بقا کو رحلت فرمائی تو اس وقت ان کی عمر ۹۷ سال کی تھی، آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۶۸) میں ہے، کہ وہ ۵۳۷ھ ہجری میں سجز کے قصبہ میں پیدا ہوئے، ان کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو ان کے والد بزرگوار کی وفات ہوگئی، آخر میں ہے کہ روز شنبہ ۶ رجب ۶۳۳ھ کو عالمِ بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۷۷) میں سنہ پیدائش تو درج نہیں، لیکن سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، اور رحلت کے وقت عمر ۹۷ برس بتائی گئی ہے، اس طرح سنہ پیدائش ۵۳۶ھ تعین کیا جا سکتا ہے، گلزار ابرار میں سنہ پیدائش ۵۳۷ھ اور سنہ وفات ۶۳۳ھ مرقوم ہے، اخبار الاخیار (ص ۲۲) میں بھی پیدائش کا سنہ نہیں، لیکن اس میں وفات کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، سیر الاقطاب میں پیدائش اور وفات دونوں کے سنہ مذکور نہیں،

سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہؒ کی ولادت ۵۳۰ھ اور وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ میں ہوئی، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی اس میں مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ کی عمر شریف ایک سو چار برس کی تھی، لیکن جو سنہ ولادت و وفات لکھے گئے ہیں ان سے ۱۰۴ کے بجائے ۱۰۳ سال کی عمر ہوتی ہے، (ص ۱۵۰) مرأۃ الاسرار میں ہے کہ

"وفاتش روز شنبہ ششم ماہ رجب در سنہ اثنی و ثلثین و ستمایہ (۶۳۲) چنانکہ از آفتاب ملک ہند تاریخ پیدا می شود، اما قول اول اصح از انکہ سلطان المشائخ و دیگر بزرگان این خاندان تصحیح نمودہ اند کہ خواجہ قطب الاسلام در ماہ ربیع الاول سنہ ثلث و ثلثین و ستمایہ (۶۳۳ھ) وفات فرمود، و از عبارت دلیل العارفین بلفظ خواجہ بزرگ کہ خواجہ قطب الاسلام نقل کردہ است چنانکہ نوشتہ شد، پس ازیں جا اختلاف برطرف گشت، و از کتاب کلمات الصادقین بہ تحقیق پیوست کہ نقل خواجہ بزرگ در ششم ماہ رجب در سنہ سبع و عشرین و ستمایہ (۶۲۷ھ) در زمان سلطنت شمس الدین التمش انار اللہ برہانہ واقع شد و عمر شریفش قریب نود و ہفت سال رسیدہ بود، از آنجملہ مدت چہل و پنج سال در اجمیر سکونت داشت۔"

جواہر فریدی میں پیدائش کی تاریخ نہیں دی گئی ہے، وفات کے سلسلہ میں صرف اتنا ہے کہ

"رحلت ایشان در ششم ماہ رجب المرجب روز دوشنبہ است۔"

مطلوب الطالبین میں بھی پیدائش کی تاریخ نہیں ہے، لیکن وفات کی تاریخ ہے،

"حضرت خواجہ معین الدین پیش از خواجہ قطب الدین وفات یافتہ نہ بعد ازوے وفاتش شب یکشنبہ ماہ رجب المرجب سنہ اثنی و ثلثین و ستمایہ یعنی در سال شش صد

سی و دو واقعہ شد، وفات حضرت خواجہ پس از چند ماہ بتاریخ چہاردہم ماہ ربیع الاول سنہ ثلث و ثلثین و ستمایہ یعنی در سال ششصد و سی و سہ بود۔"

یہی تاریخ روضۃ الاقطاب میں ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے،

"ولادت با سعادت آنجناب باتفاق اہل تواریخ در سال پانصد و سی و شش ۵۳۶ھ و وفات آں جامع الکمالات روز دوشنبہ ششم ماہ رجب المرجب سال ششصد و سی و سہ (۶۳۳ھ) در عہد سلطنت شمس الدین التمش بوقوع آمد۔"

(جلد اول ص ۲۶۵)

اردو کے سوانح نگاروں میں مولانا عبدالحلیم شرر حضرت خواجہ کا سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھا ہے، آثار اجمیر مولفہ مولانا معین الدین اجمیری میں سنہ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ مرقوم ہے، لیکن معین الارواح میں نواب خادم حسن زبیری نے سنہ وفات ۶ رجب ۶۲۷ھ لکھا ہے،

اوپر کی تفصیلات سے ظاہر ہوگا کہ زیادہ تر تذکرہ نویس اور مورخین وفات کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ لکھتے ہیں، اس طرح پیدائش کی تاریخ ۵۳۶ھ ہوتی ہے، لیکن اس کو تسلیم کرنے میں اس لئے تامل ہے کہ تذکرہ نگاروں اور مورخوں کا اتفاق ہے کہ حضرت خواجہ کی رحلت سلطان شمس الدین التمش کے عہد سلطنت میں ہوئی، طبقات ناصری سلطان التمش کے عہد کی معاصر تاریخ ہے، اس میں سلطان کی وفات کی تاریخ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ لکھی ہوئی ہے، اور اس کو موجودہ دور کے تمام مورخوں نے صحیح تسلیم کیا ہے اور پھر یہ بھی روایت ہے کہ سلطان نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کے جنازہ کی نماز پڑھائی، اور اگر اس کو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر ہو تو اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں

کر سکتا ہے، کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی وفات حضرت خواجہ معین الدینؒ کی رحلت کے بعد سلطان التمش کی زندگی میں ہوئی، اور ان کی وفات کا مہینہ ربیع الاول تو یقینی ہے، سیرالاولیاء کی روایت ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوئی، یہ سنہ تسلیم کرنے میں عذر نہیں، کیونکہ اس وقت سلطان التمش زندہ تھا، اس طرح اگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت ۱۴ ربیع الاول کو ہوئی تو سلطان التمش نے اسی سال ۲۰ شعبان کو وفات پائی، اس کو ماننے کے بعد حضرت خواجہ معین الدینؒ کے وصال کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۳ھ نہیں ہو سکتی، کیونکہ ان کی رحلت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زندگی ہی میں ہوئی، اب دو تاریخیں ۶ رجب ۶۳۲ھ اور ۶ رجب ۶۲۷ھ رہ جاتی ہے، اگر ۶ رجب ۶۳۲ھ تسلیم کر لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے، کہ حضرت بختیار کاکیؒ اپنے مرشد کی رحلت کے آٹھ مہینے کے بعد ہی وفات پا گئے، اگر ایسا ہوتا تو ایک سال کے اندر ہندوستان میں علم و معرفت کے مہر و ماہ کے غروب ہو جانے پر بڑا ماتم ہوتا، پھر تمام تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو ان کے مرشد نے خرقۂ خلافت ۵۲ برس کی عمر میں عطا کیا، تو اگر ان کی وفات کی تاریخ ۶۳۲ھ مان لی جائے تو ۹۷ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۵ھ ہوتی ہے، اس طرح ان کو خرقۂ خلافت ۵۸۷ھ میں ملا جو حضرت خواجہ کے ہندوستان آنے کی تاریخ ہے، اور خرقۂ خلافت پانے کے بعد انھوں نے ہندوستان آنے سے پہلے مختلف ملکوں کی سیاحت کی، اور اگر ۶۲۷ھ کے لحاظ سے ان کی تاریخ پیدائش ۵۳۰ھ تسلیم کر لی جاتی ہے تو خرقۂ خلافت کی تاریخ ۵۸۲ھ ہوتی ہے، جس کے بعد ان کو ہندوستان آنے سے پہلے

پانچ سال کی کافی مدت سیاحت کے لئے مل جاتی ہے،

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے مرشد کی رحلت کے کچھ عرصہ بعد تک زندہ رہے۔ ان کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج فرماتے رہے، اس لئے ۶۳۳ھ کی تاریخ وفات زیادہ قرین قیاس ہے، اگر ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ تاریخ وفات تسلیم کیجاتی ہے، تو حضرت خواجہ کی ۹۰ سال کی عمر کے لحاظ سے ان کی تاریخ ولادت ۵۳۵ھ ہوتی، اور اگر تاریخ وفات ۶۳۰ھ مان لی جائے تو سنہ پیدائش ۵۴۰ سنہ ہجری قرار پاتا ہے۔

<u>ابتدائی تعلیم</u> | اوپر لکھا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ کی نشو و نما خراسان میں ہوئی، پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا،[1] ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے ایک روز ابراہیم قندوزی نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو حضرت خواجہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا، اور کھل کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھل کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہو گیا،[2] علائق دنیا کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا اور سمرقند پہونچے، جہاں کلام مجید حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے،[3]

<u>بیعت</u> | سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبہ ہارون[4] میں حضرت شیخ عثمان ہارونی

[1] جواہر فریدی قلمی نسخہ، مونس الارواح قلمی نسخہ، سیر الاقطاب ص ۱۰۱، مطلوب الطالبین قلمی نسخہ، روضۃ الاقطاب ص ۳۰، [2] سیر العارفین مطبع رضوی دہلی ص ۵، مونس الارواح، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۵، [3] سیر العارفین، جواہر فریدی، روضۃ الاقطاب ص ۲۰، [4] یہ قصبہ نیشاپور کے مضافات میں واقع ہے، خیر المجالس میں ہے، "خواجہ فرمود کہ مرا ہارونی نیست ہروَلی است ہرون دہی است" لیکن تمام تذکرہ نویسوں نے ہروَلی کے بجائے ہارونی ہی لکھا ہے، اسلئے تو ہارونی ہی زبان و قلم پر چڑھا ہوا ہے،

قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رخ ہو کر سورہ بقرہ پڑھنے کو کہا، اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا، اور ساٹھ بار سبحان اللہ، آسمان کی طرف اپنا چہرہ مبارک اٹھایا، اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا،

"ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم"

پھر مرید کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت کیا، کلاہ چہار ترکی کی تصریح خزینۃ الاصفیاء کی حسب ذیل عبارت سے ہوتی ہے،

"مراد از کلاہ چہار ترکی چار ترک است، اول ترک دنیا، دوم ترک عقبیٰ وسوائے ذات حق مقصود دیگر ندارد، سوم ترک خورد و خواب مگر قدرے بجائے سد رمق کہ از ضروریات است، چہارم ترک خواہش یعنی ہرچہ کہ گوید خلاف آں کنی، وہر کہ ایں چہار چیز ترک کند پوشیدن کلاہ ترکی بوے سزاوار است۔" (خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۲۵۰)

مرشد کی تعلیم کچھ اور ہدایتوں پر خواجہ صاحب نے شبانہ روز عمل کیا، تو چند دنوں میں انوار الٰہی سے اپنے قلب کو منور پایا،[1]

شجرۂ طریقت حضرت خواجہ کا شجرۂ طریقت یہ ہے:

(۱) خواجہ عثمان ہارونی، (۲) خواجہ حاجی شریف زندانی (۳) خواجہ محمد مودود چشتی (۴) خواجہ ابو یوسف چشتی، (۵) خواجہ ابو محمد چشتی، (۶) خواجہ ابو احمد چشتی (۷) خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی سالار چشتیاں (۸) خواجہ ممشاد علی دینوری (۹) خواجہ امین الدین ابی ہبیرہ البصری (۱۰) خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی (۱۱) خواجہ ابراہیم ادھم (۱۲) خواجہ

---

[1] انیس الارواح ص ۲ و جواہر فریدی، و سیر الاقطاب ص ۱۰۲،

ابو الفیض فضیل (۲۷) خواجہ ابو الفضل (۲۸) خواجہ حسن بصری (۲۹) حضرت امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب

سلسلہ | حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے، اسی لئے چشتی کہلائے اور ان کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا، چشت خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے،

خدمت مرشد | انیس الارواح (ص ۲-۳) میں ہے کہ مرشد کی صحبت میں بیس سال گذارے، دلیل العارفین (ص ۳) میں ہے کہ حضرت خواجہ اپنے مرشد کے ساتھ آٹھ سال رہے، سیر العارفین، گلزار ابرار اور جواہر فریدی کے مولفوں کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں ڈھائی سال رہ کر ریاضت و مجاہدہ میں زندگی بسر کی، سیر الاولیا، سیر الاقطاب، روضۃ الاقطاب، مطلوب الطالبین، اخبار الاخیار، مونس الارواح اور سفینۃ الاولیا میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے، اور غلاموں کی طرح خدمت کی، سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے،

مرشد کے ساتھ سیاحت | مرشد کے ساتھ وہ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے، اور ان کے ساتھ بزرگوں سے روحانی فیوض بھی حاصل کئے، جس کی مثالیں ذیل میں درج ہیں،

مرشد کی معیت میں سیوستان پہونچے تو وہاں شیخ صدر الدین محمد سیوستانی سے ملنے ان کے صومعہ میں گئے، جہاں کئی روز رہے، یاد حق میں ان بزرگ کا استغراق حد سے زیادہ تھا، جو کوئی ان کے پاس آتا، محروم نہ جاتا، اس کو کوئی چیز لاکر ضرور دیتا

دو فرماتے کہ میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لیجاؤں جب وہ قبر اور موت کے شدائد کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپتے اور روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا، جیسے کسی چشمے سے پانی رواں ہو، یہ گریہ سات سات دن تک بند نہ ہوتا، آسمان کو دیکھ کر روتے، اور ان کے رونے سے دیکھنے والوں کو رونا آتا تھا، ایک موقع پر حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا "اے عزیز! جس کو موت آنے والی ہو، اور اس کا حریف ملک الموت ہو، اس کو سونے ہنسنے اور خوش رہنے سے کیا کام، اس کے بعد فرمایا، اے عزیز! اگر تمھیں ان لوگوں کا ذرا بھی حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھری میں سوتے ہیں، جس میں سانپ بچھو بھرے ہوئے ہیں، تو اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح گھل جاؤ جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے، اس کے بعد فرمایا ایک وقت میں ایک بزرگ کامل کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا، پاس ہی قبر میں ایک مردہ پر عذاب ہو رہا تھا، ان بزرگ نے جب یہ حال معلوم کیا تو زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے میں نے ان کو اٹھانا چاہا تو ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی، اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی ہو کر بہ گیا، اس دن سے مجھ پر بھی قبر کی بڑی ہیبت طاری ہے، اس لئے اے عزیز! دنیا میں مشغول نہ ہو تاکہ حق سے غافل ہو جاؤ، (دلیل العارفین ص ۱۶)

(بدخشاں پہونچے تو وہاں ایک خانقاہ میں ایک بزرگ کو دیکھا جن کا ایک پاؤں کٹا ہوا تھا، ان سے باتیں ہوئیں تو انھوں نے فرمایا کہ اس خانقاہ میں عبادت کرتا تھا کہ ایک روز نفسانی خواہش میں مبتلا ہوکر باہر نکلنا چاہا اور جیسے ہی ایک پاؤں باہر نکالا تھا کہ ندا آئی،

اے مدعی عہد این بود کہ فراموش کردی

یہ سن کر اس پاؤں کو چھری سے کاٹ کر باہر پھینک دیا، اور چالیس سال سے عالم تحیر میں ہوں کہ معلوم نہیں قیامت کے روز درویشوں کے ساتھ خدا کو کیا منھ دکھاؤں گا، (انیس الارواح ص ۳)

مرشد کے ساتھ حضرت خواجہ نے حضرت خواجہ بہاء الدین اوشی سے شرف ملاقات حاصل کیا، اور انھوں نے حضرت خواجہ کو نصیحت فرمائی کہ تمیں روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ملے اپنے پاس نہ رکھا جائے خدا کی راہ میں لٹا دینا، تاکہ اللہ کے دوستوں میں تمھارا نام ہو، (فوائد السالکین مجلس سوم)

مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، اور پیر مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں، اور مرشد نے گوش شنوا سے سنا،

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم۔"

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے حضرت خواجہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی[۱]

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی فرمایا کرتے تھے۔

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او"[۲]

اور جب انھوں نے ان کو خرقہ عطا کیا تو ان کے سر پر چار ترکی بھی رکھی،

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح۔ [۲] سیر العارفین ص ۷، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۸، سیر الاقطاب ص ۱۰۳، مونس الارواح

انیس الارواح میں ہے کہ خرقہ کے ساتھ عصا نعلین چوبی اور مصلی بھی دیا، اور فرمایا کہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا ہے، اور اسی کو یہ یادگار دینا جس کو تم مرد پاؤ، اور جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اس پر عمل کرنا، تاکہ قیامت کے دن شرمندگی نہ ہو، (انیس الارواح ص ۳۴)

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد سے ۵۲ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت پایا، اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہ اپنے مرشد کے ساتھ بیس سال رہے، تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۳۲ سال کی عمر میں مرید ہوئے، اس سے پہلے کا زمانہ ظاہری اور باطنی علوم کی تحصیل میں گذرا،

سیاحت مرشد سے علٰحدگی کے بعد حضرت خواجہؒ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی جس کو ترتیب زمانی کے ساتھ لکھنا مشکل ہے، کیونکہ مختلف تذکرہ نگاروں کی مختلف رائیں ہیں، سیر العارفین میں اس سیاحت کی تفصیل اور تذکروں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، اس کے مصنف کی روایت ہے کہ حضرت خواجہؒ مرشد سے علٰحدہ ہونے کے بعد پہلے سنجان آئے، پھر جیل پہونچے جہاں سے بغداد شریف وارد ہوئے، وہاں سے چل کر ہمدان تشریف لائے، پھر تبریز ہوتے ہوئے مہنہ آئے، پھر خرقان، استرآباد، ہرات سبزوار، حصار اور بلخ ہوتے ہوئے غزنین پہنچے، جہاں سے ہندوستان کی طرف رخ کیا، دلیل العارفین اور دوسرے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے اصفہان، کرمان اور بخارا کی بھی سیاحت کی، اور اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے کہ مدینہ منورہ میں ان کے ہندوستان جانے کی بشارت ملی، تو پھر خیال ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت فرماتے رہے،

حضرت خواجہؒ کی یہ سیاحت راہ سلوک کی کٹھن منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئی، اسی لئے وہ وہیں پہنچے جہاں بحر معرفت کے غواص اور شناور موجود تھے ان کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل فرماتے رہے، مثلاً سنجان پہنچے تو شیخ نجم الدین کبری (المتوفی ۶۱۸ھ) کی خدمت ڈھائی برس تک قیام پذیر ہوئے[1] جیل آئے تو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ) کے یہاں ستاون روز رہ کر ہمہ قسم کے فیوض حاصل کئے[2]، بغداد آئے تو حضرت شہاب الدینؒ سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے[3]، بغداد کے قیام کے زمانہ میں وہ دجلہ کے کنارے ایک خانقاہ میں گئے، جہاں ایک بزرگ مقیم تھے، حضرت خواجہ نے ان کو سلام کیا تو انھوں نے اشارہ سے جواب دیا، اور بیٹھ جانے کو کہا، جب وہ بیٹھ گئے تو ان بزرگ نے مخاطب ہو کر فرمایا مجھے پچاس سال ہوئے کہ خلق اللہ سے علیحدہ ہو کر یہاں بیٹھا ہوں، جیسے تم سفر کرتے پھرتے ہو اسی طرح میں بھی سفر کرتا تھا اثنائے سفر میں میرا گذر ایک شہر میں ہوا، تو ایک مالدار شخص کو دیکھا کہ بازار میں کھڑا ہوا لوگوں سے بھاؤ تاؤ کرتا ہے، اور نہایت سختی سے پیش آتا ہے، اور اپنے گاہکوں کو بہت تکلیف دیتا ہے، میں خاموشی سے ادھر سے گذر گیا، اور اس مالدار شخص کو کچھ نہ کہا، میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو خدا کے لئے اس شخص کو مردار دنیا سے باز رکھتا اور جھڑک دیتا کہ ایسا کام نہ کرو تو شاید وہ تیرا کہا مان جاتا اور ظلم سے باز آتا، جس روز سے میں نے یہ آواز سنی ہے، بہت شرمندہ ہوں، اور

---

[1] سیر العارفین ص ۵ [2] سیر العارفین میں ہے کہ پانچ مہینے رہے،

[3] سیر العارفین، ص ۶،

اس خانقاہ میں مقیم ہوں، کبھی اس سے باہر قدم نہیں نکالا، مجھ کو اس بات کا بڑا خوف ہے کہ قیامت کے روز جب اس معاملہ کے متعلق پوچھا جائیگا، تو کیا جواب دوں گا، میں نے اس تاریخ سے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤنگا تاکہ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑے، اور میں شہادت میں پکڑا نہ جاؤں[1]،

کرمان پہنچے تو ایک ایسے بزرگ سے ملے، جو بڑے صاحب نعمت و ریاضت تھے، یادِ حق میں مشغولیت کی وجہ سے ان کے بدن میں صرف روح ہی باقی تھی گوشت و پوست بالکل نہ تھا، وہ باتیں بہت کم کرتے تھے، حضرت خواجہ نے ارادہ کیا کہ ان سے پوچھیں کہ آپ کا حال ایسا کیوں ہے، تو انھوں نے اپنی روشن ضمیری سے ان کے ارادے کو معلوم کر لیا، اور ان کے سوال کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا کہ اے درویش! ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان گیا، اور ایک قبر کے پاس ہم دونوں ٹھہرے، اتفاقاً اس دوست سے لہو و لعب کی کوئی بات سرزد ہو گئی، جس پر مجھے ہنسی آ گئی، ہنسنے پر میرے کان میں یہ آواز آئی کہ جس کا حریف ملک الموت ہو، اور زیرِ خاک سانپ اور بچھو کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا سروکار، جب میں نے یہ بات سنی، آہستہ سے اٹھا اور اپنے دوست کو رخصت کیا، وہ اپنے گھر گیا، اور میں اس غار میں آیا، اور یہاں سکونت اختیار کر لی، اور اس دن سے مجھ پر بڑی ہیبت طاری ہے، اور خوف سے میری جان روز بروز گھلتی جاتی ہے، آج چالیس سال ہوئے کہ نہ میں ہنسا ہوں ورنہ میں نے شرمندگی سے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا ہے کہ کل قیامت

---

[1] [illegible]

کے دن وہاں کیا منہ دکھاؤنگا،[1]

استراباد پہنچے تو شیخ ناصر الدین استرابادی کی زیارت کی[2]، بخارا کی سیاحت میں ایک مرد حق سے ملے جو نابینا تھے، لیکن یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے، حضرت خواجہ نے ان سے پوچھا کہ کب سے نابینا ہوئے، تو کہنے لگے، جب میں حد کمال کو پہنچا تو ایک دن میری نگاہ غیر پر پڑ گئی، غیب سے آواز آئی، اے مدعی! تو ہماری محبت کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن غیر کی طرف دیکھتا ہے، اس کو سنتے ہی میں اتنا شرمندہ ہوا کہ میں نے دعا کی کہ الٰہی! جو آنکھ دوست کے سوا غیر کو دیکھے، وہ اندھی ہو جائے، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں[3]،

تبریز میں حضرت شیخ ابو سعید تبریزی سے ملاقات کی[4]، اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیوض کیا[5]، بلخ میں شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے[6]، غزنین میں شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر شیخ عبد الواحد غزنوی کی زیارت کی[7]،

اور پھر اس سیاحت میں بزرگان دین کے مزارات پر چلہ کرکے فیوض باطنی بھی حاصل فرماتے رہے، مثلاً ہمدان تشریف لائے تو حضرت ابو یوسف ہمدانی (المتوفی ۵۳۵ھ) کے مزار کی زیارت کی[8]، خرقان میں شیخ ابو الحسن خرقانی (المتوفی ۴۲۵ھ) کے مزار اقدس پر حاضری دی، ہرات میں شیخ عبد اللہ انصاری (المتوفی ۴۸۱ھ) کے مزار پر مراقبہ کیا، اور جب یہاں شب بیداری کرتے تو فجر کی نماز عشا

---

[1] فوائد السالکین مجلس سوم [2] سیر العارفین ص ۵ [3] دلیل العارفین مجلس دہم، [4] سیر العارفین ص ۶، شیخ ابو سعید تبریزی کے متعلق دیکھو خیر المجالس ص ۱۵۱، [5] سیر العارفین ص ۶، [6] ایضاً ص ۱۲،
[8] سیر العارفین میں ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے شیخ ہمدانی سے ملاقات کی، لیکن ان کا جو سنہ وفات ہے اس کے لحاظ سے خیال ہوتا ہے کہ ملاقات کے بجائے [illegible] کی ہوگی

کے وضو سے پڑھتے تھے[1]

تکمیل ولایت | راہ سلوک کے تب و تاب برداشت کرنے کے بعد حضرت خواجہ میں اوبارا اندی کی تمام باتیں پیدا ہوگئیں، جن کے مظاہرے اس سیاحت کے دوران میں بھی ہوتے رہے، مثلاً جب وہ سبزوار تشریف لائے، تو وہاں ایک باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم یادگار محمد باغ میں سیر کے لئے پہنچا تو ایک اجنبی کو دیکھ کر متعجب ہوا، لیکن حضرت خواجہ نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہوگیا، اور اس پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، خواجہ صاحب نے حوض کا پانی لے کر اس کے منھ پر چند چھینٹے دیئے، اس کو ہوش آیا تو حضرت خواجہ کا گرویدہ ہوگیا، مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان و ارکان کے ساتھ ان کا مرید ہوگیا، اور اپنی ساری دولت ان کی خدمت میں پیش کردی، مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ جو مال ظلم و تعدی سے وصول کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالہ کردیا جائے، یادگار محمد نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کردیا، اور جب ظاہری و باطنی تعلیم کی تکمیل کرلی، تو حضرت خواجہ نے اس کو اپنا خرقۂ خلافت بھی عطا کیا،[2]

بلخ کے قیام میں اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا، وہاں حکیم ضیاء الدین درویشوں کے منکر تھے، لیکن ایک روز حضرت خواجہؒ جنگل میں ایک کلنگ کا شکار کرکے اس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے، حضرت خواجہ نے ان کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا، جس کے بعد ان پر ایک غیر معمولی کیفیت طاری

---

[1] سیر العارفین ص ۵ و [2] ایضاً ص ۱۰،

ہوگئی، اور حضرت خواجہ کے مرید ہوگئے، گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں کو دریا میں
ڈال کر راہ طریقت پر گامزن ہوگئے،[1]

ورود ہند حضرت خواجہ کے ورود ہند سے متعلق بھی تذکرہ نگاروں کے بیانات میں
بڑی ژولیدگی ہے، جس سے اردو کے بعض تذکرہ نگاروں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے
کہ حضرت ہندوستان کئی بار آئے اور گئے، دلیل العارفین کی مجلس دہم میں صرف
اتنا سا مختصر ذکر ہے کہ حضرت خواجہؒ عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکایک
اشکبار ہو کر فرمایا کہ میں اس مقام کا سفر کرتا ہوں جو میرا مدفن ہے، یعنی اجمیر، پھر
ہر شخص کو رخصت کیا، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو ساتھ چلنے
کا حکم دیا، اس کے بعد اجمیر پہنچے، تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جس کی حد نہ
تھی، (ص ۵۴-۵۵)

لیکن آئین اکبری میں حضرت خواجہ کے ذکر میں ہے :-

"در سالے کہ معز الدین سام دہلی برگرفت بدانجا رسید (ص ۱۶۸)

ملا عبدالقادر بدایونی کی منتخب التواریخ جلد اول (ص ۵۰) میں شہاب الدین غوری
کے ہندوستان پر دوسرے حملہ کے ذکر میں ہے،

"از جاہائے دیگر چناں مفہوم می شود کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی
قدس اللہ سرہ العزیز کہ سرچشمۂ اولیائے کبار و مشائخ نظام دیار ہند است
و مزار متبرک او در اجمیر واقع دریں نوبت با سلطان ہمراہ بود"

اس سے مراد یہ تو نہیں ہے کہ حضرت خواجہ سلطان کے لشکر کے جلو میں آئے،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱ و ۱۲،

البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلطان کی فوج ہندوستان آئی تو حضرت خواجہ اسکے ساتھ ہو گئے۔

سیر العارفین (ص ۱۲۔۱۳) میں ہے کہ خواجہؒ غزنین سے لاہور، وہاں سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آئے، لیکن اس میں یہ بھی ہے کہ جب وہ اجمیر تشریف لائے اس وقت قطب الدین ایبک (متوفی ۶۰۷ھ) کی طرف سے سید حسین مشہدی اجمیر کے داروغہ تھے، لیکن اس میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت خواجہ شہاب الدین غوری کے ہندوستان پر دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے وقت اجمیر ہی میں تشریف رکھتے تھے، جیسا کہ اور دوسرے شواہد سے اندازہ ہوگا، فرشتہ کی روایت بھی یہی ہے، کہ حضرت خواجہ غزنین سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے اس وقت اجمیر آئے، جب کہ سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار اجمیر کے داروغہ تھے، اور تاریخ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ بتائی ہے، جو یقیناً کتابت کی غلطی ہے، (جلد دوم ص ۳۷۷) سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ دونوں کی یہ روایت صحیح نہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین ایبک کے زمانہ میں اجمیر تشریف لائے،

اکبر نامہ جلد دوم میں ہے کہ غزنین سے ہندوستان میں سلطان معز الدین سام کے آنے سے پہلے حضرت خواجہؒ اپنے پیر کی اجازت سے ہندوستان آئے، اور اجمیر میں جہاں کہ ہندوستان کا فرماں روا رائے پتھورا تھا، رہنے کی جگہ پائی، (ص ۱۵۴) سیر الاقطاب کی روایت اور بھی گنجلک ہے، اس کے مولف نے لکھا ہے، کہ خواجہ مدینہ منورہ میں روضۂ پاک کے پاس مقیم تھے کہ ان کو بشارت ملی کہ ہندوستان جا کر اجمیر میں قیام کریں، جہاں سید حسین (؟) جہاد میں شہید ہو گئے

ہیں، اور اسی وقت وہ چالیس آدمیوں کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوگئے (ص ۱۴۳)

اس روایت کے مطابق حضرت خواجہؒ سید حسین یعنی قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اجمیر پہنچے، جو صحیح نہیں، اخبار الاخیار میں ہے کہ:۔

"در زمان پتھورا رائے ہندوستان با جمیر آمد و بہ عبادت مولیٰ مشغول شد (ص ۲۲)"

مرأۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت خواجہؒ غزنین سے لاہور اور لاہور سے دہلی آئے جو اس وقت رائے پتھورا چوہان کا دار السلطنت تھا، اور دہلی سے اجمیر تشریف لائے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ غزنین سے لاہور اور دہلی ہوتے ہوئے ۱۰ محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر آئے، تو میر حسن خنگ سوار نے ان کے حلقۂ ارادت میں آکر اعلیٰ مراتب حاصل کئے، (جلد اول ص ۲۵۹) یہ روایت سیر العارفین اور تاریخ فرشتہ کی محض آواز بازگشت ہے، ان مختلف روایتوں میں ہم سیر الاولیاء ہی کی روایت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ رائے پتھورا کے زمانہ میں اجمیر میں آکر سکونت پذیر ہوگئے تھے،

طبقات ناصری (ص ۱۱۹) میں ایک مختلف سی عبارت ہے، جو شہاب الدین غوری اور رائے پتھورا کی دوسری جنگ کے سلسلہ میں ہے،

"سلطان غازی دیگر سال لشکر اسلام جمع کرد، و بہ انتقام سال گذشتہ روئے بہ ہندوستان نہاد، ایں داعی از ثقہ شنید کہ از معارف جبال یلاد تولک بود لقب او معین الدین او می گفت کہ من در آں لشکر با سلطان غازی بودم"

اگر معین الدین سے خواجہ معین الدینؒ مراد ہیں، تو پھر اس سے سیر الاولیاء کی روایت کی تصدیق ہو جاتی ہے،

قیام لاہور | ان بیانات سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اجمیر آنے سے پہلے حضرت خواجہ لاہور

آئے، سیر العارفین کے مولف کی روایت ہے، کہ یہاں شیخ سعد الدین حمویہ کے پیر شیخ حسین زنجانی سے بے حد دوستی اور محبت ہوگئی، آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۶۸) میں ہے کہ "خواجہ معین الدین در لاہور بہ صحبت او رسید" لیکن یہ بیانات صحیح نہیں، کیونکہ فوائد الفواد (ص ۲۵) میں ہے کہ شیخ حسین زنجانی شیخ علی ہجویریؒ کے پیر بھائی تھے جو شیخ علی ہجویریؒ کے لاہور آنے سے پہلے وفات پاگئے تھے،

سیر العارفین میں ہے، کہ جس سال حضرت خواجہ معین الدینؒ لاہور پہنچے اسی سن حضرت شیخ المشائخ حضرت علی ہجویریؒ کا انتقال ہوا تھا،

"از آنجا بخطۂ لاہور رسید، حضرت شیخ المشائخ شیخ پیر علی ہجویریؒ قدس سرہ العزیز کہ الفقیر عندی من لا تملک لہ ولا ادب لہ قول اوست، ہمان سال از دار فنا رحلت نمودہ بود" (ص ۱۲)

یہ روایت صحیح نہیں، کیونکہ ہم گذشتہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شیخ علی ہجویریؒ کی وفات کا سنہ ۴۶۵ھ سے ۵۰۰ھ کے آغاز تک بتایا جاتا ہے، جس سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ کی پیدائش سے بہت پہلے شیخ علی ہجویریؒ کا وصال ہو چکا تھا،

ملتان میں آمد

دلیل العارفین میں حضرت خواجہ کے ملتان آنے کا بھی ذکر ہے اس میں ہے کہ جب حضرت خواجہ ملتان میں تھے، تو ایک بزرگ نے ان سے فرمایا کہ اہلِ محبت کی توبہ تین قسم کی ہے، ایک توبہ جو ندامت سے ہو، دوسرے وہ جو معصیت ترک کرنے کے خیال سے ہو، تیسرے وہ جو خصومت اور ظلم سے پاک رہنے کے لئے ہو (ص ۴۵)

دہلی کی تشریف آوری

حضرت خواجہ دہلی بھی تشریف لائے، اور سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ نے یہاں شیخ رشید کی قبر کے پاس قیام کیا جہاں پر ایک

مسجد بھی تھی، (ص ۱۲)

اجمیر | سیر العارفین ہی کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئے، تو اجمیر تشریف لائے، پہلے ذکر آیا ہے کہ اس زمانے میں اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا، اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انھوں نے حضرت خواجہؒ کے عظمت و کرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا، تو ہندو جوگیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنھوں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی،[۱]

حضرت خواجہ کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، سیر الاولیاء میں ہے:

"سلمانے از پیوستگاں شیخ معین الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز بر پتھورا می بود، آں مسلماں را بسبب مصرت رسانیدن گرفت آں مسلمان التجا بخدمت شیخ معین الدین کرد" (ص ۴۶)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے تھے حضرت خواجہ کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی، لیکن حضرت خواجہ نے اس دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا،

[۱] سیر الاولیاء ص۴۶، [۲] روضۃ الاقطاب ص۲۲، [۳] مطلوب الطالبین و خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۹۵،

"پتھورا را زندہ بمسلماناں دادیم"[1]

چنانچہ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۸ھ میں جنگ کی تو پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا کہ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، خواب کے بعد اس نے ہندوستان کی طرف فوج کشی کی، ملا عبدالقادر بدایونی منتخب التواریخ جلد اول (ص ۵۰) میں شہاب الدین غوری کے دوسرے حملہ (۵۸۸ھ) کے ذکر میں ہے:

"و ایں فتح بموجب امداد نفس مبارک روحانی آں قطب ربانی نمود"

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور حضرت خواجہ کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے حضرت کا لقب وارث النبی فی الہند ہے،

سیر الاولیاء میں ہے:-

"بوصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن و منور گشت (ص ۴۷)

آئین اکبری جلد سوم (ص ۱۷۰) میں ہے:-

---

[1] فوائد السالکین ص ۱۵، سیر الاولیاء ص ۴۷، مطلوب الطالبین روضۃ الاقطاب اخبار الاخیار ص ۲۷۲، بعض تذکروں میں یہ الفاظ کچھ بدلے ہوئے ہیں مثلاً سیر الاولیاء میں ہے "پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم بلشکر اسلام" اخبار الاخیار میں ہے "پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم"

"بعزلت گزینی اجمیر شد، و در آں چراغ بر افروخت و از دم گیرائے او گروہا ١٠
گروہ بہرہ برگرفتند"

حضرت خواجہ تبلیغ اسلام بھی کرتے رہے، اور جب وہ دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔[1] (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ۲۵۹) میں ہے:-

"ہزار در ہزار از صغار و کبار بخدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آنحضرت شدند، کہ شمع چراغ اسلام در ہندوستان بایں خاندان عالی شان روشن گشت"

ازدواجی زندگی: اجمیر کے قیام کے زمانہ میں دو شادیاں کیں، جن میں ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر نیک اختر عصمت اللہ بی بی تھیں اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی امۃ اللہ تھیں، جو مشرف باسلام ہو گئی تھیں۔ حضرت خواجہ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید، اور حضرت حسام الدین تھے اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظہ جمال تھیں، حضرت خواجہ نے سید فخر الدینؒ اور بی بی حافظہ جمال کو خلافت بھی دی، بی بی حافظہ جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ (مراۃ الاسرار، سیر الاقطاب ص ۱۴۴، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۶۵)

وصال: ولادت کے سلسلہ میں جو تاریخ مقرر ہوتی ہے، اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کا وصال ۶۲۷ھ میں ہوا، اگر وہ ۵۸۷ھ میں اجمیر آئے تو اس کے معنی یہ

[1] دعوت اسلام مترجمہ عنایت اللہ، ص ۳۰۱ علی گڑھ۔

اجمیر میں ۳۰ سال قیام رہا، سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشا کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی ہے جیسے کوئی پاؤں کو وجد کی حالت میں ٹپکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری ہے، اخیر شب میں یہ آواز بند ہو گئی، فجر کی نماز کا وقت آیا، تو دروازے پر دستک دی گئی، لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جاں بحق ہو گئے[۱]،

محبت رسول | تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبتِ رسول کے نشے میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبویؐ بیان فرما کر رونے لگتے تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائیگا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے[۲]،

مجاہدہ | رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے، مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہو جاتے[۳]،

حلم و عفو | طبیعت میں حلم و عفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں،

۱؎ راحت القلوب ص ۵، ۲؎ سیر الاقطاب ص ۱۴۱، ۳؎ دلیل العارفین مجلس دوم، ۴؎ گلزار ابرار (قلمی نسخہ)، سیر الاقطاب ص ۱۰۱، ۱۴۳، و خزینۃ الاصفیا ص ۲۵۹،

ایک بار ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہوگیا، وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سربسجود ہو کر عاجزی سے بولا کہ مجھکو لالچ دیکر آپ کو ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا، یہ کہکر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اسکی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کر دیجئے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے، تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں، تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی، یہ کہہ کر اس کے لئے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا حضرت خواجہ کی دعاؤں کی بدولت اس کو ۴۵ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی اور اسی مقدس زمین میں پیوند خاک بھی ہوا[1]،

مریدوں سے محبت | حضرت خواجہ صاحب کو اپنے خلفا اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی، خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادہ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے، چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے، اور ان شاء اللہ رہے گا۔

فیاضی | فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا، مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا و مساکین سیر ہو جاتے تھے[2]۔

حقوق ہمسایہ | پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لیجاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس چلے جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لئے موزوں ہیں پڑھتے، ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا

---

۱ سیرت الاقطاب ص ۴۳ و ۴۴ ۲ ایضاً ۴۰ ۳ ایضاً

حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدین[1] بھی معیت میں تھے جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے، حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں، کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا، پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آگیا، اور آپ الحمد للہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے، حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ کے تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی، خود بھی عذاب قبر سے بے حد خائف رہتے تھے، اور جب کبھی قبر کا ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی چیخیں مار کر روتے[2]

لباس وغذا خواجہ صاحب کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے، کھانا بہت کم تناول فرماتے ریاضت کے ابتدائی زمانہ میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہتے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور چقماق ساتھ رکھتے اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے۔

ذوق سماع سماع سے بھی ذوق تھا، اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں مقیم تھے، وہاں کی مجلس سماع میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا۔

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود ۔۔۔ وز یاد محبت خویش مدہوش بود
فردا کہ بہ حشر خلق حیراں ماند ۔۔۔ نامِ تو درون سینہ و گوش بود

---

[1] راحت القلوب مجلس دہم [2] تفصیل کے لیے دیکھو دلیل العارفین مجلس چہارم،

تو خواجہ کئی روز تک بیہوش رہے،[۱]

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی کی محفلِ سماع میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ محمد کرمانیؒ، شیخ محمد صفاہانی، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتیؒ، مولانا بہار الدین بخاریؒ، مولانا محمد بغدادیؒ، خواجہ اجل سجزیؒ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ، شیخ احمد بن محمد اصفہانیؒ، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ اوحد الدینؒ، شیخ احمد داحدؒ، شیخ برہان الدین غزنویؒ، خواجہ سلیمانؒ، خواجہ عبد الرحمنؒ اور بغداد کے دوسرے مشائخ کبار بھی شریک رہتے،[۲]

مفتاح العاشقین (ص ۲۲) میں ہے،

"شیخ الاسلام خواجہ معین الحق الشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ سماع اسرارِ حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدا ھم واولئک ھم اولوالالباب جبکہ حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات میں ہوتی ہیں کسی کی ذات میں مبدل ہو جاتی ہیں، اور اس کے دل پر انسانی خصلتوں کا استیلا ہو جاتا ہے، تو عشق غالب ہوتا ہے اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے اس وقت اسرارِ باطن کا کشف ہوتا ہے، اور جب اسرارِ باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے، تو اس ذوق میں رقص کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا،

گر عروس سبز پوش مرا ردے نماید لاجرم طاؤس دل در رقص آید"

علوئے مرتبت ہندوستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ

---

[۱] دلیل العارفین مجلس چہارم [۲] سیر الاقطاب ص ۱۰۳،

ملتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو قطب المشائخ کے لقب کی بشارت ملی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو ملک المشائخ، سلطان السالکین منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المہتدین کے لقب سے یاد کیا ہے۔[۱]

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کی شان میں لکھا ہے:-

آں شہنشاہ جہانِ معرفت　　　　ذاتِ او بیروں ز ادراک وصفت
خسروِ ملک آفتاب تخت و تاج　　　　از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق وصفا　　　　از خودی بیگانہ با حق آشنا
کردہ مرغ ہاتفش زادِ جمال　　　　بیضۂ افلاک را در زیر بال
اخترِ برجِ سپہرِ لم یزل　　　　گوہر درجِ کمال بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر　　　　فارغ از دنیا بملک دین امیر
در ثنائے او جمالی را چہ حد　　　　فیض او باید کہ فرماید مدد[۲]

اس کے بعد ان کو گوہر معدن　　　　لولوے بحر تصدیق، نیر انوار معرفت اور عز گلزار مشیخت کہا ہے۔

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیا، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی[۳] اور صاحب سفینۃ الاولیا نے "زبدہ مشائخ اجل و قدوۂ اولیائے اکمل" کہا ہے[۴]۔

مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقہ مشائخ کبار" لکھا ہے۔

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح، [۲] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۸، [۳] سیر العارفین ص ۵
[۴] سیر الاقطاب ص ۱۰۲، [۵] سفینۃ الاولیا ص ۹۵

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے

بادشاہوں کا خراج عقیدت | ہر دور میں ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں کو حضرت خواجہ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی، سلطان شمس الدین التمش کو بزرگان چشت سے جو روحانی لگاؤ رہا، اس کی تفصیل آگے آئیگی، مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتوں کے خلاف فوج کشی کی تو حضرت خواجہ کے مزار پر انوار پر پہلے حاضری دی، اس کے بعد میدان جنگ کی طرف رُخ کیا، اور جب اس کو فتح حاصل ہوئی تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی جو اب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دوسری عمارتیں بھی اسی نے تعمیر کرائیں، شہنشاہ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے اس لئے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہ کے سلسلہ سے منسلک تھے، اور جب شیخ کی دعاؤں سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی میں آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ گیا، راستہ میں روپے اور اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر شریف پہنچا، اور وہاں شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لے کئی عمارتیں بنوائیں، اور درگاہ کے انتظام میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں، مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا، اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کاموں سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا تھا[1]، جہانگیر اپنے آٹھویں سال جلوس میں اجمیر شریف گیا تو اس کا حال خود لکھتا ہے،

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو اکبرنامہ ج ۲ ص ۰۵ ۳، ج ۳ ص ۱۶۲، ۲۳۴، ۲۵۲، ۲۶۷، ۳۴۲ وغیرہ نیز تاریخ فرشتہ واقعات ۹۷۵ھ، ۹۷۷ھ

"دوشنبہ کے روز ۵ شوال مطابق ۲۶ شعبان کو اجمیر میں داخل ہونے کی سعادت
فرمائی، اس روز صبح کو میں شہر کی طرف بڑھا، جب قلعہ اور حضرت خواجہ بزرگوار کا
روضہ نظر آنے لگا، تو ایک کوس پہلے ہی میں پاپیادہ ہوگیا، اور راستے کے دونوں جانب
معتمدوں کو مقرر کیا کہ فقرا اور ضرورت مندوں کو روپیے دیتے ہوئے آگے بڑھیں
اور جب دن کی چار گھڑیاں گذر چکیں تو شہر میں داخل ہوا، اور پانچویں گھڑی میں
روضہ مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا
دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے شخص اور ہر راہ گیر کو اچھی
انعام دیکر خوش کیا جائے،" (تزک جہانگیری ص ۱۲۵)

۱۰۲۵ھ میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار کے
گرد ایک طلائی محجر تیار کرایا تھا، جو اب نہیں ہے۔ وہ اس متبرک اور روحانی مقام
میں پانچ روز کم تین سال تک مقیم رہا،[1] اس نے بھی اپنے آٹھویں سال جلوس میں
درگاہ کو ایک دیگ دی جو آگرہ میں بنائی گئی تھی۔ پھر اجمیر جا کر اس میں کھانا پکوا کر
اور پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلوایا، اب یہ چھوٹی دیگ کے نام سے مشہور ہے۔
مشہور ہے کہ اس میں اسّی من چاول پک سکتے ہیں۔

شاہجہاں نے بھی حضرت خواجہ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی، روضہ کی
سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، مسجد کا طول ۷۰ گز شرعی اور عرض ۲۰ گز
شرعی ہے، اس میں پانچ دروازے ہیں، ابو طالب کلیم نے اس مصرع سے تاریخ
نکالی تھی،

---

[1] جہانگیر نے اجمیر کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں، اس کے لئے دیکھو تزک جہانگیری ص ۱

کعبۂ حاجات دنیا مسجد شاہجہاں

مونس الارواح میں ہے کہ دو لاکھ چالیس ہزار روپیہ میں ۱۰۴۲ھ میں تعمیر ہوئی، اس کی لڑکی جہاں آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہ صاحب سے والہانہ عقیدت تھی، درگاہ کا بیگمی دالان اسی نے ۱۰۵۲ھ میں بنوایا، اس کی چھت اور ستون سنگ مرمر کے ہیں، اور فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے، اسی عقیدت کی بنا پر خواجگان چشت پر ایک کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی، شاہجہاں کے ساتھ اجمیر گئی، تو اس سفر کے تأثرات کو اس طرح قلمبند کیا ہے،

"بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ فقیرہ حقیرہ والد بزرگوار کے ساتھ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۷ شعبان ۱۰۵۳ھ کو روانہ ہوئی اور ۴ رمضان المبارک کو تال اناساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی، اس سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی، ایک بار سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ اخلاص و عقیدت سے پڑھ کر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا، چند روز عمارت مذکور میں ٹھہری، لیکن نہایت ادب میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی، اور نہ روضہ مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے، اور نہ اس کی طرف پشت کی، دن کو درختوں کے نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا، ایک رات مولود اور جیہ انعام کیا، روضہ کی خدمت اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا، میں نے اس کے کرنے میں کوتاہی نہیں کی، اور نہ کروں گی، الحمد للہ والمنۃ، لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روز پنجشنبہ ۱۴ رمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقد

کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، دن کا ایک پہر باقی تھا کہ میں روضۂ اقدس میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی، گنبد شریف میں داخل ہو کر اپنے پیر کی قبر نور کے سات پھیرے کیے، اپنی پلکوں سے جھاڑو دی، اور مزار کی خوشبودار خاک کو توتیائے چشم بنایا، اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی، غایت شوق اور سراسیمگی میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں، عطر او معطرات کو معطر قبہ پر اپنے ہاتھ سے ملا، اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والد بزرگوار نے تعمیر کرائی ہے، نماز ادا کی، اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ روح پرفتوح کے لیے پڑھی، مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہی، شمع روشن کی، جھالرہ کے پانی سے افطار کیا، عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی، اگرچہ اس فانیہ کے اخلاص و محبت و عقیدت کا تقاضا یہ ہو رہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے، لیکن کوئی چارہ نہ تھا،

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی، کیونکہ یہ عجیب گوشۂ عافیت ہے، اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں، دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گذری صبح کو جمعہ کے روز والد بزرگوار نے اکبرآباد کی طرف کوچ فرمایا، مونس الارواح

قلمی نسخہ دار المصنفین)

تاج و تخت کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے محمود و پسندیدہ نہیں لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ان بوریا نشین درویشوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص و عوام کے دل و دماغ پر یکساں مستولی رہے، عالمگیر بھی کئی بار روضہ کی زیارت کے لئے گیا، وہ اپنے مستقر سے روضہ تک پیادہ پا جاتا تھا، ایک بار پانچ ہزار روپئے بھی بطور نذر پیش کئے[1]

تصانیف | اس کتاب کے ضمیمہ میں "ملفوظاتِ خواجگانِ چشت" کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں تفصیلی بحث آئے گی،

تعلیمات | حضرت خواجہ کی جو تعلیمات تھیں ان کو ہم انیس الارواح اور دلیل العارفین کی مدد سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں، کچھ لوگ ان ملفوظات کو جعلی قرار دیتے ہیں، مگر اس کتاب کے ضمیمہ میں پتہ چلے گا کہ ان کو جعلی قرار دینا صحیح نہیں، ان کو ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

انیس الارواح میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، ان ملفوظات میں تصوف کے مہات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنے ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا چالیس دن تک مستجاب نہیں ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، ایک نصیحت

[1] مآثر عالمگیری ص ۱۸۱، ۱۰۹،

میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو اور کوئی حاجتمند آجائے تو لازم ہے، کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین شخص بہشت کی بو تک نہ پائیں گے، ایک جھوٹ بولنے والا درویش دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر،

دلیل العارفین | اس کتاب میں خواجہ صاحب کی بارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، یہ ۵۰ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز وضو، طہارت، جنابت غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ و سورۂ یٰسین، کشف و کرامات، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت انگیز اشارے اور کنائے ہیں، جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے،

تکمیل اخلاق | ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کے لئے ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و صفات کا حامل ہونا ضروری ہے کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، (ص ۱۳) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے۔

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں تمامتر بیعت

کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے، اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس میں بھی پورا اترے گا تو حقیقت کا رتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا اس کو ملے گا، اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے۔

نماز فرماتے ہیں نماز رکن دین ہے، اور رکن و ستون مترادف ہیں، اگر ستون قائم رہے گا گھر کھڑا رہے گا، اور جب ستون ہی گر جائے گا، گھر گر پڑے گا جس نے نماز میں خلل ڈالا اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا، نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گذر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا، اس شہر کے باہر ایک غار تھا، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے، خوف اور ہیبت الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے، میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آتے ہو، میں نے جواب دیا، بغداد سے آتا ہوں' فرمایا خوب آئے، لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو، تاکہ تم کو ذوقِ درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گذر گئے، تمام دنیا سے علٰحدگی اختیار کرکے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گذرتے ہیں، میں نے پوچھا کہ حضرت وہ کون سی بات ہے، فرمایا نماز ہے جس وقت ادا کرتا ہوں، خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فروگذاشت نہ ہوگئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجب عتابِ خداوندی ہو۔

(دلیل العارفین مجلس دوم)

نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس طرح گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے،

روزہ و حج حضرت خواجہ کے نزدیک روزہ اور حج کی بڑی اہمیت تھی، وہ خود صائم الدہر رہے، اور خانہ کعبہ کی زیارت بکثرت کی ہے، فوائد السالکین (مجلس پنجم) میں ہے کہ اجمیر سے ہر سال حج کے لئے تشریف لیجاتے تھے، ممکن ہے، یہ خیال ہو کہ ہر سال اجمیر سے حج کے لئے جانا اور واپس آنا، اس زمانہ میں ممکن نہ تھا، لیکن اس سے یہ مراد ہے کہ انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہنے کے طریقہ میں بظاہر غلو معلوم ہوتا ہے۔

احترام کلام پاک کلام پاک کی تلاوت کی بڑی فضیلت بتائی ہے، اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے، اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا خدا تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا، جواب دیا ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا، وہاں طاق پر قرآن پاک کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا، یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہئے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا، اور تمام رات جاگتا رہا، میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلہ میں تعالیٰ نے مجھکو بخش دیا۔[1]

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵ ؎ دلیل العارفین مجلس پنجم ص ۲۲، یہ ایک خواب کی بات ہے (بقیہ برصفحہ)

سلوک کی عبادتیں | خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی مخملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علما و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[1]،

راہ سلوک کے گناہ | خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں[2]. (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا (۲) گورستان میں کھانا پینا کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے، (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لیکر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازم ہے،

عارف | ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا،

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور راز الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[3]،

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی کی قدرتِ کاملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے[4]،

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا. عارف ہمیشہ سکر آتا رہتا ہے، عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ

(بقیہ حاشیہ ص ۷۷) جس کو موجودہ دور کے مورخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند کریں گے، لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا، یہ روایت فوائد الفواد ص ۔، (۱) میں بھی ملے گی۔ (۱) دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۱ (۲) ایضاً ص ۱۵، ۱۶ (۳) ایضاً ص ۳ (۴) ایضاً،

میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[1]،

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے[2]،

عارف دونوں جہاں سے قطع تعلق کرکے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یہ یکتائی (فردائیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[3]،

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[4]،

عارف کے مراتب ہوتے ہیں، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے، تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے[5]،

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات الٰہی کا ظہور رہو، اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے، اور کوئی شخص اس کے سامنے دعویٰ کے ساتھ آئے، تو اس کو اپنی کرامت سے ملزم ٹھہرائے[6]،

"اگر کسے بروے بدعویٰ آید آں را بقوت کرامت ملزم کند"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے، تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلائی چاہیے،
عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے، اور جب آنکھیں

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۶ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۶ [4] ایضاً ص ۱۴، [5] ایضاً ص ۸ [6] ایضاً،

بند کر لیتا ہے، تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے جب تک صور اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے[1]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[2]۔

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے جس قدر اس کو مجبور ہے، کوئی یار بیا دوڑتا ہے، اور معرفت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا ہے، جب تک معارف کو یاد نہ کرے[3]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب دم ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ میں اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو فدا کر دے[4]۔

عارف کی فضیلت اس میں ہے کہ وہ خاموش رہے اور غم و اندوہ میں ہو،

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے، اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے[5]

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو گریہ بند کر دیتا ہے[6]

دنیا میں تین چیزیں عزیز تر ہیں۔ (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے۔ (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو، اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا و صفت بیان کرتا رہے[7]۔

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے،

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۴۳ [2] ایضاً ص ۹ [3] ایضاً ص ۴۳ [4] ایضاً ص ۴۴ [5] ایضاً ص ۴۷ [6] ایضاً ص ۴۸

عارف کا ایثار بے نیازی ہے[1]،

عارف کی خصلت اخلاص ہے[2]،

عارف محبت میں کامل ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اُس کا دوست[3]،

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک میں کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[4]

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف و رنج نہ پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے، اور نہ حکایت[5]،

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے تو رات کو یاد نہ کرے[6]،

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکرِ حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[7]،

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہیں ہے،

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے، (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہل نظر کی رائے ہے کہ یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہیں چاہتے،

مقاماتِ سلوک | دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکروں

---

۱ دلیل العارفین ص ۳۰ ۲ ایضاً ۳ ایضاً ۴ ایضاً ص ۱۸ ۵ ایضاً ۶ ایضاً ص ۲۲ ۷ ایضاً ص ۲۲،

میں بھی محفوظ ہیں، ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ "سلوک میں چودہ مقامات ہیں، (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ یا جہد (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت۔

ان میں سے ہر ایک مقام ایک ایک پیمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ، اور محبت افضل الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے،

سلوک کے مراتب میں اہلِ طریقت کے لئے مندرجہ ذیل دس شرطیں ضروری قرار دی ہیں :-

انوارِ ۱۴۴

(۱) طلبِ حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترکِ فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت، (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا، (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا۔

اسی طرح اہلِ حقیقت کے لئے بھی دس چیزیں لازمی ہیں،

(۱) معرفت میں کامل ہونا، (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا، (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا و آخرت بنے۔ (۴) متواضع ہونا (۵) عزلت نشین ہونا، (۶) ہر شخص کو عزیز و محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا، (۸) ہر درد اور تکلیف میں صبر اور تحمل کرنا، (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا، (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا،

خلفاء: خزینۃ الاصفیا جلد اوّل میں حضرت خواجہ کے خلفاء کی بڑی لمبی فہرست ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ بتائے گئے ہیں،

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ (دہلی) (۲) خواجہ فخر الدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبۂ سروار) (۳) شیخ حمید الدین سوالی ناگوری (۴) شیخ وحید الدین (ہرات) (۵) خواجہ برہان الدین عرف بدو (اجمیر) (۶) شیخ احمد (اجمیر) (۸) شیخ محسن (۹) خواجہ سلیمان غازی (۱۰) شیخ شمس الدین (۱۱) خواجہ حسن خیاط (۱۲) جے پال جوگی المعروف بہ عبد اللہ (اجمیر) (۱۳) شیخ صدر الدین کرمانی (۱۴) بی بی حافظ جمال صبیہ سعیدہ حضرت خواجہؒ (اجمیر) (۱۵) شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی) (۱۶) شیخ علی سجزی (۱۷) خواجہ یادگار سبزواری، (۱۸) خواجہ عبد اللہ بیابانی، (۱۹) شیخ مّنا (۲۰) شیخ وحید بداؤ (۲۱) شیخ مسعود غازی (اجمیر)

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۴۰) میں صرف چودہ نام ہیں، جن میں وہ تیرہ کو حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیخ صدر الدین کرمانی، شیخ محمد ترک نارنولی، شیخ علی سجزی، خواجہ یادگار سبزواری، خواجہ عبد اللہ بیابانی، شیخ مّنا اور شیخ وحید کے نام نہیں ہیں، وہ شیخ مسعود غازی کو بھی حضرت خواجہ کا خلیفہ تسلیم نہیں کرتے، لیکن خزینۃ الاصفیا نے لکھا ہے، کہ یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں، اخبار الاخیار (ص ۷۶) میں شیخ محمد ترک نارنولی کو خواجہ عثمان ہارونیؒ کا خلیفہ بتایا گیا ہے،

یہ بزرگان دین مختلف مقامات پر مامور تھے تاکہ وہ شمع اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں، اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے، تو خانقاہ کے یہ بوریا نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے

تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہوگئیں، ایک تو ان کی تھیں، جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں، اور ایک ان کی جن کے گھروں میں فقر و فاقہ تھا، لیکن انہی فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی،

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

نام ونسب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ اوش میں پیدا ہوئے، یہ قصبہ ماوراء النہر میں فرغنہ کے اندجان جنوب مشرق میں واقع ہے، بختیار نام، قطب الدین لقب تھا، عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے، سیر الاقطاب میں سلسلۂ نسب یہ ہے[ایضاً ۱۴۲]

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسن بن سید معروف بن سید احمد چشتی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن امیر المومنین حضرت امام محمد تقی الجواد بن امیر المومنین حضرت امام علی موسیٰ رضا بن امام المسلمین حضرت امام موسیٰ ان امیر المومنین حضرت امام جعفر الصادق بن امیر المومنین حضرت امام محمد باقر بن امیر المومنین حضرت امام زین العابدین بن امیر المومنین حضرت سید الشہداء امام حسینؑ بن امیر المومنین امام المتقین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم،

ابتدائی تعلیم ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا، خیر المجالس میں ہے:۔

"حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ.. .. بچہ تھے اور ان کے والد کا سایہ ان کے سر پر سے اٹھ گیا تھا، تو اپنی والدہ سے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ قرآن

پڑھوں، مجھ کو کسی معلم کے پاس بھیجیں۔ والدہ نے تحمی اور مٹھائی منگوائی اور ایک کنیز کے ساتھ پڑوس میں ایک حافظ کے پاس روانہ کیا، راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا، حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے اس کو سلام کیا، اس نے پوچھا بابا کہاں جاتے ہو، جواب دیا، قرآن پڑھنے جاتا ہوں، میری والدہ نے مجھ کو مسجد میں بھیجا ہے، بوڑھے نے کہا اس مسجد میں نہ جاؤ، میرے ساتھ آؤ، میں جہاں چلوں وہاں چلو، اور وہیں قرآن پڑھو، خواجہ صاحب نے کہا، بہت خوب اور اس ورعے آدمی کے پیچھے پیچھے چلے ایک مسجد میں دونوں آئے، ابا حفص بیٹھے ہوئے تھے، اور ان سے کچھ لڑکے پڑھ رہے تھے ابا حفص نے اس بوڑھے آدمی کو دیکھا، تو اٹھ کھڑے ہوئے، اور تعلیم بجالائے، اور اس کے پاؤں پر گر پڑے، اس کے بعد بوڑھے آدمی نے کہا کہ اس بچے کو تمہارے پاس لائے ہیں، اس کے ساتھ محنت کرو، اور قرآن مجید پڑھاؤ، ابا حفص نے منظور کر لیا، اور اپنے پاس بٹھلایا، جب وہ بوڑھا آدمی چلا گیا تو ابا حفص نے خواجہ قطب الدینؒ سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ بوڑھا آدمی کون تھا۔۔ ۔۔۔۔۔ وہ خواجہ خضر تھے (ص ۱۰۸)

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ صاحب مولانا ابو حفص کی صحبت کی برکت سے بڑے بڑے ظاہری و باطنی کمالات حاصل کئے، اور سلوک کی تعلیم بھی پائی، یہاں تک کہ ریاضات و مجاہدات سے ایک ساعت بھی غافل نہ رہتے تھے، (ص ۱۱)

بیعت | وطن سے نکل کر خواجہ صاحب بغداد پہنچے، سیر الاولیار (ص ۴۸) میں ہے کہ یہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے بیعت ہوئے، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ احمد کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی، شیخ محمد صفاہانی بھی تھے، سیر الاولیار میں بیعت کا سنہ ۵۲۲ھ لکھا ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہو

ہے، کیونکہ اس سنہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے،

سیر العارفین (ص ۱۰۰) میں بیعت کے وقت خواجہ صاحب کی عمر بیس سال لکھی ہوئی ہے، تاریخ

فرشتہ (جلد دوم ص ۳۷۷) میں بیس سال اور آئین اکبری (جلد سوم ص ۱۲۹) میں اٹھارہ سال

مرقوم ہے،

عبادت | بیعت کے بعد وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اسی زمانہ میں ان کی والدہ نے ایک حسین و جمیل لڑکی سے شادی کر دی، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں درود شریف پڑھنے کا معمول ناغہ ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ یہ پیام دیا کہ وہ (حضرت) بختیارؒ سے دریافت کریں کہ وہ جو تحفہ رات کو بھیجا کرتے تھے، اس کو کیوں بند کر دیا، حضرت بختیارؒ نے اسی وقت بیوی کو مہر دیکر آزاد کر دیا، اس کے بعد دنیاوی علائق سے بالکل کنارہ کش ہو گئے،[۱]

سیاحت | بیعت اور ازدواجی زندگی کے بعد ہی مختلف مقامات کی سیاحت کی، راقم کے لئے ترتیب کے ساتھ اس سیاحت کا حال لکھنا ممکن نہیں، فوائد السالکین میں جتنی تفصیل بتائی گئی ہے، اس کو ہم ان ہی کی زبان سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں تاکہ اس میں جو کیفیت ہے وہ باقی رہے،

۔۔۔ غزنین تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب تجرید و تفرید تھے، ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو فتوحات حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے،

---

[۱] فوائد الفواد ص ۱۱۰، سیر الاولیاء ص ۵۰، سیر العارفین ص ۱۹، سیر الاقطاب ص ۱۵۸، جواہر فریدی قلمی نسخہ [illegible] ص ۱۰۰ مونس الذاکرین تذکرہ میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے،

دن میں جو چیزیں آتیں وہ شام تک تقسیم کر دیتے، اور جو شام کو حاصل ہوتیں صبح تک نہ رکھتے، چھوٹے بڑے درویش و تونگر ان کی خانقاہ سے محروم نہ جاتے، بھوکوں کو کھلاتے ننگوں کو کپڑے پہناتے، غرضیکہ بڑے صاحب نعمت تھے، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا کچھ حاصل نہ ہوا، اور کوئی روشنی نظر نہ آئی، لیکن جب سے کم سونا، کم بولنا، کم کھانا، اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا، تو روشنی نظر آئی، اور اب عرش اور حجاب عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں۔ (فوائد السالکین مجلس اول)

فرماتے ہیں ایک بار میں دریائی سفر میں تھا کہ ایک بڑے بزرگ اور صاحب نعمت درویش کی زیارت کی، مجاہدے سے ان کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جسم مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر لنگر خانہ میں تشریف لے جاتے جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا، ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے، ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے اور ننگے کو حجرے میں بلا کر کپڑے پہناتے یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی چیز باقی نہ رہتی، پھر مصلے پر جا بیٹھتے۔ ان کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی آئے، ان کے پاس بھیجا جائے وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ اس کی قسمت میں ہوتا عطا کرتے، چند روز میں ان بزرگ کی خدمت میں رہا، وہ صائم الدہر تھے افطار کے وقت ان کے پاس چار کھجوریں آتیں دو مجھ کو دیتے اور دو خود کھاتے مجھ سے فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کر کے گوشہ گیر نہ ہو جائے اور کم نہ کھائے کم نہ سوئے، کم نہ بولے، عالی مقام نہیں ہو سکتا۔ (فوائد السالکین مجلس اول)

دریائی سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے یار غار قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک دریا کے کنارے فروکش تھا، دیکھا ایک بہت بڑا [illegible]

سے کہیں جا رہا ہے، میں نے قاضی سے کہا کہ اس میں کوئی سرِ الٰہی پوشیدہ ہے، ہم دونوں بچھو کے پیچھے ہوئے، بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا، تو اس نے ایک بہت ہی خوفناک اژدہے کو ڈنک مارا، جس سے وہ مر گیا، پاس ہی ایک شخص سو رہا تھا، ہم وہاں ٹھہر گئے کہ یہ نیند سے اٹھے تو ہم اس سے ملاقات کریں، ہم نے اس کے نزدیک جاکر دیکھا تو تو وہ نشے میں بدمست پڑا تھا، تعجب ہوا کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کیوں رحمت فرمائی، غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر اپنی توجہ رکھیں تو عزیبوں کا کون حامی ہوگا، اس کے بعد وہ متوالا اٹھا تو مردہ اژدہے کو پاس دیکھ کر پریشان ہوا، ہم نے بچھو اور اژدہے کی کیفیت اس سے بیان کی، تو وہ نادم ہوا، اور کچھ عرصے کے بعد ہم نے سنا کہ وہ بہت بڑا بزرگ ہوگیا، اور اس نے ستر بار پا پیادہ حج کیا۔[1]

مجلس اول ہی میں فرماتے ہیں، میں نے ایک شہر میں دیکھا کہ دس دس بیس بیس آدمی جابجا متحیر کھڑے ہیں، نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے ہیں، اور نماز ادا کرکے پھر عالم سکر میں چلے جاتے ہیں، میں بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہا، ایک روز ان میں سے کچھ لوگ عالم صحو میں آئے، تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا یہ حال کب سے ہے، جواب دیا کہ ساٹھ یا ستر سال ہوئے ہونگے کہ ہم نے راندہ درگاہ ابلیس لعین کا قصہ سنا تھا، اسی وقت سے ہمارا یہ حال ہے،

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی جو عالم تحیر میں تھے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ ان کو اس حال میں رہتے

---

[1] مجلس اول، اس واقعہ کی اور بھی تفصیلات ہیں، لیکن ہم نے اختصار سے کام لیا ہے، نیز دیکھو سیر الاولیاء ص ۵۲-۵۳ و روضۃ الاقطاب ص ۱۷،

ہوئے کتنے سال ہوئے، لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیسؔ سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، ایک بار عالم صحو میں پایا، تو دریافت کیا کہ کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی، جواب دیا، اے نادان! درویش جب دریائے محبت میں غرق ہو جاتا ہے، تو گو اس کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالیں لیکن اس کو کچھ خبر نہ ہوگی، جانبازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا اس کی جان محفوظ نہیں رہتی،

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں تھا، ہم دونوں کے آگے ایک بزرگ تھے، جن کا نام شیخ عثمان تھا، اور وہ شیخ ابوبکر شبلیؒ کی اولاد میں سے تھے، ہم دونوں ان کے نقش پا پر اپنا قدم رکھتے تھے، شیخ عثمان نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارا حال معلوم کر لیا، اور فرمایا متابعت ظاہری کیا کرتے ہو، میری مطابعت باطنی بھی اختیار کرو، ہم دونوں نے عرض کیا کہ آپ کی مطابعت باطنی کیا ہے، فرمایا ہر روز ہزار بار قرآن ختم کرتا ہوں، ہم دونوں کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ تو طاقت بشری سے باہر ہے، شاید ہر سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیتے ہونگے، ہم اسی خیال میں تھے کہ انھوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا، اور فرمایا کہ تمھارا یہ خیال غلط ہے، میں ہزار بار روزانہ قرآن شریف حرف بحرف پڑھتا ہوں، جب حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے یہ واقعہ مجلس میں سنایا تو حاضرین میں سے مولانا علاء الدین کرمانی نے کہا، جو بات عقل میں نہ آئے، وہ کرامت ہے، کیونکہ کرامت میں عقل کو کچھ دخل نہیں، حضرت خواجہ یہ سُن کر آبدیدہ ہوگئے،[۱]

---

[۱] یہ واقعہ فوائد الفواد ص ۷۶ میں بھی تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ درج ہے لیکن اسمیں یہ نہیں ہے کہ قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ قطب صاحب بھی تھے،

مجلس دوم ہی کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی، جن میں سے ہر ایک عالم تحیر میں تھا، صرف نماز کے وقت ان کو ہوش آجاتا تھا، یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین نے حضرت فرید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا، اے فرید! انبیاعلیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا، واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں، وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی جو ایک غار میں تھے، ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا، گویا ایک چوب خشک تھے، خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمھاری مرضی ہو تو چند روز یہاں قیام کریں۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو، غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے، اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ تھوڑی دیر کے لئے عالم صحو میں آئے، ہم نے سلام عرض کیا جواب دیکر فرمایا، عزیزو! تمھیں یہاں تکلیف ہوئی، لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤگے، کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے، منزلِ مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے، پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے تو اپنا ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کی اولادت ہوں، اس عالم تحیر میں تیس سال سے ہوں، مجھ کو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی، حق تعالیٰ آج صرف تمھارے لئے عالم صحو میں لایا ہے، اے عزیزو! اب تمھیں اجازت ہے، تم رخصت ہو جاؤ، خداوند تعالیٰ تمھیں اس زحمت کا نیک بدلہ عطا فرمائے، لیکن میری ایک بات تم یاد رکھنا، کہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونا، اور مخلوق سے دور رہنا، اور جو کچھ تمھارے پاس

پہنچے، اس کو کبھی اپنے پاس نہ رکھنا، ورنہ درویشی حاصل نہ ہوگی، اور حق کی مشغولیت کے سوا اور کسی چیز کی طرف التفات نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ پھر عالم تحیر میں چلے گئے،

مجلس چہارم میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھکو بغداد میں بارہا حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ واقعی بہت بڑے بزرگ اور بڑے عابد و زاہد تھے، میں نے اپنی سیر و سیاحت میں ان جیسا عبادت گذار نہیں دیکھا،

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت بختیارؒ کو بغداد میں خبر ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں، تو مرشد کے شوق ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے، لیکن خود دلیل العارفین کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت میں آئے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، (نیز دیکھو دلیل العارفین ص ۴۸) پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا،

ورود دہلی | دہلی کے سفر میں ملتان پہنچے تو یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے، اسلئے حضرت قطب صاحب نے وہاں کچھ دنوں قیام فرمایا، پھر اسی اثنا میں منگولوں نے ہندوستان پر یورش کی تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب الدین صاحبؒ سے فیوض و برکات کا طلبگار ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[1] قباچہ نے ان سے ملتان ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے فرمایا کہ یہ جگہ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کی ہے، اور یہ شہر ان ہی کی پناہ میں رہے گا (جواہر فریدی ورق ۱۸۹)

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۰، سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۲۰،

ملتان سے وہ دہلی آئے، اور دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے خدم و حشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی سلطان التمش ہفتہ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان التمش نے عرض کیا کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے، تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے، اور ملک اعز الدین کی مسجد میں قیام فرمایا۔[1] شیخ الاسلام جمال بسطامی کی وفات کے بعد التمش نے حضرت قطب صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرانا چاہا، لیکن جب انھوں نے انکار کیا، تو شیخ نجم الدین صغری کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا، شیخ نجم الدین صغری حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے اور برگزیدہ بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی مقبولیت سے ان کے دل میں رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔

دہلی سے حضرت قطب صاحبؒ نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا، تو خواجہ صاحب اپنے مہجور مرید کی آتش شوق بجھانے کے لئے خود دہلی تشریف لائے، اور یہاں کے تمام خواص و عوام اور مشایخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہیں آئے، تو خواجہ صاحب خود ان سے ملنے کے لئے گئے، انھوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر میں آگیا ہے،

---

[1] سیر العارفین ص ۲۱، جواہر فریدی اور روضۃ الاقطاب میں مسجد ملک اعز الدین مرقوم ہے،

شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التتمش نے بڑی منت وزاری کی، لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لیکر روانہ ہو گئے، دہلی کے باشندوں نے قطب الدین صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے، جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے، وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے، خواجہ صاحب نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا، مجھکو یہ منظور نہیں، چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے۔

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جاکر آخری دیدار سے مشرف ہوئے، دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ

"فرمایا ساری دنیا انوار سے روشن ہے، یہ فرما کر رو پڑے اور فرمایا اے درویشو مجھے اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا مدفن ہے، اب چند روز میں اس عالم سے کوچ کرونگا، شیخ علی سجزی آپ کے کاتب موجود تھے، ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین بختیار کے نام تحریر کرو کہ وہ دہلی جائیں، میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان ان کو عطا کیا، اس کے بعد جب دعی حضرت شیخ قطب الدین سے ارشاد فرمایا کہ تمھارا مقام دہلی ہے، جب فرمان لکھا جا چکا تو مجھے عنایت فرمایا اور حکم ہوا آگے آؤ، میں نزدیک گیا، تو دست مبارک سے اپنی دستار بالائے میرے سر پر رکھی، اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کا عصا اپنا مصحف تلاوت

۱؎ سیر الاولیاء ص ۵۴ – ۵۵،

اور مصلیٰ بخشا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت خواجگان چشت کے پاس تھی جو مجھکو ملی تھی، میں نے تمکو سونپی، تم نے اس کا حق ویسا ہی ادا کرو، جیسا کہ اور خواجگان چشت ادا کرتے ہیں، تاکہ حشر کے روز میں اپنے مشایخ کے روبرو شرمندہ نہ ہوں، میں نے (یعنی حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے) اس کو قبول کیا، اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف روے مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا، جاؤ خدا کو سونپا، اور مجھے اپنی منزل پر پہنچا دیا، پھر فرمایا، چار چیزیں جوہر نفس ہیں، اول درویش، امیر و توانگر دکھائی دے، دوم وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے سوم غمگین رہے، لیکن ایسا کہ خوش و خرم نظر آئے، چہارم دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے، پھر فرمایا، اہل محبت کا مرتبہ ایسا ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے رات کی نماز ادا کی تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں، ملک الموت کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، جہاں کہیں، وہ درماندہ ہوتا ہے، دست گیری کرتا ہوں میں نے (یعنی حضرت شیخ قطب الدینؒ نے) ارادہ کیا کہ قدمبوسی حاصل کرکے رخصت ہوں، آپ نے یہ امر روشن ضمیری سے دریافت کیا، فرمایا، آگے آؤ، میں گیا اور قدموں پر گر پڑا، آپ نے مجھے اٹھایا، اور بغل گیر ہوئے، فاتحہ پڑھی اور ارشاد کیا، راہ طریقت سے منھ نہ موڑنا، اس راہ میں مرد بنے رہنا، میں پھر قدموں پر گر پڑا، آپ نے از راہ نوازش مجھے اٹھایا اور دوبارہ بغل گیر ہوئے میں رخصت ہو کر دہلی آیا، اور وہاں سکونت اختیار کی، کئی دوست بھی ہمراہ آئے، اور فقیر کے ساتھ رہے، مجھے دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے کہ اجمیر سے قاصد خبر لایا کہ تمھارے روانہ ہونے کے بعد آپ بیس دن تک

زندہ رہے، پھر رحمتِ حق میں پیوست ہو گئے، مجھے بڑا رنج ہوا۔[۱]

قطب صاحب اور التتمش قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التتمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو وہ اس کو رعایا، فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التتمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب میں فرماتے ہیں:۔

"اس کا (یعنی التتمش کا) عقیدہ صحیح تھا، وہ راتوں کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سوتا تو فوراً بیدار ہوتا، اٹھ کر وضو کرتا اور مصلیٰ پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے۔ رات کو وہ گدڑی پہن لیتا، تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا اور اس کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والوں اور درویشوں کو مال دیتا اور طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ دن کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے یا کوئی

۱۔ دیکھو اصل الفوائد قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۲۶۔

ظلم کرے تو وہ یہاں آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لگی ہوئی ہے، ہلائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار، اسکی طاقت برداشت نہ کر سکے گی۔[1]

التتمش کی اس نیک نفسی کی وجہ تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ روضۃ الاقطاب میں ہے :۔

"نقل است از کتاب مفتاح الطالبین کہ سلطان شمس الدین بادشاہ صاحب ولایت دیگے از اہل کرامت بود و در ہر کارے کہ دے را تردد بہم رسیدے، رسول علیہ السلام در خواب دیدے و اجرائے آں کار حسب فرمودہ ایشاں گردانیدے (ص ۳۰)

خزینۃ الاصفیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل، مکمل، از خلفاء نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است و از محبوبان و منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد بحضرت اہل حقیقت نیک سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت لیکن از دل فقیر حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی، و شبہائے دراز بیدار بودے۔"[2]

ان اوصاف کے ساتھ التتمش پر عاقبت کا خوف غالب رہتا، حضرت خواجہ قطب الدین اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :۔

"ایک رات وہ (یعنی التتمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۸-۲۹ [2] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۲۷۶،

رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی، اور اس کا حساب دینا ہوگا، تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک وہ واپس نہ گیا، جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کرلی۔[1]

فقر | مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت ونیازمندی کے باوجود قطب صاحب کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لے کر خورد ونوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ میں تم کو قرض نہ دوں تو تمھارے بچے بھوکوں مرجائیں" قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا، اور فرمایا کہ حجرے کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں اسی لئے قطب الدین بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہوئے،[2]

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۹، [2] سیر الاولیا ص ۴۹، وسیر العارفین ص ۲۴۔ ۲۵، جواہر فریدی قلمی نسخہ، ورق ۱۹۳ - ۱۹۵۔ سفینۃ الاولیا ص ۱۶۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے، کہ قطب صاحب نے حزم واحتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا، اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی، جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے، سیر الاولیا میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اسلئے اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی، اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں افضل الفوائد کی روایت کچھ اور ہی ہے (قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۳) تفصیل کیلئے دیکھو مفتاح الاقطاب ص ۱۴۰۔۱۴۱

مرشد نے ان کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے۔ اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکواۃ واجب ہوتی،

جود وسخا | لیکن اس ناداری پر بھی جود وسخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کر دیتے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی تو خانقاہ کا ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ، کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ جائے[۱]

استغنا | استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے، قطب صاحب نے اس کو بلایا، اور داہنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے زخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جس کے یہاں خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا،[۲] یہ روایت اس طرح بھی بیان کی جاتی ہے کہ جب سلطان شمس الدین التمش نے کسی کے ذریعہ سونے چاندی کے بہت سے ٹنکے بھیجے، تو حضرت خواجہ نے ان کو دیکھا اور کہا کہ تم سلطان کو لیجا کر واپس کرنا، اور کہنا کہ میں ان کو اپنا دوست سمجھتا تھا لیکن وہ دشمن نکلے، یہ مال و دولت خدا کے دوستوں کے بجائے اس کے دشمنوں کو دو (روضۃ الاقطاب ص ۲۶)

ایک بار سلطان التمش کا وزیر بھی کچھ گاؤں کا فرمان لے کر خدمت میں حاضر ہوا، اور قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان

---

[۱] سیر الاولیا، ص ۴۹ [۲] سیر العارفین ص ۲۲ [۳] راحت القلوب ص ۵ مطبع قاسمی میرٹھ
[۴] سیر الاولیا ص ۵۳، فوائد السالکین ص ۱۵۔

نے کسی سے گاؤں قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گاؤں لے لیں تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائیں گے[1]

صبر و تحمل | صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوا، اور لوگ اسے دفن کرکے واپس آئے تو قطب صاحب کی زوجہ محترمہ و فور غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں قطب صاحب نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ

روضۃ الاقطاب میں رفیق العارفین کے حوالہ سے حضرت خواجہ کے صاحبزادے کی وفات کی روایت اس طرح درج ہے، کہ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کیا کہ ان کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، ایک ساتھی نے اپنے اپ سے جاکر کہا تو وہ حضرت خواجہ کے یہاں کھانا لے کر آیا، اور کہا کہ مجھکو معلوم نہ تھا کہ آپ کے یہاں تین روز سے فاقہ ہے، یہ سن کر حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کس کی گردن کا مہرہ ٹوٹا جس نے میرے فاقہ کو فاش کیا، (کدام گردن مہرہ شکستہ فقر مرا فاش کرد) یہ کہنا تھا کہ حضرت خواجہ کے صاحبزادے کی گردن کا مہرہ ٹوٹا، اور زمین پہ گرے اور تڑپکر رہ گئے، ان کو دفن کرکے لوگ آئے، تو ماں کی گریہ وزاری حضرت خواجہ کے کان میں پڑی، پوچھا تو فرمایا کہ مجھکو خبر کیوں نہ کی، اللہ تعالیٰ سے اس کی زندگی مانگتا، (ص ۲۶)

ریاضت و مجاہدہ | حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، سیر الاولیاء (ص ۴۹) میں ہے، کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے لیکن آخر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں

---

[1] راحت القلوب ص ۳۲ [2] سیر الاولیاء ص ۵۴، فوائد الفواد ص ۶۲، جواہر فریدی (قلمی نسخہ)

تو تکلیف ہوتی ہے بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، یاد حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا، تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے اور نماز ادا فرماتے آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا[1] ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے[2]، اسرار الاولیا صفحہ ۳۱ میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو جاتے، ایک روز ہزار بار بیہوش ہوئے لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیئے، اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے[4] اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے[3]، جوامع الکلم میں ہے کہ دل شکستہ، لب بستہ حجرہ کا دروازہ بند کئے گریہ وزاری میں مشغول رہتے، زیارت کے لئے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے، اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو، جب تک وہ پانی پیتے وعظ کہتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے، راحت القلوب میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے، تو دن اور رات میں دو بار کلام پاک ختم کرتے، ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز ادا کریں، چنانچہ نماز عشا کے بعد حضرت قاضی حمید الدین امام ہوئے، اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بن کر پیچھے کھڑے ہوئے، حضرت خواجہ حمید الدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے، اور دوسری رکعت میں دوسرا قرآن ختم کیا، آخر میں یہ دعا کی کہ الٰہی ہم سے

---

[1] فوائد السالکین مجلس پنجم [2] سیر الاولیا ص ۴۹ و سیر العارفین ص ۲۴، [3] اسرار الاولیا ملفوظات حضرت بابا گنج شکر ص ۳۱،

تیری عبادت نہیں ہو سکتی، لیکن، تو اپنی رحمت سے ہم کو بخش دے (نیز دیکھو ص ۱۵ فقرات ۵۲)

حب رسول | اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بھی سرشار رہتے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے، کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اپنی مجلسوں میں حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے، اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ شروع میں مجھ سے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا، ایک رات خواب میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدموں پر گر پڑا، رونے لگا، پھر عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کر لوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا، اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ اور میں نے حسب الحکم سر اٹھایا، ارشاد ہوا کہ سورہ یوسف برابر پڑھا کرو قرآن مجید یاد ہو جائیگا میں بیدار ہوا تو حسب الحکم سورہ یوسف کی مواظبت کی یہانتک کہ میں نے پورا کلام پاک حفظ کر لیا

ذوق سماع | سماع کو بہت عزیز رکھتے، اس کی مجلس کبھی اپنی قیامگاہ میں منعقد کراتے، کبھی حضرت خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہاں اور کبھی کسی اور درویش کے یہاں جا کر شرکت فرماتے، ایک بار مجلس سماع میں قوالوں نے گانا شروع کیا جب یہ شعر پڑھا،

سرود چیست کہ چندیں فسوں عشق دروست
سرود محرم عشقست وعشق محرم اوست

تو مسلسل سات شبانہ روز بیہوش رہے، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کر پھر بیہوش ہو جاتے

ـــــــــــــــ

لہ فوائد السالکین مجلس ششم

وصال | سماع ہی کی بدولت وصال ہوا، ایک بار شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا،

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است[1]

تو حضرت قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اسی حال میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدر الدین غزنوی، ان کو گھر تک لائے، ہوش آجاتا تو اس بیت کو پڑھنے کی فرمایش کرتے، سن کر بیہوش ہو جاتے چار دن اور رات یہ کیفیت رہی (فوائد الفوادص ۱۴۴) جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے، اور پھر اسی سکر کی حالت میں چلے جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے[1] اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے، میر حسن نے اس شعر پر ایک غزل کہی ہے، جس میں حضرت قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جاں بریں یک بیت داد آں بزرگ آرے ایں گوہر زکانِ دیگر است

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پانوں شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں، سال وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ، (سیر الاولیارص ۵۰) وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں اور ہمیشہ نماز با جماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان

---

[1] فوائد الفوادص ۱۴۴، فوائد السالکین میں اس سلسلہ میں وفات کا ذکر نہیں ہے،

اہلیہ کی ذات میں پوری ہوتی تھی، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی[1]،

بعض تذکروں خصوصاً جواہر فریدی میں ہے، کہ وصال کے وقت ان کی عمر شریف ۵۲ سال تھی، لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین کے ساتھ ۵۸۶ھ میں ہندوستان آئے، اور ۶۳۳ھ تک یعنی ۴۷ سال وہ ہندوستان میں رہے، اور بیعت کے وقت اگر کم سے کم عمر سترہ سال بھی مان لی جائے، تو اس لحاظ سے وفات کے وقت انکی عمر کم از کم ۶۳ سال ہوتی ہے تاریخ ولادت کہیں نظر سے نہیں گذری، لیکن مرأۃ الاسرار میں ہے :-

"پنجاہ سال عمر داشت بقولے پنجاہ و دو سال بقولے شصت و پنج سال"

۶۵ سال کی عمر زیادہ صحیح ہے

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھکر عیدگاہ سے قیام گاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے، کہ ایک مقام پر آکر توقف کیا، اور ہمراہی درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام سے عشق کی بو آتی ہے، چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا، اور معاوضہ دیکر اس زمین کو خریدا، اسی سرزمین پر روضۂ مبارک واقع ہے[2]،

مقام درجہ | صوفیائے کرام میں قطب الاقطاب، قطب الاسلام، ملک المشائخ

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۴ سیر الاولیاء ص ۵۵، سیر الاقطاب ص ۱۴، خزینۃ الاصفیاء ص ۲۷۱

[2] سیر الاولیاء ص ۵۵، فوائد الفواد ص ۲۵۰، سیر العارفین، ص ۱۳۰، جواہر فریدی قلمی نسخہ ورق ۲۰۲،

سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیاء
تاج الاصفیاء کے القاب سے یاد فرمائے جاتے ہیں،

تصانیف | حضرت قطب صاحب کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان
اور ایک **فوائد السالکین**، دیوان تو نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہو گیا ہے
لیکن یہ کسی اور کا ہے، جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے،

تعلیمات | فوائد السالکین میں حضرت قطب صاحب کی سات مجلسوں کے ملفوظات
ہیں، جن کو حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۲۶ صفحہ
کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا ہے، اس میں وہ تمام
باتیں آگئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ
مختلف صحبتوں میں لکھی گئی ہیں، جن کے تجزیہ سے سالک کے لئے مندرجۂ ذیل ضوابط
مرتب کئے جا سکتے ہیں،

سالک کی زندگی | سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست
ہے[1]، کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے، اس کے لباس میں نمائش
نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے تو وہ سلوک کا راہزن ہے[2]، کم سوئے،
کم بولے، آلائش دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت
کی مگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس
مٹی کا جو کوزہ اور چمڑے کا جو خرقہ تھا، ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[3]،

سالک اور محبت الٰہی | سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا

---

[1] فوائد السالکین ص ۳ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۰

یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں، تو اس کو خبر نہ ہو[1] اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے، تو محبت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے، اس کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[2]، چنانچہ رابعہ بصری پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوئی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں، کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا[3]، حضرت خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعویٰ اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں[4]۔

راہ سلوک کے درجے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشایخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں، لیکن اولیاے طریقت جنیدیہ نے سو درجے، صوفیائے طریقۂ ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہیں، طبقۂ ابراہیم بشر بن حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے ہیں، خواجہ بایزید بسطامی، عبداللہ بن مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں، اولیائے طریقہ شاہ شجاع کرمانی سمنون محب اور خواجہ محمد مرعشی کے نزدیک سلوک میں تین ہی درجے ہیں، مگر مشایخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامات کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں، ان میں

---

[1] فوائد السالکین ص ۱۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً

۴۰واں درجہ کشف وکرامات کا ہے، طبقۂ جنیدیہ میں ۷۰واں، طبقہ بصریہ میں ۲۰واں، طریقہ دولتیہ میں ۵۰واں، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک دسواں اور خواجگانِ چشت کے یہاں ۱۵واں درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل ہونے کے باوجود سالک کو کشف وکرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہئے، کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے[1]،

حضرت قطب صاحب نے اسرارِ الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے کہ اسرار جاگزیں ہو سکیں فاش نہ ہونے پائیں، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا، چنانچہ قطب صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی صحبت میں رہے، لیکن کسی حال میں بھی انھوں نے اسرارِ الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، حضرت قطب صاحب کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا کیونکہ اس نے سرِ دوست کو ظاہر کر دیا[2]، حضرت جنید بغدادی پر عالمِ سکر میں کٹھن گھڑیاں گذریں، لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ ہزار افسوس اُس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب عالمِ غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہدے[3]"

[illegible]

شریعت کی پابندی حضرت قطب صاحب نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے، چنانچہ وہ خود جب کبھی عالمِ سکر میں بیہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے، اور نماز ادا کر کے بیہوش ہو جاتے، ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لئے ہوتے ہیں کہ ان سے عالمِ سکر میں بھی کوئی فعل خلافِ شریعت سرزد نہیں ہوتا۔ (دیکھو فوائد السالکین مجلس دوم)

خلفاء | حضرت قطب صاحب کے خلفاء میں سب سے زیادہ نمایاں نام حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کا ہے، اور سیرالاقطاب (۱۵۹) میں بائیس خلفاء کے نام ہیں، جن میں شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ برہان الدین بلخی، شیخ ضیاء رومی، بابا بحری بحر دریا، مولانا فخرالدین حلوانی، شیخ بدرالدین موے تاب برادر شیخ شاہی موے تاب، شیخ احمد وغیرہ کے ساتھ سلطان شمس الدین التتمش کا بھی نام ہے،

اولاد | آخر عمر میں ازدواجی زندگی پھر سے شروع کی، دو صاحبزادے جڑواں پیدا ہوئے تھے، (فوائد الفواد ص ۱۹۱) بڑے کا نام شیخ احمد اور چھوٹے کا شیخ محمد تھا، موخر الذکر کا انتقال سات سال کی عمر میں ہوگیا تھا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، بڑے صاحبزادے کی قبر حضرت خواجہ کے مزار کے برابر ہے، (جواہر فریدی ورق ۱۹۳) خیرالمجالس (ص ۹۹) کی روایت ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ اُن کی وفات کے بعد ان کے حرم محترم سے نکاح کرلیں، لیکن حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے مرشد کے احترام میں ایسا نہ کیا،

حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ

اسم گرامی محمد تھا مگر حمید الدین کے نام سے مشہور رہے ان کے والد ماجد حضرت عطاء اللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا،[1]

بیعت والد بزرگوار کے انتقال کے بعد حضرت حمید الدین کو ناگور کی قضاءت تفویض ہوئی، اور اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سیاحت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد شریف آئے اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں حضرت قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط و مراسم قائم ہو گئے، جو آخر وقت تک استوار رہے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے درویشوں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے جو سیاحت کی اس میں حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیق سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہیں، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے،

مرشد سے اجازت لیکر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس

---

[1] سیر العارفین ص ۱۴۴ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۰۰

دو مہینے سات دن تک روضۂ نبویؐ کے مجاور رہے، وہاں سے مکہ معظمہ پہنچے جہاں تین سال تک قیام کر کے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد انہیؒ کے پہلو میں دفن ہوئے، لطائف اشرفی میں سال وفات ۶۴۳ھ ہے، رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے تو روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔[1]

ان کو بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ میں تھی مگر حضرت بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں، لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوریؒ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے استاد تھے خواجہ صاحب نے علوم ظاہری کی تعلیم انہی سے پائی، سیر الاقطاب کے مولف کا بیان ہے کہ

"باوجودیکہ حضرت قاضی حضرت خواجہ کے استاد تھے، لیکن ادب و خدمت میں اس قدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدین سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں، وہ (یعنی حضرت قاضی) ان کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتے، بالآخر قاضی کو حضرت خواجہ سے خلافت بھی ملی، حالانکہ ان کے پیر سے مل چکی تھی،" (ص ۱۵)

حضرت قطب الدینؒ کی فوائد السالکین میں حضرت حمید الدین ناگوری استاد کی حیثیت سے نہیں سامنے آتے، بلکہ ان کو یار غار بتایا گیا ہے، (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول سلم

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۵۔

ذوق سماع حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے، اور اس ذوق کی وجہ سے علمائے ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے، مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور اس ذوق کو بدستور قائم رکھا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی ان کے ساتھ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک بار سلطان التتمش کے محل کے پاس ایک درویش کے مکان پر محفل سماع تھی۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی، اور حضرت حمید الدین ناگوری بھی اس میں شریک تھے، اس زمانہ کے جید علماء میں مولانا رکن الدین سمرقندی بھی تھے، جو مجلس سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کو خبر ملی کہ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور اور حضرت حمید الدین ناگوریؒ ایک محفل سماع میں ہیں تو کچھ لوگوں کے ساتھ اس درویش کے مکان پر پہنچے، کہ اس محفل کو روک دیں، حضرت حمید الدین ناگوریؒ کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ تاکہ مولانا رکن الدین سمرقندی تمہارے گھر میں آنے کی اجازت تم سے طلب نہ کرسکیں، اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہوئے تو یہ شرعی حکم کے خلاف ہوگا، اور ان سے مواخذہ کیا جائیگا صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا، مولانا رکن الدین نے دروازہ پر پہنچ کر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، صاحب خانہ سے کوئی اجازت نہ ملی تو دروازے سے لوٹ گئے،[1] کئی اور موقعوں پر حضرت حمید الدین ناگوری پر سماع کے لئے پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی، مگر وہ کسی قدغن کو بھی خاطر میں نہیں لائے[2]

پایۂ بزرگی حضرت شہاب الدین سہروردیؒ حضرت حمید الدین ناگوریؒ کی بڑی وقعت کرتے تھے، اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۳۹ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۱۰ [2] تفصیل کے لئے دیکھو فوائد الفواد ص ۲۴۱-۲۴۳،

سے خلفاء ہیں، لیکن ان میں بزرگ ترین شیخ حمید الدین ناگوری ہیں، (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۱۰)

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو قاضی حمید الدین سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار قاضی حمید الدین نے ان کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ رباعی لکھی،

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد　　واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال　　آں دیدہ کجا کہ بجمال تو رسد

حضرت گنج شکرؒ اس رباعی کو پڑھتے اور وجد کرتے تھے،[1] ان کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کی تصانیف کا حوالہ بار بار آیا ہے، (دیکھو راحت القلوب ص ۲۹ - ۳۰)

مولانا قطب الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں، ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کی تمام تصانیف منگوا کر پڑھیں، اور اپنے ہمراہی علماء سے کہا کہ یارو! جو کچھ ہم نے اور تم نے پڑھا ہے، وہ سب ان رسالوں میں موجود ہے، اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے وہ علم بھی ان کتابوں میں موجود ہے،[2]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ جو حال اور کمال شیخ حمید الدین کو دربار الٰہی سے عطا ہوا تھا، وہ ہر شخص کو میسر نہ آیا،[3]

سیر العارفین کے مصنف نے حضرت قاضی حمید الدین کو علم و وقار کا کوہ تمان

---

[1] راحت القلوب ص ۲۲ و سیر العارفین ص ۱۴۹ اخبار الاخیار ص ۳۶، [2] فوائد الفواد ص ۱۴۲ و سیر العارفین ص ۱۵۰، [3] سیر العارفین ص ۱۵۰

بحر اسرار کا بحر، رہروانِ منازلِ نامتناہی کا پیشوا، اور ابو سفیان ثوری ثانی کہا ہے[۱]،

اخبار الاخیار میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

" او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت[۲] "

سفینۃ الاولیا میں ہے :-

" در تجرید و تفرقہ یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند (ص ۱۶۰)

تصانیف | صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں، مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں،

" قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است " (اخبار الاخیار ص ۴۲)

ان کی سب سے مشہور کتاب طوالع الشموس ہے، اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی شرح ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، لطائف اشرفی میں اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :-

" طوالع شموس کہ مطلع شموس حقائق و منبع کئوست دقائق است از وے سرزدہ کہ آں مقدار معارف و عوارف کہ از طوالع و طالع می گردد در دیگر کتاب یافتہ نمی شود امروز در جمیع ملل و نحل دستور و سند شدہ است "

(ص ۳۶۸)

اس کے بارے میں مولانا عبد الحق فرماتے ہیں :-

---

[۱] سیر العارفین ص ۲۲ [۲] اخبار الاخیار ص ۴۰،۴۱،

"ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است معتبر است جمیع مواضع او در متانت و حرارت و حالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ" (اخبار الاخیار ص۳۱)

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات میں قاضی حمید الدین ناگوری کی دو کتابوں تواریخ (؟) اور راحت الارواح کا حوالہ بار بار آیا ہے، سیر العارفین میں ان کی ایک اور کتاب لوائح کا ذکر ہے[۱]، حضرت خواجہ گنج شکر کے ملفوظات میں کتابت کی غلطی سے لوائح ہی تواریخ ہو گئی ہے،

مزار دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرقد مبارک کے پائیں میں ہے،

---

[۱] راحت القلوب ص ۲۹، ۳۰، ۳۵ سیر العارفین ج ا ص ۹۰،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

خاندان حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ العزیز کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، فرشتہ تذکرۂ اولیائے ہند مصنفہ شیخ معین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقمطراز ہے:-

"شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی است و ہبار اسلام آوردہ بود برادران او زمعہ و عمرو عقیل با حالت کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و سودہؓ کہ در زمان پیغمبر بود دختر زمعہ است۔"

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں ان کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے، جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی

لہ سہرورد چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے، جو عراق و عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب اور اور موخر الذکر کے پیر شیخ وجیہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے، اس لئے ان کے سلسلہ کو سہروردیہ کہتے ہیں، حضرت شہاب الدین کی ولادت ۵۴۲ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی مزار اقدس بغداد میں ہے، تصانیف میں عوارف المعارف، کشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ و بہجت الابرار بہت مشہور ہیں، جن سے ایک فیوض و برکات حاصل کیے جاتے ہیں۔

کی لڑکی سے ہوئی، مولانا حسام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کرور میں متوطن تھے، مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کرور میں آ بسے گئے، اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی[1]

تعلیم | بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے، والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتوں قراتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگانِ دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے، وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا، ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے، وہاں سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور پانچ سال تک جوارِ رسولؐ میں زندگی بسر کی، اس مدت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے حدیث پڑھی، مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبویؐ کی خدمت کی، حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے، اور وہاں سے بغداد شریف گئے[2]

بیعت | بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہو کر خرقۂ خلافت پایا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۳، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [2] سیر العارفین ص ۱۰۴، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

فرماتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ دن قیام فرمایا تھا کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے، اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے دوسرے مریدوں کے دل میں رشک پیدا ہوا، اور شیخ سے عرض کی کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی، لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں ملی، مگر ایک ہندوستانی آیا اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہوگیا، اور بڑی نعمت پائی،

مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگتی ہے، بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے[1]،

شجرۂ طریقت | سلسلۂ طریقت یہ ہے، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ اسود احمد دینوری، شیخ ممشاد علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم،

عظمت مرشد | خرقۂ خلافت پانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان واپس جا کر قیام کرو، اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے، جب حضرت بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے[2]،

---

[1] اسرار الاولیاء ص ۔ فوائد الفواد ص ۔ [2] سیر العارفین ص ۱۰ و ۱۱

بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزیؒ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں مادہ ویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا؟ بولے شیخ فرید الدین عطارؒ کو، حضرت بہاء الدین زکریاؒ نے پوچھا، کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھکو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا، میں نے عرض کی خطۂ بغداد سے آتا ہوں، پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے، تو میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پوچھا کہ اپنے مرشد شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا، جواب دیا کہ شیخ فرید الدین کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کو بھول گیا، یہ سن کر شیخ بہاء الدین زکریا کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے[1]،

قیام ملتان ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا، اور ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے[2]،

شیخ محمد نور بخش مولف، سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں:۔

"حضرت بہاء الدین زکریا الملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء"

---

[1] سیر العارفین ج ۱ ص ۱۰۶ اور ج ۲ ص ۶۸ و فوائد الفواد ص ۲۵۲ [2] فرشتہ ج ۱ ص ۸۳،

تھے علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے، ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی، اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑی تھی[1]"

سفینۃ الاولیاء میں ہے :۔

"حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے، اور یہیں توطن اختیار کیا، رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے، تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی اور اس دیار کے تمام لوگ ان کے مرید اور معتقد ہو گئے، اس دیار میں تمام مرید اُن ہی کے ہیں" (ص، ۹۱)

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لئے تھی، اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمراں ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری، اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی، اس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انھوں نے

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰۰

دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں، شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التتمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا، اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا، اور ان کا خط انکے ہاتھ میں دیدیا، قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت یہ تہ تیغ کر دیئے جائیں، جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھوں نے اس کے دیکھتے ہی فرمایا، کہ بیشک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے اور صحیح لکھا ہے، یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا، اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا،[1]

فیاضی [illegible] خلق کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی، شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے نقرئی تنکہ کے سات کوزے بھی نکلے، والی ملتان نے

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۰۱، سیر العارفین ص ۱۱۳، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۴، فوائد الفواد میں یہ بھی ہے کہ قباچہ نے اسی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاء الدین زکریا کھانے میں اس کے ساتھ شریک نہ ہونگے تو اسی بہانے انکو ایذا پہنچائیگا، مگر شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہوگئے

شیخ کو اس کی اطلاع دی، تو انھوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشنا،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے لیکن انکو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی، جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے، ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دسترخوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے، فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نان ترکو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھکو تمام انبیاء پر ہے اور عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے،[1]

استغناء | حضرت شیخ زکریا کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی و بے نیاز رہے، ایک روز خادم سے فرمایا جاؤ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھالاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہوکر واپس آیا، اور شیخ کو اطلاع دی تو کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمد للہ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا، اور صندوقچہ ملجانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہہ کر خاموش ہوگئے، حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لئے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے، اور نہ ان کے

---

[1] فوائد الفواد ص و سیر العارفین ص ۱۲۳،

جانے کا حکم ہوتا ہے، اور پانچوں ہزار دینار حاجتمندوں میں تقسیم کرا دیئے[1]

بردباری | مزاج میں حلم و بردباری بہت تھی، ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا، اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کر دی اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے، حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو، جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کئے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو۔ میں اس جگہ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے دروازہ کھول دیا، اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی[2]

تواضع | غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے، مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا، کہ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کئے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے فرمایا تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے، اور ملتان آکر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ان سے تعظیم اور محبت اور شفقت سے ملے، اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ بھی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی بڑی قدر کرتے

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱۴ و مراۃ الاسرار [2] فوائد الفواد

تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی، تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاء الدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔[1]

محبت و مودت | حضرت شیخ بہاء الدین زکریا، بابا گنج شکر کی بھی بہت عزت کرتے تھے بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے، اور باہم بڑی محبت و مودت تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے صاحب کو لکھا۔

"درمیان ما وشما عشقبازی است"

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا۔

"میان ما وشما عشق است بازی نیست۔"

ھر | ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کے لئے بہت ہی خمار آگیں ہے، اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزی نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ بعد دہلی تشریف لائے سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سن چکا تھا، جب وہ دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا، اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو پسند نہ آئی، انکے

---

[1] سیر العارفین ص ۲۰ اخبار الاخیار ص ۲۸ تذکرہ قلمی نسخہ دار المصنفین،

دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی انکی (یعنی نجم الدین صغری) قیام گاہ کے قریب ہی فرد کش ہوں، اور قیام کے لئے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغری نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزی کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائیگا، اور اگر ناقص ہوں گے، تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے، یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی، مگر حضرت جلال الدینؒ نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا، جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہوگیا، اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہونچا، دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے، حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ ان سے ملنے آرہے ہیں تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ میں قران السعدین ہوا، جس وقت حضرت جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ ان کی خانقاہ پہنچے، اس وقت یہاں مجلسِ سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے اس بیت پر حضرت خواجہ صاحب کو وجد آگیا،

در میکدۂ وحدۃ ایثار نمی گنجد
در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التتمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر انکا اور بھی معتقد ہوگیا اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا، ایک روز موسم بہار میں سلطان التتمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا، اور ان کو

بنایا، نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی، چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی قیامگاہ
تھی، وہ فجر کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک
ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین
صغری کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں،
اسی وقت سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشوں کے معتقد
ہیں، یہ سونے کا کون سا وقت ہے، اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے،
حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغریٰ کی بدگمانی معلوم ہو گئی
اسی وقت اٹھے اور صحن خانہ ہی میں سے سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم
ہوا، اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا تم شیخ الاسلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو، تم کو
نیک و بد کی بھی پہچان نہیں، مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کے بجائے اندرونی طور
پر اور زیادہ برہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے ان کی پرخاش اور بھی
بڑھ گئی، اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیوں کا لالچ دلا کر آمادہ کیا
کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر فسق و زنا کا الزام لگائے، مطربہ نے سلطان کے
پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو متہم کیا، سلطان سن کر ششدر ہو گیا، وہ سمجھتا تھا
کہ یہ جھوٹا الزام ہے، اور مطربہ کو اس کی دروغگوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا، لیکن
قانون کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو سکتی
تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی،
مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آ جانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات
بھی ضروری تھی، اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا

فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا، اور وہ دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے، محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا، شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور جلال الدین تبریزی کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، مطربہ پیش کی گئی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جوتیاں اتاریں، تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں، سلطان التمش یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا، کہ ایک جلیل القدر حکم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے، اور تحقیقات کی کارروائی روک دینا چاہی مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا:-

"میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کرکے، ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا

اظہار ضروری ہے، اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ؟
چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری
ہوگیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا
کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے
لئے آمادہ کیا تھا، اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے
کہ مجلس ہی میں ان کو غش آگیا، اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہوگئی
سلطان التتمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے
عہدہ سے برطرف کرکے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی
انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان
میں قائم رہا[1]

جود وسخا | حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے صحیفۂ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی
ہیں، ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، غایت اضطراب
میں انھوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا سے روحانی استمداد کی، اللہ جل
شانہ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا، جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز
ساحل پر پہنچا، تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ
کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا، اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی
نقد و جواہرات لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم
ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹکے ہوتے تھے، شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے

---

[1] فوائد السالکین مجلس ششم و سیر العارفین ص ۱۶۷-۱۶۹

اندر یہ کل رقم حقداروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دی، خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی وقت اپنا تمام مال و اسباب فقرا میں بانٹ دیا، اور فقیری اختیار کر لی، پانچ برس شیخ کی خدمت میں گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے مگر جدہ پہنچ کر جنت کی راہ لی[1]

ذوق سماع | سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے، ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا، اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اس کا گانا شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو زکریا بھی سنے گا، چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں ٹھہرایا گیا، عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گذری ہوگی، کہ حجرہ میں تشریف لائے اور دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا، اور حجرہ کے دروازہ میں زنجیر لگا دی، قوال نے گانا شروع کیا،

مستاں کہ شراب ناب خوردند ‏ ‏ ‏ ‏ از پہلوے خود کباب خوردند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا وجد میں کھڑے ہو گئے، اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا، تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے، اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا، جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیئے[2]

عبادت و ریاضت | عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا اشتغال رکھتے

[1] سیر العارفین ص ۱۱۶-۱۱۷ [2] فوائد الفواد ص ۱۷۔۱۸، و سیر العارفین ص ۱۱۱

تھے، ایک بار اپنے خلفاء کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے، جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں پورا کلام پاک ختم کرے، حاضرین میں سے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی، پھر خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا اور چار پارے اور پڑھے، دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، بار بار فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل میں لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے، اور جس کام کے لئے حوصلہ کیا پورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا، ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہیں ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک شروع کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا قرآن ختم کر لیتے تھے[1]۔

وفات وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سر بمہر خط دیا، حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے، والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے، تو قاصد کو نہ پایا، خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی،

"دوست بدوست رسید"

---

[1] فوائد الفواد ص ۹ و سیر العارفین ص ۱۴۰

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدینؒ دوڑے ہوئے حجرے میں گئے، دیکھا، آواز حقیقت بن چکی تھی۔[1]

راحت القلوب (ملفوظات حضرت بابا گنج شکرؒ) میں ہے کہ جس وقت حضرت بہاء الدین زکریاؒ کا وصال ہوا، اسی وقت اجودھن میں حضرت بابا گنج شکرؒ بیہوش ہو گئے، بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ

"برادرم بہاء الدین زکریا را از بیابان فنا بہ شہرستان بقا بردند۔" (ص ۵۷)

اور پھر اٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی۔ مزار شریف ملتان میں ہے،

سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحت القلوب میں سال وفات ۶۵۶ھ، سیر الاولیاء (ص ۹۱) میں ۶۶۶ھ، اخبار الاخیار میں ۶۶۱ھ، سفینۃ الاولیاء اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ، اور مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ ہے، سفینۃ الاولیاء میں پیدائش کا سال ۵۶۵ھ لکھا ہے،

تعلیمات حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے، اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے۔ مگر انھوں نے اپنے مریدوں کے لئے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار کے مصنف نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ان کے اقتباسات ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں،

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے عبادات و اذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے

---

[1] راحت القلوب مجلس ہشتم فوائد الفواد ص ۲۲۲ و سیر العارفین ص ۱۱ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۶۔ [2] راحت القلوب ص ۵۵
[3] اخبار الاخیار ص ۲۸ و ۲۹، سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۰، ۱۹۵، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، فرشتہ ج ۲ ص

احوال کو درست اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے، اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے، اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے،

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں، کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو، ذکر ہی سے طالب محب تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے، جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے، تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہوتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول، وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے،

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا ہے، ماسوائ اللہ کو دل سے دور کر دے، دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کر لے اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی، تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بو بھی وہ سونگھ سکے گا،

ایک نصیحت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلتِ طعام میں اور روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں اور دین کی سلامتی حضرت خیرالانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے،[1]

خلفاء حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ اپنے مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے، وہ ان پڑھ تھے، مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا، ان کی بندگی کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷،

جن میں سے ایک میں کلام پاک کی آیت تھی، ایک میں حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کون سی سطر میں کیا چیز ہے، شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی آیت والی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے، اس کا نور مجھکو زمین سے عرش معلیٰ تک نظر آرہا ہے، حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے، اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے، پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں مجھ سے پوچھا جائیگا کہ ہماری بارگاہ میں کیا کمائی لایا ہے، تو میں عرض کروں گا میری کمائی حسن افغان ہے[1]،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شیخ فخر الدین عراقی اور شیخ امیر حسینی بھی خاص طور پر ذکر کے لایق ہیں، ان کے حالات آگے چل کر علیحدہ ابواب میں بیان کئے جائیں گے، دو اور کے اسمائے گرامی یہ ہیں، شیخ جمال خنداں اور شیخ نجیب الدین علی برغش،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱۱، و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳،

حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ

روحانی مرتبہ | حضرت شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نور اللہ مضجعہ کے فرزند ارجمند تھے، والد بزرگوار ہی کی صحبت میں عقلی و نورانی تعلیم پائی، اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ میں سر حلقۂ اولیا سمجھے جاتے تھے۔ ان کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے جن کا ذکر آگے آئے گا، ان کے روحانی مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرورِ دیں افتخارِ صدرگاہ
صدرِ دین و دولت آں مقبولِ حق — نہ فلک از خوانِ جودش یک طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحرِ دلش — چوں خضر علمِ لدنی حاصلش
معتبر چوں قول او افعالِ او — ہم بیانِ او گواہ حالِ او
مقتدائے دیں بقولِ خاص و عام — دولتش گفتہ تو ئی خیر الانام
سلکِ معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بکسب و ہم بمیراث آں او[1]

تاریخ فرشتہ میں ان کے روحانی اوصاف و کمالات کی تعریف و توصیف حسبِ ذیل

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۹،

اشعار میں کی گئی ہے :۔

آں گہر معدن حق الیقین تازہ زآب کرمش باغ دین

دادہ ز پاکی بملائک صلہ خرقۂ وحدت بخلا و ملا

بحر مواج دل پاک او عقل فرو ماندہ در ادراک او

صدر نشیں گشت بعرش بریں گشتہ خطابش از خدا صدر دینؒ

وہ عام طور سے شیخ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور تھے کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار و رموز ان پر عیاں ہوتے، اسی لئے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے :۔

" ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردی، سمند فکرت بیشتر راندی و دقیقکہ تبلاوت مشغول بودے ادراوفوج فوج معانی رو نمودی[1] "

فیاضی والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے، تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے، مگر یہ ساری رقم ایک ہی روز میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دی، اور اپنے لئے ایک درم بھی نہ رکھا، کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوا اپنے خزانہ میں نقد و جنس جمع رکھتے تھے، اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے، آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش کے مطابق ہونا چاہئے، شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا، کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے، اس لئے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا، اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے، مگر مجھ میں یہ وصف نہیں، اس لئے اندیشہ رہتا ہے، کہ دنیا کے

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ صفحہ ۴۰۔ [2] ایضاً،

مال کے سبب سے دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں، اس لئے میں نے ساری دولت علیحدہ کر دی[1]۔

مگر اس فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی، ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی[2] دہلی سے ملتان تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ صدر الدین سے بھی ملنے آئے، اس وقت ان کے یہاں علماء دھفزار کی بڑی تعداد موجود تھی، شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا تو ایسا پُر تکلف دسترخوان بچھایا گیا، جیسا بادشاہوں کے یہاں ہوا کرتا ہے، خود شیخ صدر الدین کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے، شیخ رکن الدین فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے مگر تبرکاً و تیمناً کھانے میں شریک ہو گئے، اور شیخ صدر الدین کے قریب ہی دسترخوان پر بیٹھے، شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا، مگر سوچنے لگے کہ صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے، شیخ صدر الدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا کہ جو شخص حرارتِ باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے، اس کے لیے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں۔

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن — تن مزن ہر چند بتوانی بخور[3]

مہمانوں کی خاطر سے شیخ دسترخوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ ان کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کہیں تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں۔

حضرت شیخ صدر الدینؒ اور شہزادہ محمد سلطان	حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے خوارق و کرامات کی

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۰، [2] یہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے پیر کے پیر تھے، [3] فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۰ و حرارۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے بہت کچھ غور طلب ہے، بیان کیا جاتا ہے، کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا، شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التمش کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا، اور حسن کے لئے مشہور تھی، مگر شہزادے کی نشہ بازی اور بدمستی سے عاجز تھی، ملتان پہنچ کر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ میں بیوی کو طلاق دیدی اور اس سے علٰحدگی اختیار کرلی مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اور علمار کو جمع کرکے مسئلہ پوچھا، انھوں نے بتایا، کہ شہزادی اس کی زوجیت میں اس وقت تک نہیں آسکتی، جب تک کہ حلالہ نہ کرلے، شہزادہ کی تنک مزاجی اور حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا، اور غصے میں اٹھ کر خلوت میں چلا گیا، اور قاضی امیر الدین خوارزمی کو بلاکر کہا کہ باپ کے غیظ وغضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہوں، لیکن اس کی (یعنی شہزادی کی) مفارقت اور دوری بھی گوارا نہیں، قاضی امیر الدین خوارزمی نے رائے دی، کہ شیخ صدر الدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہیں پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کرکے طلاق دلوا دی جائے، شہزادہ اس پر راضی ہو گیا اور حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا، تو شہزادی نے حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ کے پاؤں پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھ کو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کر دیں گے، تو قیامت کے روز آپ کی دامنگیر ہوں گی، شیخ صدر الدین عارفؒ کو اس کے عجز وزاری پر رحم آگیا اور انھوں نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا، شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی، تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ مدرسہ

شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے، شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی، تو ان میں کوئی تغیر نہ ہوا اور اپنے ارادہ پر قائم رہے، اسی دوران میں اچانک مغل حملہ آور ہوگئے، شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی، اور وہ خود ان کے ہاتھوں قتل ہوا، فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور آخر میں یہ شعر نقل کیا ہے کہ

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز   خوانده باشی کہ ہم از غیرت درویشانست[1]

مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھ کر اپنی تاریخ میں کس طرح قلمبند کیا، اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر میں شہزادہ محمد سلطان کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے، فرشتہ لکھتا ہے :-

"بلبن کے فرزندوں میں سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خان شہید[2] ہے یہ شاہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا، تمام حمیدہ صفتیں اور پسندیدہ عادتیں جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہئیں سب حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں، یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر میں بے مثل تھا، اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلوں اور شاعروں سے آراستہ رہتی تھی، اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کرتا رہتا تھا، زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن، نسرین اور نسترن سے پر تھا، امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے، وہ دوسرے درباریوں

---

[1] فرشتہ ج ۲ ص ۳۸۹ [2] محمد سلطان جب مغلوں کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا تو محمد سلطان خان شہید کے نام سے مشہور ہوا،

سے زیادہ ان دونوں کی عزت کرتا تھا، اور ان کی نظم و نثر سے محظوظ ہوتا تھا وہ اس قدر مہذب اور شایستہ تھا، کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا، قسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا شراب کی مجلس اور بدمستی میں بھی اس کی زبان سے کوئی نا ملائم لفظ نہ نکلتا،

ادب بزرگ کند مرد را تو شاید طبع بجلیۂ ادب آری تا بزرگ شوی

اس کی خوشگوار علمی مجلس میں شاہنامہ، دیوان خاقانی، انوری، خمسہ نظامی، اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ارباب فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے، امیر خسرو فرماتے تھے کہ میں نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین و متاخرین کے اشعار کی یادداشت میں سلطان محمد کے جیسا کسی کو نہ پایا، اس کے پاس ایک بیاض تھی جس میں مشہور شعراء کے منتخب اشعار خوش خط منقول تھے، امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی رنگینی سلطان محمد کی سخن فہمی اور سخن شناسی کے مداح تھے، اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی، جس کے بعد امیر خسرو کو ملی، اس زمانے کے تمام شعراء نے اس بیاض کو دیکھا اور ان منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض میں نقل کیا، اور ایسے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوئے جس زمانہ میں سلطان محمد ملتان میں مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے، وہاں تشریف لائے، اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی، ان کی خدمت میں نذرانہ اور ہدیہ پیش کیا، اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان میں قیام فرمائیں اور ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے،

اور اس کے مصارف کے لئے گاؤں وقف کئے جائیں، مگر شیخ عثمان ترمذی نے اسکو قبول نہ کیا، اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے، ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس میں تشریف رکھتے تھے، مجلس میں عربی اشعار پڑھے جاتے تھے، کسی شعر کو سن کر ان بزرگوں اور مجلس کے تمام درد نشیوں پر وجد طاری ہو گیا، اور وہ رقص کرنے لگے، محمد خاں سلطان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، اور برابر زار و قطار روتا رہا، اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی۔

فرشتہ کے مندرجۂ بالا بیان کی لفظ بلفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین سے اس کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، بلکہ وہ شہزادہ کے اُن تمام محاسن و اوصاف کو لکھ کر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں،

"ہم نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا اور بلبنی تخت پر متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر دولتمندیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوٹی تھی زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان

تاریخ فیروز شاہی طبع ایشیاٹک سوسائٹی ص ۶۸-۶۹

ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا، اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا، فلک کے کام میں یہی شترگربہ ہے، کہ زمانہ کی بے نظیر و عدیم المثال شخصیتوں کو حاجتمند اور ضرورت مند بنائے رکھتا ہے، اور گمنام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار ناز و نعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے، ریچھ اور سور کو تو مرصع او مکلل اور عندلیب و بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مجبور و محبوس اور مایوس رکھتا ہے"[1]

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی مہم میں تھے، اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محبوس بھی رہے۔ شہزادہ کی شہادت پر ایک خونچکاں مرثیہ بھی کہا تھا، مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں کیا ہے، میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں، لیکن اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں، امیر خسرو اور میر حسن کے مراثی و ماتم نامے اس قدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، چنانچہ تیموری دور کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں جو بیس صفحوں میں نقل کیا ہے[2]، مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین کی کشیدگی اور ناگوری کا کہیں اشارہ تک نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مولف کو خود اس کی صحت میں شک ہے، اسلئے اس روایت کی ابتدا گویند سے کی ہے[3]، یعنی یہ عوام کی روایت ہے، راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے، کہ یہ واقعہ محض عقیدت مند عوام کی روایت ہے، جس کی کوئی اصلیت

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۶۶-۶۹ [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۳۱-۱۵۵ [3] طبقات اکبری ج ۱ ص ۸۰،

نہیں ہے،

صحبت کیمیا اثر حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے متعدد ارباب کمال پیدا ہوئے جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے، شیخ جمال خنداں اُن سے تربیت پانے کے بعد اوچھ میں قیام پذیر ہوئے، اور وہاں کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ایک دوسرے خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایوں میں رہنے کا حکم ملا تھا، چنانچہ وہ آخر وقت تک یہیں رہے، اور یہیں ان کا مزار ہے، ایک اور خلیفہ مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں چودہ سال تک رہے، ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا، کہ وہ روزانہ دو دفعہ کلام پاک ختم کرتے تھے، ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے، ان خلفا میں شیخ احمد ابن محمد قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذب و سکر کی کیفیت طاری رہتی، اس کوچہ میں آنے سے پہلے وہ گھوڑوں اور دوسری چیزوں کے تاجر تھے، دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت میں مشغول رہتے تھے، محفل نشاط میں شراب سے بھی شغل کرتے تھے، ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ میں قندھار سے ملتان آئے تو حضرت شیخ صدر الدین کی زیارت کے لئے بھی حاضر ہوئے، شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا، اس کو کھاتے ہی . . . عجیب کیفیت ان پر طاری ہو گئی، اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا، اور مرشد کی خانقاہ میں عزلت نشین ہو گئے، اور سات سال تک تربیت پاتے رہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فوائد الفواد میں فرماتے ہیں، کہ

○ ایک بار چلہ کے جاڑے میں آدھی رات کو وہ باہر آئے، اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی میں جاکر کھڑے ہوگئے، اور کہنے لگے کہ الٰہی میں اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلوں گا، جب تک مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں کیا ہوں، ان کے کان میں آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمہاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ صرف اس بات پر اکتفا نہیں کر سکتا ہوں، پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمہاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ بہشت میں جائیں گے، شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہیں ہوئی، میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں، آواز آئی کہ ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہوں، مگر تم ہمارے معشوق ہو، یہ سن کر خواجہ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف چلے گئے، راستہ میں جو شخص ان سے ملتا، "السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق"، کہتا۔"

فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ مذکورۂ بالا واقعہ بیان کر کے زار و قطار رونے لگے، کسی نے اس مجلس میں کہا کہ شیخ احمد نماز نہیں پڑھتے تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں جب ان سے کہا جاتا تھا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے تو کہتے تھے کہ نماز پڑھوں گا، مگر سورہ فاتحہ نہیں پڑھوں گا، اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی۔ اور جب ان سے اور اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورۂ فاتحہ پڑھونگا مگر "ایاک نعبد وایاک نستعین" چھوڑ دونگا، پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہوگا، اس رد و قدح کے بعد وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے، مگر سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورۂ بالا آیت زبان پر آتی، تو ان کے ہر بن مو سے خون جاری ہو جاتا،

اور نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہتے کہ ایسی حالت میں نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے، واللہ عالم بالصواب؛

علمی یادگار | حضرت شیخ صدر الدین نے ان روحانی یادگاروں کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے۔ یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیا الدین نے مرتب کیا تھا۔ راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہیں گذری مگر اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں[۲]، ان ہی کی مدد سے ہم شیخ صدر الدین کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں،

تعلیمات | فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخلہ امن عذابی یعنی اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ حصن ہے، جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اس قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوف زدہ ہو، اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے، اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے متردد نہ ہو، اگر دنیا والے اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع و ضرر اور خیر و شر کا ظہور نہیں ہوتا۔ حصن باطن یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے، وہ بالکل عارضی اور آنی و فانی ہے، اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں، اس لئے اس کی ہستی و نیستی قابل التفات نہیں، حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو، اور نہ دوزخ کا خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ ہو، دل میں حبیب

---

[۱] فوائد الفواد ص ۵۰-۵۵ [۲] اخبار الاخیار ص ۵۹-۶۱،

یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے پیچھے چلی آتی ہے،

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ ایمان لائے، اس پر ایمان لاکر بندہ ثابت قدم رہے، اور شک وشبہہ کے بجائے رغبت ومحبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا، اور اپنی صفات میں یگانہ ہے وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے، اسمار، صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، اوہام وافہام کی ادراک سے بالاتر ہے۔ حدوث، عوارض، اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے، تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اس کی ذات وصفات میں چون وچرا کرنا جائز نہیں ہے، وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے۔ اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، صحیح اور درست ہے، اور اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہئے تاکہ اعتقاد درست رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نہ خدا کے حکم کو جانا اس کی کیفیت اور نہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی، اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے۔ ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے، تو اس کو خوشی محسوس ہو، اور اگر اس سے برائی سرزد ہو تو اس کو برائی برائی معلوم ہو، بندہ کے ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق وحال کی بنا پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے،

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی کہ کوئی سانس ذکر کے بغیر باہر

نہ نکلنا چاہئے، کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہئے، اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے، اور دل میں نورِ ذکر اترتا جائے گا، اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوگا، اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے، ع

ایں کار دولت است کنوں تا کراں رسد

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے، تو قلب خاموش نہیں ہوتا یہی ذکر کثیر ہے، اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا، جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو، جس کا اشارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ میری امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں، اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلقِ باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہئے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علحدگی کی توفیق ہوتی ہے، اور وہ برے وساوس اور اخلاقِ مذمومہ سے پاک وصاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے، تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر متجلّی ہو جائے، اور شیطانی وساوس اور نفسانی

خواہشات اس سے دور ہو جائیں، اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدۂ مذکور کو منجلی کر دے، اور یہ وہ مرتبۂ بلند اور عطیۂ عظمیٰ ہے کہ اس کے حصول کے لئے امت کے اصحابِ ہمت اور اربابِ بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں

وفات | حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہ کا وصال ملتان میں ۳ ماہ ذی الحجہ کو ظہر و عصر کے درمیان ہوا۔ تاریخ فرشتہ میں سال وفات ۶۶۶ھ ہے[1]، جو غلط معلوم ہوتا ہے، سفینۃ الاولیاء اور مرآۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے۔ سفینۃ الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ

"در ملتان بخانقاہ والد بزرگوار خود ہژدہ سال بعد از ایشان بہ ارشاد و تکمیل طالبان و مریدان اشتغال داشتند[2]۔"

حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سالِ وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے۔ اگر سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق ان کی وفات کا ۶۶۶ھ تسلیم کر لیا جائے تو اٹھارہ سال اور جوڑنے کے بعد حضرت شیخ صدر الدینؒ کا سالِ وصال ۶۸۵ھ ہوتا ہے، مگر سفینۃ الاولیاء اور مرآۃ الاسرار نے ۶۸۴ھ لکھا ہے، مرآۃ الاسرار کے مولف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف ۶۹ سال کی تھی، مگر بعض تذکروں میں ۴۰ سال بھی بتائی جاتی ہے، اس لئے تاریخ ولادت کی تعیین مشکل ہے، گو بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۶۱۱ھ بتائی گئی ہے، مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے پہلو میں ہے،

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱ [2] سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۹،

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

وجہ تسمیہ گنج شکر اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا. مگر عام طور سے بابا گنج شکرؒ کے لقب سے مشہور تھے. گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے. سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت میں تربیت حاصل کر رہے تھے، تو ایک بار انھوں نے سات دن تک متواتر روزے رکھے. ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے سے نکل کر خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے، کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا، اور آپ زمین پر گر پڑے. کچھ کیچڑ منھ میں چلی گئی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے کیچڑ شکر بن گئی. مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا. انھوں نے فرمایا، اگر مٹی تمھارے منھ میں شکر بن گئی، تو خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا، اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے، اسی کے بعد سے گنج شکر مشہور ہو گئے[1]. سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی میں رات کو سنگریزے منھ میں رکھ لیے، یہ سنگ ریزے شکر ہو گئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہونچی تو فرمایا، فرید گنج شکر ہے[2]، جواہر فریدی میں ہے، کہ ان کو بچپن میں شکر سے بڑی رغبت تھی، اس لیے ان کی والدہ ان کو نماز پڑھنے کی ترغیب کی خاطر جانماز کے نیچے

---

[1] سیر العارفین ص ۲۶-۲۷، [2] سیر الاقطاب ص ۱۶۵،

شکر رکھ دیتیں، نماز پڑھ کر جانماز کو الٹتے تو شکر ملتی، اسی شوق میں نماز پڑھتے، ایک روز ان کی والدہ کسی مہمان کی خاطر مدارات میں لگی رہیں، جانماز کے نیچے شکر نہ رکھ سکیں، لیکن حضرت فریدالدینؒ نے حسب معمول نماز پڑھی، اور جانماز الٹی تو وہاں اور بھی زیادہ شکر ملی، ان کی والدہ کو یاد آیا تو نماز کے لیے بلایا، لیکن ان کو معلوم ہوا کہ انھوں نے نماز پڑھ لی، اور ان کو شکر بھی مل گئی، اسی کے بعد گنج شکر کہلائے، (ورق ۲۵۳) خزینۃ الاصفیائے کے مصنف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا، جب وہ اجودھن پہنچا، تو شیخ فریدالدین نے اس سے پوچھا، اونٹوں پر کیا ہے؟ سوداگر نے مسخرے جواب دیا نمک ہے، یہ سن کر شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا "بہتر ہے نمک ہی ہوگا" سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو اونٹوں پر شکر کے بجائے نمک پا کر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فرید کی خدمت میں حاضر ہو کر تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا کہ اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی، چنانچہ پھر نمک شکر میں تبدیل ہو گیا بیرم خاں خانخاناں نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے:-

کان نمک جہان شکر، شیخ بحروبر   آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے، تو ایک دن ان کو بہت پیاس معلوم ہوئی، ایک کنویں کے پاس پہنچے لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی، ناامید ہو کر کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے، کنویں کا پانی ابل کر کنارہ تک آگیا، دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی، شیخ فریدالدین بھی پانی پینا چاہتے

لہ خزینۃ الاصفیا ص ۲۹۲ ج اول،

تھے کہ پانی گہرائی میں اتر گیا، شیخ فرید الدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا، الٰہی ہرنوں کو تو تو نے پانی پلا دیا، اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا، آواز آئی تو نے ڈول اور ڈوری پر اعتماد کیا، اور ان جانوروں نے مجھ پر بھروسہ کیا، اس لئے تم محروم رہے اور وہ دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سن کر شیخ فرید الدینؒ بہت متاسف ہوئے اور نفس کشی کے لئے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اس مدت میں پانی کا ایک قطرہ بھی منہ میں نہ ڈالا، چلہ ختم ہونے کے بعد ایک مٹھی خاک منہ میں ڈالی جو فوراً شکر ہو گئی، غیب سے آواز آئی، اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا، اور تجھ کو اپنے لئے چن لیا، اور شیریں سخنوں کے گروہ میں تجھکو گنج شکر بنایا[1]،

اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں،

حضرت شیخ فرید الدین کی ولادت باسعادت قصبہ کھتوال (کھوتوال، کوٹھی وال، کہنی وال) ضلع ملتان میں ہوئی،

سیر الاولیاء (ص ۹۱) میں ہے کہ وہ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے[2] اور ۹۵ سال کی عمر میں ۶۶۴ھ میں وفات پائی، لیکن فوائد الفواد (ص ۵۳) میں ہے کہ انھوں نے ۹۳ سال کی عمر پائی، اس لحاظ سے ان کا سال ولادت ۵۷۱ھ ہوتا ہے، اور اگر تاریخ ولادت ۵۶۹ھ ہی صحیح تسلیم کر لی جائے تو سال وفات ۶۶۲ھ ہوتا ہے، لیکن سیر الاولیاء، جواہر فریدی، اخبار الاخیار، سفینۃ الاولیاء میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہی مذکور ہے، پھر ۹۳ سال کی عمر کو مستند سمجھ کر تاریخ ولادت ۵۷۱ھ ہوتی ہے، بعد کے تذکرہ نگاروں نے ولادت اور وفات کی تاریخ لکھنے میں غلطیاں

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۹۳، [2] سیر الاولیاء ص ۱۰ و سیر الاقطاب ص ۱۶۳،

کی ہیں، مثلاً تاریخ فرشتہ اور خزینۃ الاصفیاء میں سال ولادت ۵۶۹ھ لکھا ہے، سال وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۴ھ سیر الاقطاب میں ۶۶۹ھ اور خزینۃ الاصفیاء مخبر الواصلین اور تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے ۶۶۸ھ مرقوم ہے جو صحیح نہیں،

شجرۂ خاندانی مختلف تذکروں میں مختلف شجرے لکھے ہوئے ہیں، مثلاً خزینۃ الاصفیاء میں حسب ذیل شجرہ ہے، (ج اص ۲۸۶)

شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ بن جمال الدین سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بفرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیر الدین بن محمود المعروف بہ سلیمان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ بن واعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحٰق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادھم بن سلیمان بن ناصر بن عبد اللہ بن امیر المومنین فاروق الاعظم عالیجناب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ،

لیکن سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) پر حسب ذیل نسب نامہ درج ہے،

حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج مسعود قدس اللہ تعالیٰ سرہ بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین المعروف بفرخ شاہ بن نصیر فخر الدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن عبد اللہ واعظ الاصغر بن واعظ الاکبر ابو الفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ناصر بن شیخ عبد اللہ بن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

مذکورۂ بالا دونوں شجروں میں بڑا اختلاف ہے، پھر تمام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت فرید الدین گنج شکر کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کے خاندان سے تھے۔

سیر الاولیاء کے مؤلف کا بھی بیان ہے، کہ بابا صاحب کا آبائی تعلق شاہ کابل

فرخ شاہ عادل کے خاندان سے تھا، چنگیز خانیوں کی یورش میں ان کے خاندان کے افراد تباہ ہوئے تو ان کے جد بزرگوار قاضی شعیب اپنے تین لڑکوں کے ساتھ لاہور آئے، پھر قصور میں آباد ہو گئے، جس کے بعد وہ کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے، لیکن سیر العارفین کے مولف کا یہ بیان عجیب وغریب ہے، کہ آپ کے پدر بزرگوار مسمی جمال الدین سلیمان نواح کابل سے سلطان شہاب الدین غوری خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی کے عہد سلطنت میں ملتان آئے، اور نواح ملتان میں قصبہ کھتوال میں سکونت اختیار کی، سیر الاقطاب (ص ۱۶۳) نے اس بیان کو یہ لکھ کر اور بھی زیادہ خلط ملط کیا ہے

"پدر بزرگوار آں حضرت خواہرزادہ سلطان محمود غزنوی است۔"

تاریخ فرشتہ (جلد دوم ص ۳۸۳) کے بیان میں وضاحت ہے،

"پدر والا گہر شیخ موسوم بجمال الدین سلیمان در عہد سلطان شہاب الدین غوری از کابل بملتان آمد وقضائے قصبہ کھوتوال کہ نزدیک ملتان است یافت"

فرشتہ کا یہ بھی بیان ہے کہ

"جد بزرگوار شیخ مشہور بہ فرخ شاہ زمام حکومت کابل درکف داشت"

یہ سیر الاولیاء ہی کی روایت پر بھروسہ کر کے لکھا گیا ہے، لیکن غوریوں کو کابل کی تاریخوں میں فرخ شاہ کا نام نہیں ملتا،

کھتوال میں شیخ جمال الدین نے ملا وجیہ الدین کی دختر نیک اختر مریم خاتون سے شادی کی جن سے[۲]

---

[۱] سیر الاولیاء (ص ۵۸)،

[۲] سیر العارفین وجواہر فریدی ورق ۳۱۲،

تین فرزند ہوئے (۱) اعزالدین محمودؒ (۲) فریدالدین مسعود (۳) نجیب الدین المتوکل

ابتدائی تعلیم | حضرت شیخ فرید نے ابتدائی تعلیم کہت وال میں ہی اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی، جو بہت ہی "صالحہ، پارسا اور کاملہ" تھیں، مزید تعلیم کے لئے ملتان پہونچے جو اس وقت قبۃ الاسلام بنا ہوا تھا،[1] اور وہاں جید علماء کا اجتماع تھا، خیرالمجالس (ص ۲۲۲) میں ہے کہ انھوں نے ملتان میں سرائے حلوائی کے پاس ایک مسجد میں قیام کیا، سیرالعارفین کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب نافع پڑھی، اور کلام پاک بھی حفظ کیا، اور ہر رات ایک بار کلام مجید ختم کرتے تھے، خیرالمجالس اور سیرالاولیاء دونوں میں ہے کہ اسی مسجد میں حضرت شیخ فریدؒ ایک روز نافع کا مطالعہ کر رہے تھے، وہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ تشریف لائے تحیت مسجد پڑھی، اور شیخ فرید کو پڑھتے دیکھ کر پوچھا کہ کون سی کتاب ہے، شیخ فرید نے جواب دیا نافع تو حضرت قطب الدین بختیار نے فرمایا "نافع سے نفع ہوگا" یہ سن کر حضرت شیخ فریدؒ حضرت قطب الدین بختیارؒ کے قدموں پر گر پڑے، اور کہا،

"نفع من از کیمیا سعادت بخش شما نہادہ اند"

اور پھر یہ دو[2] شعر پڑھے،

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد | در لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطف بکدام ذرہ پیوست دمے | کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

سیرالعارفین میں ہے کہ اسی وقت حضرت شیخ فریدؒ بیعت بھی ہو گئے، اور اس وقت

---

[1] تاریخ فرشتہ میں ان کا نام بھی غلطی سے فریدالدین ہی طبع ہو گیا ہے، جلد دوم ص ۳۸۳،
[2] سیرالاقطاب ص ۱۴۳ [3] سیرالاولیاء ص ۷۰،

۔ہ سال کی تھی لیکن سیر الاولیاء کی روایت ہے، کہ ملتان سے دہلی آئے
، فریدؒ ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، اور مرید ہونے کے وقت
الدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنوی
ین ابو المؤید، مولانا شمس ترک اور خواجہ محمود موینہ دوز جیسے بزرگان
تھے، (ص ۶۱)
افین میں ہے کہ بیعت کے بعد حضرت قطب الدین بختیارؒ نے اپنے
یا کہ ترک و تجرید میں علم ظاہری بھی حاصل کرتے رہو، اور اس علم کے
ے پاس آؤ، اس نصیحت کے بعد حضرت شیخ فرید الدین قندھار جاکر
ے علوم ظاہری حاصل کرتے رہے، آئین اکبری (جلد دوم ص ۱۶۹) میں
ن بھی گئے، اور حضرت فرید الدین کے ملفوظات میں ہے کہ وہ غزنی بغداد
تان اور بدخشاں وغیرہ کی بھی سیاحت کر کے علوم ظاہری و باطنی حاصل

،

ت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت
ن بختیار کاکیؒ نے بزرگانِ دین فیوض حاصل کرنے کے لئے ایک مدت
ے سفر کر کے ہر قسم کی صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے رہے،
نے خواجگان کی روایت کے مطابق حضرت فرید الدین نے بھی سیاحت
تعجب کی بات نہیں، اسی لئے آئین اکبری جلد دوم ص ۱۶۹ میں ہے کہ
" وازراہ دستوری گرفتہ بقندھار وسیستان بنشافت و باند وختن
ائی پرداخت "

سیاحت | آئین اکبری میں صرف قندھار اور سیستان ہی کا ذکر ہے، لیکن راحت القلوب میں جن جن مقامات کی سیاحت کا جستہ جستہ ذکر ہے، ان کو ہم یہاں اس غرض سے قلمبند کرتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو کہ وہ مختلف مقامات کے اولیاء اللہ کی صحبت سے کس کس طرح بہرہ مند ہوئے،

فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) کی زیارت کی، اور ان سے کئی روز تک فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ان کی خانقاہ میں دس بارہ ہزار سے کم فتوح آتی ہو، اور وہ اسکو اسی روز راہِ خدا میں خرچ نہ فرما دیتے ہوں، ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر میں ایک پائی بھی رکھوں تو مجھے درویش نہ کہیں گے، بلکہ مالدار کہیں گے

حضرت بابا گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے آخر عمر تک بڑی عقیدت رہی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف عوارف المعارف کو آپ (یعنی حضرت بابا گنج شکر) بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے تھے، اور آپ کے پڑھانے میں یہ اثر تھا کہ سننے والوں کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے، میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے، اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی بیخودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت میں موت آجاتی تو ایک بڑی دولت ملتی، آپ کے گھر میں فرزند ارجمند پیدا ہوا، تو اس کا نام بھی شہاب الدین ہی رکھا

فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد میں تھا، تو برابر اسی خیال میں رہتا کہ کسی اہل اللہ کی زیارت نصیب ہو، اپنا یہ خیال ہر کس و ناکس سے ظاہر کرتا، اور بزرگانِ دین

لہ راحت القلوب مطبع قاسمی ص ۳ ؎ فوائد الفواد ص ۵، ۶

کا سراغ لگاتا، ایک بزرگ کا حال معلوم ہوا کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک غار میں سکونت پذیر ہیں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہ نماز میں مصروف تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دیکر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، ان کے چہرے سے بڑی عظمت و ہیبت ظاہر ہوتی تھی، ان کا منھ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، میری طرف مخاطب ہوکر فرمایا، اگر بزرگوں کی زیارت کی غرض سے یہ سفر اختیار کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی بزرگی عطا فرمائے گا، میں نے سر تسلیم خم کیا، اس کے بعد فرمایا کہ کم و بیش پچاس سال سے اسی غار میں رہتا ہوں حضرت جنید بغدادیؒ کی اولاد سے ہوں، جڑی بوٹی میری غذا ہے، عرصہ بیس سال سے شب زندہ دار ہوں، لیکن گذشتہ شب اتفاقاً میری آنکھ مصلے پر لگ گئی، اور ایک خواب دیکھا، یہ رات معراج کی تھی، خواب میں اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی، خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو شخص خدا کی طلب کرتا ہے۔ حق تعالیٰ بھی اس کا طالب ہوتا ہے۔ ان کا معمول تھا کہ عشار کی نماز کے بعد سے صبح تک نماز معکوس پڑھتے رہتے[1]

حضرت بابا گنج شکرؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہا تھا، تو میری ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوئی، میں نے سلام کیا، انھوں نے جواب دیکر مصافحہ کیا اور مجھ کو دیکھ کر فرمایا۔

"بیا شکر عالم نیک آدمی بنشیں"

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ نے میرے حال پر بہت لطف و کرم فرمایا، اور کئی روز تک مجھ کو مہمان رکھا، میں نے اپنے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ کسی آنے والے کو خالی

---

[1] راحت القلوب ص ۹۹-۱۰۰،

خالی نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود ہوتا تو خستہ خرما ہی عطا فرماتے، میں جب رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ جیسا فرماتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے، اسی نواح میں ایک اور بزرگ سے ملاقات ہوئی، جو بہت ہی لاغر اندام تھے، ان کے جسم پر گوشت مطلق نہ تھا، جس مقام پر وہ رہتے تھے وہ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں چرند و پرند بھی نہ تھے، میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ایسے خرابہ میں کیوں رہتے ہیں، یہاں ان کی خورش کا سامان کہاں سے ہوتا ہوگا وہ بزرگ میری طرف مخاطب ہوئے، اور فرمانے لگے کہ عمر کو اس غار میں رہتے ہوئے چالیس سال گذر گئے، میری خورش بجز خس و خاشاک کے کچھ اور نہیں، میں چند روز ان کی صحبت میں رہا، اور پھر وہاں سے بخارا کی طرف روانہ ہوا، وہاں شیخ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ھ سے ملاقات ہوئی بڑے باعظمت اور پُرہیبت بزرگ تھے، جب ان کی مجلس میں پہنچا، اور سلام عرض کیا تو فرمایا بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، آپ ہر لحظہ میری جانب دیکھ کر فرماتے یہ مشائخ میں سے ہوگا، اور بہت سے انسان اس کے مرید ہوں گے، تھوڑی دیر کے بعد اپنے دوش مبارک سے سیاہ کمبل اتار کر مجھ پر ڈال دیا، اور فرمایا، یہ کمبل اوڑھ لو، میں نے اوڑھ لیا چند روز آپ کی خدمت میں رہا، ایک دن بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ تقریباً ایک ہزار آدمی ان کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے ہوں، کوئی خانقاہ سے محروم نہ جاتا، (ص ۵)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ جب میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی المتوفی ۶۵۸ھ کی خدمت میں حاضر تھا، تو ایک شخص ان کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ یا حضرت! میں مال رکھتا ہوں، لیکن کئی سال سے اس میں نقصان ہوتا ہے، اور میں خود بھی

بیمار ہوجاتا ہوں، اس سے اور بھی نقصان ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال میں نقصان ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے، اسکو نقصان اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا ایمان درست ہو جائے،

فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کے یہاں سے روانہ ہو کر میں ایک مسجد میں شب باش ہوا، یہاں خبر ملی کہ اس مسجد کے پاس ایک غار ہے، جہاں ایک اہل دل بزرگ رہتے ہیں، علی الصباح ان کی خدمت میں پہنچا، اس وقت تک میں نے ان کے جیسا ہیبت بزرگ کسی اور کو نہیں پایا تھا، عالم تفکر میں کھڑے تھے، چار رات اور دن کے بعد عالم صحو میں آئے، میں نے سلام کیا، سلام کا جواب دیکر فرمایا تم کو مجھ سے تکلیف پہنچی، بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، فرمایا میں خاندان شمس العارفین سے ہوں، تیس برس سے اس صومعہ میں رہتا ہوں، لیکن اس مدت میں حیرت اور دہشت کے سوا مجھ کو کوئی اور چیز حاصل نہیں ہوئی، شاید تم اس کے سبب سے واقف نہ ہو، میں نے عرض کیا کہ مجھ کو اس کی وجہ معلوم نہیں، آپ ارشاد فرمائیں، فرمایا یہ راہ راست بازوں کی ہے، جس شخص نے اس راہ میں راستی سے قدم رکھا وہ منزل مقصود کو پہنچا، اور اس کو وصال دوست نصیب ہوا، اور جس نے دوست کی رضا کے بغیر قدم بڑھایا وہ عمل کر رہ جائے گا، میرے اور حق تعالیٰ کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں، جب پہلا حجاب اٹھا تو دیکھا کہ مقربان بارگاہ آنکھیں اوپر کئے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اس طرح یکے بعد دیگرے حجابات اٹھتے گئے اور جب حجاب خاص کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ اس حجاب کے آگے وہی بڑھ سکتا ہے، جس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بیگانہ ہو کر مجھ سے رشتہ یگانگی جوڑا، میں نے عرض کیا کہ میں تمام چیزوں سے بیگانہ ہوں

آواز آئی کہ اگر تو نے سب کو چھوڑ دیا ہے، تو مجھ سے مل گیا، اس وقت میں نے نگاہ ڈالی تو اپنے آپ کو اس صومعہ میں پایا، پس اے فرزند! اس راہ میں سب سے بیگانہ ہونا چاہیے، تاکہ حق تعالیٰ سے رشتۂ یگانگی قائم ہو، اس کے بعد حضرت بابا گنج شکر نے فرمایا کہ اس گفتگو کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا، تو ہم دونوں نے باجماعت نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو پیالہ آش اور چار روٹیاں آئیں، مجھ سے کھانے کو ارشاد فرمایا، میں نے کھانا ساتھ کھایا، عجیب مزے کا تھا، وہ حلاوت آج تک میں نے کسی اور کھانے میں نہیں پائی، اس رات کو میں وہیں مقیم رہا،[1]

فرماتے ہیں کہ جب میں نواح غزنی میں تھا، تو ایک رات کسی مسجد میں شب باش ہوا، وہاں چند درویش رہتے تھے، ان میں سے ہر ایک بڑا عبادت گذار تھا، میں رات بھر ان کی خدمت میں رہا، صبح کو وہاں سے روانہ ہو کر ایک حوض پر پہنچا، جہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، وہ بہت لاغر، ضعیف اور کمزور تھے، میں نے لاغری اور کمزوری کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے عارضۂ شکم ہے، دن بھر ان کی خدمت میں رہا، جب رات ہوئی تو ان کا عارضہ بڑھا، ان کا معمول تھا کہ ہر رات سو رکعت نفل ادا فرماتے، لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تھی، قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے، واپس آکر غسل فرماتے اور پھر نماز میں مشغول ہو جاتے، پھر حاجت ہوتی اور پھر غسل کر کے دوگانہ ادا فرماتے، اس طرح اس رات وہ مسلسل ساٹھ بار نہائے اور اپنا وظیفہ پورا کیا، آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرما گئے، سبحان اللہ، کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے،[2]

---

[1] راحت القلوب ص ۵ و ۶ [2] ایضاً

یہ کہہ کر بابا گنج شکر رونے لگے،

غزنی ہی کے نواح کی سیاحت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کسی شہر کی مسجد میں رمضان شریف میں امام حدادی کی بھی قدمبوسی کی، اور ان کی خدمت میں عرصہ تک رہا وہاں ایک اور باعظمت بزرگ تھے، جو ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے، بلکہ چار پارے اور زیادہ پڑھ جاتے، انھوں نے مجھ کو نصیحت فرمائی کہ راہ سلوک میں جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے، جب تک مجاہداتِ کاملہ اور ریاضات شاقہ نہ کروگے، مقام اعلیٰ کو نہ پہونچو گے، کیونکہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصلی چیز مجاہدہ ہے[1]،

غزنی کے ایک بزرگ کی نصیحت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے، اور آخرت منھ، زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں، لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیجائے، کیونکہ آخرت ہی کام آئیگی[2]،

فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا، انہی دنوں وہاں کے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی انھوں نے ازراہ کرم مجھ کو اپنے سینے سے لگایا، اور فرمایا کہ مشایخ کی تم نے جو خدمت کی ہے، وہ تمھارے لئے باعث سعادت ہے، اور میرے پاس بھی آنا تمھارے لئے اچھا ہوا[3]،

سیوستان ہی کے ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کھڑے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا ذکر فرما رہے ہیں، میں ان کے پاس ٹھہرا رہا، ایک روز ان کو ہوش آیا، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو سعادتِ ابدی عطا کرتے ہیں، اس کے لئے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اور وہ شخص سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر ہی

---

[1] دلیل العارفین ص ۲۴۰، [2] ایضاً ص ۲۰۸ [3] ایضاً ص ۱۷۱،

میں رہتا ہے، فرمایا قضائے حاجت کے وقت کے سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہیے،

فرماتے ہیں کہ بدخشاں میں حضرت شیخ ذوالنون المتوفی ۲۴۲ھ کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ عبدالواحد مصری سے میری ملاقات ہوئی، وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے، ان کا جسم بالکل گھل گیا تھا، صرف ایک پاؤں رکھتے تھے، ان کو ایک ہی پاؤں پر عالم تحیر میں کھڑے دیکھا، ان کے پاس پہنچا تو سلام کیا، انھوں نے بیٹھنے کو کہا اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، تین دن اور تین رات عالم صحو میں نہ آئے اور مجھ سے مخاطب نہ ہوئے تیسرے دن عالم صحو میں آئے، تو فرمایا میرے پاس نہ آؤ، ورنہ جل جاؤ گے، اور تم بھی نہ رہو کہ مجبور رہو گے، میرا حال سن لو، میں اس غار میں ستر برس سے ہوں، ایک بار ایک عورت ادھر سے گذری، میری نگاہ اس پر پڑی، اور اس کی طرف میرا میلان ہوا، اور میں نے اس غار سے باہر نکلنا چاہا، لیکن غیب سے آواز سنی، اے مدعی، یہی عہد تھا، کہ تم میرے سوا کسی دوسرے پر بھی نگاہ ڈالوگے، یہ آواز سن کر میں متنبہ ہوا، اور فوراً اس پاؤں کو جو باہر نکل آیا تھا، کاٹ کر پھینک دیا، اس واقعہ کو تیس سال گذرے ہونگے، میں حیران ہوں کہ قیامت کے دن جب مجھ سے سوال کیا جائیگا تو میں کیا جواب دونگا،[1]

فرماتے ہیں کہ ایک بار میں ایک چشتی بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک صوفی آیا، اور اس نے کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تیری موت قریب ہے، حضرت نے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ کل تمہاری صبح کی نماز قضا ہوئی تھی، صوفی نے خیال کیا تو صحیح تھا،[2]

راحت القلوب کی مجلس نہم کے بعض ملفوظات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت

[1] راحت القلوب ص ۱۰۰، ۱۰۱ [2] ایضاً،

بابا گنج شکرؒ بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہے تھے۔[1]

خلافت | حضرت شیخ فرید الدینؒ ایک مدت کی سیاحت کے بعد دہلی حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی جہاں وہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوگئے، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ میں ان کی یہ کیفیت ہوگئی تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی حضرت بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے تو شیخ فرید کو دیکھنے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ان کیلئے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی، کہ "فرید را برگزیدم"، چنانچہ خواجہؒ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا، اور حضرت بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی اس وقت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے حضرت بختیار کاکیؒ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آوردکہ بجز سدرۃ المنتہی آشیانہ نمی گیرد"[2]

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ نے اس وقت یہ بھی نصیحت فرمائی کہ صاحب سجادہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا دل کدورت، غل و غش، مخش، حسد، اور آلائش دنیا سے پاک رہے، اور پھر یہ بھی فرمایا کہ اہل سلوک کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم سوئے کم بولے کم کھائے، اور لوگوں سے کم ملے، (جواہر فریدی ورق ۲۲۹-۲۳۰-۲۸۱)

قیام ہانسی و اجودھن | مرشد کی صحبت میں پوری تعلیم پا چکے تو حضرت گنج شکرؒ مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے اور رخصت کرتے وقت مرشد نے فرمایا کہ تم میری موت

---

[1] راحت القلوب ص ۲۰۸ [2] سیر الاقطاب ص ۱۲۶۔

کے وقت تو میرے پاس نہ ہوگے لیکن میری موت کے دو تین روز کے بعد فاتحہ خوانی کے لئے
پہنچو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت گنج شکرؒ ہانسی پہنچے تو کچھ دنوں کے بعد ایک روز
خواب میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہو گیا ہے، ہانسی سے پریشان ہوکر روانہ ہوئے، تو
وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار مبارک کی زیارت فرما چکے تو قاضی حمید الدین
ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکر کو دیں
جن کو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالہ کرنے کو کہا تھا، تین یا سات روز کے بعد حضرت
گنج شکرؒ نے دہلی کو چھوڑنا چاہا تو تمام لوگوں نے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی
مگر انھوں نے دہلی میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا، اور ہانسی آئے لیکن یہاں لوگوں کا ہجوم
بڑھا تو اجودھن کی طرف بڑھ گئے[۱] یہاں تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنایا لیکن
کچھ دنوں کے بعد معتقدین کا ہجوم یہاں بھی بڑھا، تو اس جگہ کو بھی چھوڑنا چاہتے تھے، مگر مرشد نے
خواب میں یہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی اور ایک روز ہاتف غیبی نے بھی آواز دی، کہ اے
شیخ پریشان نہ ہو، اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر، اس کے بعد سے ہر شخص
کو ان کے پاس آنے کی عام اجازت تھی، اور وہ ہجوم سے طول خاطر نہیں ہوتے تھے[۲]،

مجاہدات شاقہ حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں، سیرالاولیا
(ص ۷۰) میں ہے کہ مرشد کے حکم سے ایک کنوئیں میں چلہ معکوس کیا، راحت القلوب میں
ہے، کہ ایک بڑی مدت تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں
سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں، کہ انھوں
نے کچھ کھایا ہو، فجر کی نماز کے بعد بڑی دیر تک سجدے میں پڑے رہتے، پہلے ذکر آچکا

---

[۱] فوائد الفواد ص ۸۸، ذخیرۃ المجالس ص ۹۹ و سیرالاقطاب ص ۱۷۰ [۲] سیرالاقطاب ص ...

کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ان کے حجرے میں ان کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے، تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہوگئے تھے کہ تعظیم کے لئے نہ اٹھ سکے، اس قدر نحیف و نزار ہو گئے تھے کہ اٹھنے بیٹھنے میں بھی سہارا لیا کرتے تھے، حجرہ کے اندر سربسجود ہو کر برابر یہ پڑھا کرتے تھے، (خیر المجالس ص ۲۲۴)

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی — از بہر تو میرم از برائے تو زیم

ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا تو فرمایا عصا پر سہارا کیا تھا، اس لئے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لئے عصا چھوڑ دیا، اور محجوب ہوں[1]، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا، یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے[2]، رمضان میں ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے، کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے، اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے، حضرت خواجہ نظام الدینؒ بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے تھے[3]، خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا، مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات دھاڑیں مار کر گریہ کرتے تھے، کسی شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کرکے روتے، نعرے لگاتے، اور بیہوش ہو جاتے،

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۸ و سیر الاقطاب ص ۱۶۶، جواہر فریدی ورق ۲۵۸، [2] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۴۰، [3] راحت القلوب ص ۲۰،

در کوی عاشقاں چناں جاں بدہند　　　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز[1]

ذوقِ سماع | ایک بار اُن کے سامنے یہ رُباعی پڑھی گئی تو ایک دن اور ایک رات بیہوش رہے[2]

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد　　　　واں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی زجمال　　　　آں روح کجا کہ در جلالِ تو رسد

ایک بار ایک مجلسِ سماع میں یہ غزل شروع کی گئی:-

ملامت کردن اندر عاشقی راست　　　　ملامت کے کند آنکس کہ بیناست
نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد　　　　نشانِ عاشقی از دور پیداست
نظامی تا توانی یار سا باش　　　　کہ نورِ پارسائی شمع دلہاست

تو حضرت گنج شکر پر بے قراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا، بے چین ہو کر رقص بھی کرنے لگتے تھے، نماز کا وقت آتا تو صحو میں آجاتے، نماز کے بعد پھر بیہوشی طاری ہو جاتی[3]

سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے، سماع کی حرمت و حلت پر ایک روز گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا کہ سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہو جائے، اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں[4] مگر سماع انہی لوگوں کے لئے جائز قرار دیا ہے، جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں، یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو[5]

---

[1] راحت القلوب ص ۱۹، ۲۰، ۲۱ و ۶۳ [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۱۱ و ۱۲ [4] اخبار الاخیار ص ۵۲ [5] راحت القلوب ص ۱۲،

فقر و فاقہ تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گذاری، لباس و غذا میں بڑی شانِ بے نیازی پائی جاتی تھی، جسم پر کپڑے پھٹ جاتے تھے تو بھی علیحدہ نہ کرتے تھے، ایک بار کرتہ بہت ہی بوسیدہ ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا، کرتہ پہن تو لیا، لیکن فرمایا جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا، اس نئے کرتہ میں نہیں ہے[1] جس کمبل پر دن کو بیٹھتے، اسی کو رات کے وقت اپنا بسترِ استراحت بناتے[2] اور تکیہ کے بجائے سر کے نیچے اپنے مرشد کا عصا رکھ لیتے تھے، (فوائد الفواد ص ۵۲)

گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا، گھر کی کنیز خبر دیتی[3] کہ فلاں صاحبزادے یا فلاں حرم پر دو دو تین تین فاقے گذر گئے، لیکن اس خبر سے ان کی ریاضت و عبادت کا سکون ختم نہ ہوتا، (خیر المجالس ص ۵۹)، ایک روز حرم محترم نے آکر عرض کیا کہ فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے، تو فرمایا فرید کیا کرے، اگر تقدیر الٰہی یہی ہے[4] تو یہی ہوگا، اکثر شربت سے افطار کرتے تھے، ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی کشمش ہوتی حاضر کیا جاتا، تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی نوش فرماتے، پھر اس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے، اگر گھر میں کچھ ہوتا تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے، (فوائد الفواد ص ۱۵)

لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے، لیکن خود تناول نہ فرماتے، زیادہ تر جوار کی روٹی پسند فرماتے، (دسیر الاولیا ص ۸۶)

اکثر ڈیلہ پکا کرتا تھا، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار[5]

---

[1] فوائد الفواد ص ۵۳، اخبار الاخیار ص ۵۰ [2] ایضاً [3] جواہر فریدی ورق ۳۰۵، [4] ایضاً [5] خیر المجالس میں ہے کہ، حضرت نظام الدین اولیا فرماتے تھے کہ جس دن خانقاہ میں ڈیلہ بالکل کر ڈیلہ پیٹ بھر کھانے کو ملتا تو وہ دن عید کا ہوتا،

بناتے تھے، ایک روز گھر میں نمک نہ تھا، حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لیا، اور دلیہ پکاکر مرشد کے پاس لے گئے، حضرت گنج شکرؒ نے کھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے فرمایا "ازیں بوے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے لرزہ براندام ہوکر عرض کیا کہ قرض کا ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالہ کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا[1] ایک بار طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا، تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لیکر حاضر ہوا، اس کو رزقِ غیب سمجھ کر نوش فرمایا، مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی، اور اسی وقت قے کردی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا تھا وہ شرابی تھا[2]

استغنا: اس قدر عسرت اور تنگدستی کے باوجود بابا گنج شکر اپنے مرشد کی طرح مال و متاعِ دنیوی سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خاں کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دیکر بھیجا، مگر انھوں نے اس کو یہ کہہ کر واپس

[1] سیر العارفین ص ۲۲، [2] اخبار الاخیار ص ۵۱،

کر دیا کہ یہ ان کو دو، جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں ہے[1] اسی طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤں اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی، تو فرمایا کہ اگر میں یہ گاؤں اور رقم لے لوں تو مجھے لوگ درویش نہ کہیں گے، مالدار کہیں گے، اور درویش دلیہ دار میرا لقب ہو جائے گا، اس کے بعد یہ منھ درویشوں کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا، اور میں ان کے درمیان کھڑا نہ ہو سکوں گا[2]، اور کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے، تو راہ خدا میں تقسیم کر دیتے، جواہر فریدی میں ہے کہ ایک بار سلطان[3] بلبن نے ان کے پاس ایک بڑی رقم بھیجی، اس کے اصرار سے اس کو بادل ناخواستہ لے لیا، لیکن غربا میں تقسیم کر دینے کا فوراً حکم دیا، مولانا بدرالدین اسحٰق نے رات ہونے سے پہلے ہی یہ تمام رقمیں تقسیم کر دیں، رات کو چراغ لے کر دیکھا کہ کوئی سکہ رہ تو نہیں گیا ہے، ایک سکہ باقی رہ گیا جس کو مولانا بدرالدین اسحٰق نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا، تاکہ دوسرے دن اس کو بھی کسی مسکین کو دیدیں، بابا صاحب عشار کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد تشریف لے گئے تو نماز میں ان کا دل نہ لگا، اور گرانی محسوس کی، مولانا بدرالدین سے پوچھا کہ ساری رقمیں تقسیم ہو گئیں کہ نہیں ؟ مولانا بدرالدین نے جواب دیا کہ ایک رہ گیا ہے، بابا صاحب نے اس کو لے کر پھینک دیا، اور پھر نماز سکون سے پڑھی، لیکن پھر رات بھر روتے رہے، کہ ہاتھ میں اس کو لے کر آلودہ کیوں کیا فرماتے تھے کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اسراف نہیں ہے، اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لئے خرچ کیا جائے اسراف ہے[4]

---

[1] راحت القلوب ص ۳۲، فوائد الفواد ص ۹۹، فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۸ [2] جواہر فریدی ورق ۲۵۴، ۲۵۵ [3] راحت القلوب مجلس یازدہم، [4] سیرالاقطاب ص ۱۶۹،

جب بہ کثرت مٹھائی لاتے، تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا، لیکن یہ مٹھائیاں اجودھن کے بچوں اور درویشوں میں تقسیم کر دی جاتیں، کوئی محروم نہ رہتا[1]،

نرمی و ملاطفت: طبیعت میں بیحد نرمی و ملاطفت تھی، ایک بار چار درویش آئے، اور بابا صاحب سے درشت لہجہ میں گفتگو کی، انھوں نے پھر بھی ان کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ رکے نہیں، جب جانے لگے تو حضرت بابا صاحب نے ہدایت کی، کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں لیکن وہ نہ مانے، اور جب وہ جا چکے تو زار و قطار رونے لگے، جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادسموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے[2]،

ایک بار خانقاہ میں ایک اور قلندر آیا، حجرہ میں بابا صاحب عبادت میں مشغول تھے، اس کے باہر ان کی جانماز بچھی تھی، اسی پر قلندر آکر بیٹھ گیا، خادم خاص نے مزاحمت نہیں کی، اور کھانا لاکر دیا، قلندر نے کہا پہلے شیخ کو دیکھ لوں تو کھانا کھاؤں، خادم نے جواب دیا، شیخ حجرہ میں ہیں، وہاں جانے کی اجازت نہیں، کھانا کھا لو، تو پھر ملو، قلندر نے کھانا کھا کر نشہ اور گھاس نکالی، اس کا خمیر اپنے کچکول میں بنانا شروع کیا، اس کا شیرہ جانماز پر بھی ٹپکا، خادم خاص نے مزاحمت کی، تو قلندر نے اپنا کشکول اس کو مارنے کے لئے اٹھایا، شور سنکر بابا صاحب حجرہ سے باہر نکل پڑے، قلندر سے فرمایا، میری خاطر معاف کر دو، قلندر نے جواب دیا، قلندر کا کچکول اٹھ چکا ہے تو کسی پر ضرور گرے گا، بابا صاحب نے فرمایا، دیوار پر ماردو، اس نے دیوار پر دے مارا تو دیوار گر گئی، (خیر المجالس ص ۱۳۰)

---

[1] راحت القلوب ص ۵۰ [2] فوائد الفواد ص ۲۵۱

ایک بار ایک اور قلندر آیا، اس نے بابا صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ تم نے اپنے کو بت بنا لیا ہے، تاکہ لوگ تمھاری پرستش کریں، بابا صاحب نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے، خدا نے مجھکو بنایا ہے، کوئی اپنے کو نہیں بنا سکتا ہے، بنانے والا خدا ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے، قلندر نے یہ سنا تو کہا کہ "آفرین بر تحمل شما باد" (جواہر فریدی ورق ۲۴۰)

تواضع وخاکساری | ایک بار بابا صاحب کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے مریدوں کی مجلس میں چارپائی (کھاٹ) پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پر پاکر مریدوں سے معذرت کی اور اپنی تکلیف بتائی، حاضرین نے دعا کی اور کہا کہ

"حیات شما می باید، وحیات ما متعلق حیات شما است"

یعنی آپ کی صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے، حضرت خواجہ نظام الدین نے اسی وقت یہ بیت پڑھی،

جان جہاناں تو نئی دشمن جاں بودئے	اے ہمہ دشمنان تو دشمن جانِ خویشتن[1]

حاجت مندوں کے لئے ان کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا (خیر المجالس ص ۲۳۶) ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے، گھر میں جوار کے سوا اور کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے،

خدمت خلق اللہ | عبادت وریاضت کے بعد صرف خلق اللہ کی خدمت ہی کی فکر زیادہ رکھتے، کوئی بیمار ہوتا تو اس کے لئے دعا فرماتے، زن وشو ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے تو دونوں کو اپنی کوشش سے پھر ملا دیتے، کوئی سرکاری عہدہ دار ظلم کرتا تو

---

[1] راحت القلوب ص ۷۵ [2] فوائد الفواد ص ۲۵۱

اس کو ظلم کرنے سے منع کرتے، بے قصوروں کو سزا سے بچاتے، کوئی فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا تو اس کو صحیح راستہ پر لگاتے، اس کے اخلاق کو درست کرنے کی کوشش کرتے، اصلاح کا طریقہ یہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ افراد کو اپنے پاس بلاتے، اور اپنی نگاہ مردم شناس سے اس کی ماہیت قلب کرتے، (جواہر فریدی ورق ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۸، ۲۵۱)

ازدواجی زندگی | خیر المجالس (ص ۹۰) میں ہے کہ بابا صاحب کی دو اہلیائیں تھیں،

"خدمت شیخ را دو حرم بود یا سہ حرم"

بعض تذکروں میں ہے کہ بابا صاحب کے نکاح میں الغ خاں (سلطان غیاث الدین بلبن) کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھیں، جواہر فریدی میں اس نکاح کی پوری تفصیل درج ہے، بابا صاحب نے نکاح کے بعد زوجۂ محترمہ سے فرمایا،

"لباس دنیاوی را دور کن و فقر را معمور کن"

شہزادی نے اسی پر عمل کیا، چنانچہ جہیز میں جتنا شاہانہ سامان لباس اور زیورات ملے وہ سب فقراء و مساکین میں تقسیم کر دئے گئے، صرف دو کنیزیں سارہ اور شکرہ رکھ لی گئیں، یہ روایت موجودہ دور کے بعض مورخوں کے نزدیک مشکوک سمجھی جاتی ہے، لیکن الغ خاں کی ایک لڑکی سلطان ناصر الدین محمود کی ملکہ بن کر بھی جب عسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہی تھی، تو کیا عجب کہ الغ خاں نے درویشوں کے سلطان بابا صاحب کے حبالۂ عقد میں اپنی ایک لڑکی دیکر اس کو بھی فقر و فاقہ کی زندگی کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آمادہ کر لیا ہو[1]

جواہر فریدی ہی میں ہے کہ بابا صاحب نے ایک بیوہ بی بی کلثوم سے بھی نکاح

---

[1] مزید تفصیل کیلئے دیکھو جواہر فریدی قلمی نسخہ، خزینۃ الاصفیا ج اول ص۲۹۰، دربار ملی از مولوی ... ص ۱۸۲

کر لیا تھا جن کے ان کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے نصر اللہ تھے، سیر الاولیا
میں بابا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں کے حسب ذیل نام دیئے ہوئے ہیں،

(۱) خواجہ نصیر الدین نصر اللہ (۲) خواجہ شہاب الدین (۳) شیخ بدر الدین سلیمان، (۴) شیخ نظام الدین، (۵) شیخ یعقوب (۶) بی بی مستورہ (۷) بی بی شریفہ (۸) بی بی فاطمہ[۱] جواہر فریدی میں خواجہ نصیر الدین کا نام نہیں، جن سے مراد نصر اللہ ہی ہیں، سیر الاولیا میں خواجہ نصیر الدین نصر اللہ کو سب سے بڑے صاحبزادے، جواہر فریدی میں یہ بی بی کلثوم کے پہلے شوہر کے لڑکے بتائے گئے ہیں، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی کلثوم سے پہلے نکاح ہوا، اور اس کے بعد بی بی ہزبرہ سے ہوا، بی بی ہزبرہ سے تمام اولادیں ہوئیں، جواہر فریدی میں ایک صاحبزادہ کا نام شیخ عبداللہ بھی بتایا گیا ہے، جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے[۲]

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ بی بی ہزبرہ الغ خاں کی صاحبزادی تھیں تو ان سے نکاح کے بعد بابا صاحب نے الغ خاں کی بادشاہت سے پہلے اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں بھی اس سے اپنی شان استغنا اور بے نیازی قائم رکھی، (بزم صوفیہ ص ۱۴۷)

تخت نشین ہونے سے پہلے بلبن نے بابا گنج شکر سے ایک بار درخواست کی، کہ ناصر الدین محمود کے کوئی اولاد نرینہ نہیں، اسلئے آپ دعا فرمائیں کہ دہلی کی بادشاہت اسی کی قسمت میں لکھی ہو، بابا گنج شکر نے اس کے جواب میں صرف یہ رباعی پڑھی،

فریدون فرخ فرشتہ نبود	زعود و زعنبر سرشتہ نبود
بداد و دہش یافتہ نیکوئی	داد و دہش کن فریدوں توئی[۳]

---

[۱] سیر الاولیا، ص ۱۹۰-۱۹۱، [۲] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۰۱، [۳] سیر الاولیا ص ۸۰ و مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین۔

بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک بار کسی نے بابا گنج شکرؒ سے اس کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی، تو سفارش نامہ اس طرح لکھا،

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیدیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے، تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے"[۱]

ارباب دول سے کنارہ کشی | اس استغنار کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے متوسلین کو بھی ارباب حکومت اور اصحاب ثروت سے دور رہنے، اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے، شیخ بدر الدین غزنوی حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے خلفار میں تھے، دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لئے ایک خانقاہ بنوادی تھی، اور ان کی راحت کے لئے ہر قسم کا سامان بہیا کیا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد شاہی حکام نے ملک نظام الدین کو زرکثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ کرلیا، جس سے شیخ بدر الدین کی راحت میں خلل واقع ہوا، انھوں نے حضرت شیخ فریدالدینؒ کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کیا کہ شاہی عہدہ داروں میں میرا ایک معتقد ہے، اس نے میرے واسطے خانقاہ بنوائی تھی، اور فقیروں کی خاطر عمدہ طریقے سے کرتا تھا، مگر اب غبن کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا ہے، میری طبیعت پریشان ہے، مودبانہ التماس ہے کہ آپ دعا سے مدد فرمائیں، کہ اس کی رہائی ہو، اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے، حضرت بابا گنج شکرؒ نے اس رقعہ کو پڑھا، تو سرہلایا، اور جواب میں تحریر فرمایا،

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۵،

"عزیز الوجود کا رقعہ پہنچا، اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی، اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے آگاہی ہوئی، جو کوئی، اپنی روش پر چلے گا، وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتہ ہوگا، جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیران پاک کے معتقدوں میں ہیں، پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے، حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور آپ کے پیر بے نظیر خواجہ معین الدینؒ کی روش اور عادت تو یہ نہیں رہی، کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دوکانداری کریں، ان کا شیوہ تو گمنامی اور بے نشانی کا رہا،[1]

اگر کسی بادشاہی ملازم سے کوئی واسطہ رکھتے تو اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے، اجودھن کے ایک عامل منشی پر اس جگہ کا والی مہربان نہ تھا، اور اس کو ایذا پہنچاتا تھا، عامل نے باباؒ گنج شکر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کیا، کہ والی مجھ کو تنگ کرتا ہے، آپ میری اس سے سفارش کر دیں، بابا صاحب نے اس کی التجا سنکر اپنے خادم کو والی کے پاس بھیجا، کہ فرید پر احسان کرو، اور عامل کو ایذا نہ پہنچاؤ، لیکن والی کی عداوت پہلے سے بھی بڑھ گئی، عامل پھر بابا صاحب کی خدمت میں آیا، اور عرض کی کہ وہ ظالم تو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے بابا صاحب نے فرمایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح میں نے تمھاری سفارش اس والی سے کی، اور اس نے نہ سنی، اسی طرح تم سے بھی کسی شخص نے کسی مظلوم کی سفارش کی ہوگی، اور تم نے نہ سنی ہوگی، یہ سن کر عامل متاثر ہوا، اور فوراً توبہ کی، اور عہد کیا کہ اب کسی شخص کی سفارش سے روگردانی نہ کروں گا، اور نہ کسی مظلوم کو ایذا دونگا،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵، اردو ترجمہ ۸۵، جواہر فریدی ورق ۲۷۰،

تھوڑے دنوں کے بعد وہ والی عامل سے خوش ہو گیا، اور انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑے دیئے، پھر کچھ روز کے بعد وہ بھی (یعنی والی) بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ظلم کرنے سے توبہ کی"

فیوض و برکات | حضرت گنج شکر کے رشد و ہدایت سے جو فیوض جاری ہوئے اُن سے سلطان غیاث الدین بلبن بھی متاثر ہوا، بلبن کا عہد صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہو گئے تھے کہ مورخوں نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے، حضرت بابا گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ صدر الدینؒ، شیخ بدر الدینؒ غزنوی، اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہو گیا تھا بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ،

"قضاۃ و حکام متقی ہندین نصب فرمائی تاکہ رواج دین و رونق عدل میان علائق پذیر آید" (فرشتہ ج ۱ ص ۸۲)

وصال | گذشتہ اوراق میں ذکر آیا ہے کہ سیر الاولیاء، اخبار الاخیار، جواہر فریدی اور سفینۃ الاولیاء میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے، اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے، وفات سے کچھ روز پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی مندرجہ ذیل مثنوی سنائی،

جہاں چیست مجموعہ رز نیرنگ او | دل از بجنگ آرد از جنگ او
سقیمے نہ بینی درین باغ کس | تماشا کند ہر یکے ہر نفس
درین چار سو ہیچ بیگانہ نیست | کہ کیسہ بر مرد خود کامہ نیست

---

(۱) سیر العارفین ص ۳۰-۳۱،

درد ہر دمے از نوبتے می رسد	یکے می رود دیگرے می رسد
جہاں گرچہ آرامگاہے خوش است	شتابندہ را نعل در آتش است
دو در دارد ایں باغِ آراستہ	در بند ایں ہر دو بر خاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام	ز دیگر درے باغ بیروں خرام
اگر زیر کی با گلے خو مگیر	کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
دریں دم کہ داری بشادی بسیچ	کہ آیندہ در زیر بحیت و پیچ
یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز	دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی رسک باش یاراں شدند	تو ماندی و غم غمگساراں شدند

اس مثنوی سے متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو شمس دبیر کو پیراہن خاص عطا فرمایا اور تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف ہو گئے، اس کے بعد سے وصال تک کسی اور سے مخاطب نہیں ہوئے۔ صرف عبادت میں مشغول رہتے، پانچویں محرم کی رات کو بابا صاحب پر مرض کا غلبہ ہوا، عشا کی نماز جماعت سے پڑھی، اور بیہوش ہو گئے، ایک گھنٹہ کے بعد ہوش میں آئے، تو فرمایا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے حاضرین نے عرض کیا، حضرت ہاں، لیکن پھر فرمایا، ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ پڑھی، اور فرمایا یا حی یا قیوم اور جان بحق تسلیم کی (راحت القلوب ص ۴۰) تکفین کے وقت گھر میں بڑی بے سر و سامانی تھی، کفن کے اوپر چادر ڈالنے کے لئے نہ تھی تو سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے اپنی سفید چادر نذر کی

سیر الاولیاء ص ۸۰ - ۹۹،

مزارِ اقدس اجودھن میں ہے، جو اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے،

شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے اس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا،

تذکرہ نگاروں نے ان کو زبدۂ اتقیای ابرار، شیر بیشۂ تقدیس ربانی، محرم اسرار مشیت ایزدی، ہمدم نواز قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے،

اشاعت اسلام حضرت بابا صاحب کے رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے، بلکہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد بھی مشرف بہ اسلام ہوئی، اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک جوگی مسی بھوناتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوا، جو جادو منتر اور استدراج میں مشہور تھا، بابا صاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی ہیبت اس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا، پھر حضرت بابا صاحب کے کشف و کرامت سے ایسا متاثر ہوا کہ قدموں پر گر پڑا، اور اپنے چیلوں کے ساتھ بابا صاحب کے ہاتھ پر ایمان لایا[1] کہا جاتا ہے کہ پاک پٹن کے اطراف میں زیادہ تر جو نومسلم قومیں ہیں، وہ حضرت بابا صاحب ہی کی برکت سے مسلمان ہوئی ہیں، جواہر فریدی میں ہے کہ پنجاب میں مرہنگو تیان، بھٹیان، ادہکان، جکرو تیان، بکان، ہکان، سیان، کھوکھران، سیال وغیرہ حضرت بابا ہی کی برکت سے مسلمان ہوئیں (ورق ۳۴۳)

تصنیفات حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں ان کے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، راحت القلوب اور اسرار الاولیاء، راحت القلوب کو خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور اسرار الاولیا کو حضرت بدر اسحٰقؒ نے مرتب کیا ہے، دونوں بزرگ بابا گنج شکر کے خلیفہ تھے،

---

[1] راحت القلوب ص ۲۸،

تعلیمات | راحت القلوب میں راہ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو انیس الارواح دلیل العارفین، اور فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں، مگر اس میں ملفوظات نسبتہً زیادہ ہیں، اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورۂ بالا ملفوظات میں نہیں ہیں،

درویش | شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے،

درویش کو چاہئے کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کرلے، کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے، (۲) کانوں کو بہرا کرلے، کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن سکے، (۳) زبان کو گونگی کرلے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں، ان کو نہ کہے، (۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے، کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو نہ جاسکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہو گئیں تو وہ درویش ہے، ورنہ وہ دروغ گو ہے،

جو درویش اس دنیائے دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور اہل دنیا کے لطف و کرم کا خواہاں ہو وہ درویش نہیں ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے،

جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردود طریقت ہے درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن

پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لئے بد دعا نہ کرے،

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے، (۱) دنیا کا جاننا، اور اس سے ہاتھ اٹھالینا (۲) مولانا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا، (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

صلاحیت دل حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت اسکے دل میں قرار پا سکتی ہے جسکے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو، اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو،

سماع حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحتِ دل قرار دیا ہے، کہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے، اور حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی میں وہ ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزاروں تلواریں چلیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزیں معرفت کے اسباب بنتی ہیں،

معرفت معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے، کہ اگر اس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں، تو ان کی طرف کنکھیوں سے بھی نہ دیکھے، اور اگر اس کو آنے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے،

کرامت | کرامت کے متعلق فرمایا کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والوں کا کام ہے، مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہیں کیا ہے، کیونکہ اس سے نفس میں تکبر پیدا ہوتا ہے[۵]۔

اسرار الاولیاء میں بائیس ۲۲ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہیں، جس سے اس موضوع کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے

عشق الٰہی | شروع میں عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے، (ص ۴)

آں عشق کہ بود کم نگردد | تا باشد ازاں قدم نگردد (نظامی)
عشقے کہ نہ عشق جاودان است | بازیچۂ شہوت جوان است (ص ۴)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

سریست مرا درون جاں در عشقت | گر سر رود اے دوست نگویم با کس
سریست عاشقاں را در طاقت نہانی | پوشیدہ دار خود را تا آنجا تجلی نمائی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے (ص ۵)

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنی ذات سے بالکل متحد ہو جاتا ہے، (ص ۶)

عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے، جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہوتا ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں، اور

---

۵ راحت القلوب ص ۳۳،

[redacted]

عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہاں وہ صرف عالم تحیر میں رہتا ہے، (اسرار الاولیاء ص ۴۹)
راہ عشق میں محبت کے سات سو مقامات ہیں، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (ص ۵۱) اس راہ میں محبت کا کوئی نہایت نہیں (ص ۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضا کے ساتھ محبت معشوق میں مستغرق رہتا ہے، اور اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھ پاؤں کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے اور اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت میں وہی صادق ہے، جو ہر لمحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے، (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادت الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادت الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرار الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے،

رزق | ایک جگہ فرمایا راہ سلوک میں بندۂ صادق وہ ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو، اور اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمیں ہیں:-

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود،

رزق مقسوم وہ رزق ہے جو روز ازل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی، رزق مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک وہ رزق ہے، جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موعود وہ رزق ہے، جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے

وعدہ کیا ہے، اور اس کا ملنا ضروری ہے[۱]،

راہ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اگر وہ رزق کے لئے اندوہگیں رہتا ہے، تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہ خدا میں دیدے، اگر رزق جمع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہوجاتا ہے،

توکل | آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکر نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے، جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف رجاء اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجاء سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے،

راہ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، بابا گنج شکر نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں،

(۱) توبہ دل، حسد، ریا، لہو ولعب اور تمام نفسانی لذتوں اور شہوت سے صدق دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے،

(۲) توبہ زبان، ناشایستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے، جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کرلی ہو۔ زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوار عشق کی

---

[۱] اسرار الاولیاء، ص ۷۰، [۲] ایضاً ص ۷۱،

تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں،

(۳) توبۂ چشم (حرام چیز کو نہ دیکھنا) (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا، (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کرچکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہئے،

(۴) توبۂ گوش، ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

(۵) توبۂ دست، ناروا اور ناجائز چیزوں کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶) توبۂ پا، حرام چیزوں کی طرف نہ جانا،

(۷) توبۂ نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین قسمیں اور کی ہیں۔

(۱) توبۂ حال (۲) توبۂ ماضی (۳) توبۂ مستقبل، حال کا توبہ گناہوں سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنوں کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم بھی غصب کرلیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اس نے کسی کو برا کہا ہو تو اس کے پاس جاکر معافی مانگے، اور اگر وہ مرگیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو، تو توبہ کے بعد خدا کے بندوں کو سرد اور لطیف پانی پلائے،

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آیندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے

تلاوت کلام پاک: حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلوں میں مرشد اور پیر کی خدمت اور

تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیروں کی خدمت سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہیں، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہوسکتی

خرقہ | حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیا کا لباس بتایا ہے، اسلئے اس کی تعظیم و تکریم پر بڑا زور دیا ہے،

خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونوں عالم سے قطع تعلق کرلے، اس کے دل میں دنیا کی کوئی آلایش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، اور اگر اس لباس کو اہلِ دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بتاتا ہے، تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے، (ص ۷۔۴)

صوفی | اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے، بابا گنج شکر نے فرمایا کہ

صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے،

تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے،

اہلِ تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں،

اہلِ تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی،

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھیں،

تصوف ایک اخلاق ہے، اس لئے حضرت گنج شکرؒ نے ارباب تصوف کو اخلاقی ہدایتیں بھی دی ہیں، مثلاً

صوفی دنیا اور دنیا کے لوگوں سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال میں وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہیں کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت، اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے (ص ۹۲)

محبت مرشد | صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہئے، (۹۰) پیر کے تمام احکام کو دل وجان سے بجا لانا فرض ہے (ص ۹۱) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا پھرے، تو بھی پیر کے حقوق کی ادائگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتا، (ص ۹۱) وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھوں کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، (فصل شانزدہم)

حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علما اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم)

ذکر حق | صوفی کی زندگی ذکر حق میں مشغول ہونا ہے، وہ جب تک ذکر حق میں مستغرق ہو کر بیہوش رہتا ہے، تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش میں آکر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے تو مردہ ہو جاتا ہے، (فصل ہفدہم)

اظہار کشف | حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے، لیکن وہ راہ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرنے

تو اس کے اظہار میں کوئی ہرج بھی نہیں۔

تکلیف و مصیبت آخر میں فرمایا ہے کہ راہ سلوک میں سالک پر جس قدر رنج، تکلیف مصیبت نازل ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، جناب حضرت خواجہ معین الدینؒ تکلیف میں اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے، اور اپنے ایمان کی صحت اسی میں سمجھتے تھے (ص ۹۳)

علم شریعت ایک بار حضرت نظام الدینؒ اور بار خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھ کر ایک شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے، وہاں ایک مجذوب نے کہا کہ مولانا نظام الدین علم بہت بڑا حجاب ہے۔ حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں یہ بات کھٹکی کہ علم حجاب تو ہو سکتا ہے، لیکن بڑا حجاب کیونکر ہو سکتا ہے، مجذوب نے کہا کہ جب اس جگہ پہنچو گے تو یہ معلوم ہو جائیگا، اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے، اور مجذوب کی باتیں کہہ سنائیں، شیخ الاسلام حضرت فرید الدینؒ نے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظلمانی، دوسرا نورانی، گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں، جو شخص ان سے توبہ کریگا، اس کا گناہ معاف کر دیا جائیگا، لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے، جس کو ہر شخص نہ عبور کر سکتا ہے، اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے، جس وقت تک شرعی علوم میں بھی دستگاہ نہیں ہوگی، خدا کی محبت، معرفت اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے علم ایک بڑا حجاب ہو جاتا ہے[1]،

شریعت کی پابندی حضرت بابا گنج شکر کے ملفوظات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے شرعی امور کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ یہ عاجز راقم اپنی کج مج بیانی کی بنا پر ان کو

---

[1] شمائل الاتقیاء ص ۴۰۰،

سمٹ کر لکھنے سے قاصر ہے، خود حضرت بابا صاحب نے کسی حال میں جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرمایا، عالمِ سکر میں ہوتے تو نماز کے وقت عالمِ صحو میں آجاتے، نماز کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ دین و دنیا کی نعمت جو اٹھارہ ہزار عالم میں پیدا کی ہے، وہ دراصل نماز ہے[1] نماز باجماعت کی بڑی پابندی کرتے، اور اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کرلینی چاہیے[2]، روزے کی برکت کے لئے تمام عمر روزے رکھے، مریدوں اور معتقدوں کو ایک بار مخاطب کرکے فرمایا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے اور روزہ دار کے نامۂ اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دیجاتی ہیں[3]، زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب دو سو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ نکالے، لیکن طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں پانچ درہم تو اپنے لئے رکھے اور ایک سو پچانوے راہ خدا میں دیدے، اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں ایک حبہ بھی اپنے لئے نہ رکھے[4]

ایک موقع پر اپنے مریدوں کو ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے، اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو اللہ اس کے مال سے برکت اٹھا لیتا ہے دوم جو شخص قربانی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتا ہے، سوم جو شخص نماز نہیں پڑھتا، اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے[5]،

---

[1] شمائل الاتقیا ص ۱، [2] راحت القلوب مجلس پانزدہم [3] راحت القلوب ص ۲۷ و [4] ایضاً ص ۳ [5] ایضاً ص ۴

کئی بار حج کی بھی سعادت حاصل کی،

محبت رسول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے، ایک بار آپؐ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا، اور جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی، نعرہ مارا، اور روتے روتے بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو فرمایا جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب اسی کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا، تو اور دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حیثیت ہے، جو زندگی کی خواہش کریں، ہم اپنے کو جانے والوں ہی میں شمار کریں، غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں، اور زاد راہ کی فکر میں لگے رہیں[۱]،

خلفاء | سیر الاقطاب میں جن خلفاء کے نام دیئے ہوئے ہیں، اُن میں سے کچھ یہ ہیں، شیخ علاء الدین علی احمد صابر، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ زین الدین دمشقی، شیخ علی شکر ریز، شیخ محمد سراج، شیخ عارف سیوستانی، مولانا داؤد پایلی۔

ان خلفاء سے تین سلسلے جاری ہوئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نظامیہ، حضرت شیخ علاء الدین صابر سے صابریہ، اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے جمالیہ، لیکن کچھ دنوں کے بعد جمالیہ سلسلہ نظامیہ میں مدغم ہو گیا، تذکرہ نویس یہ بھی لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے داماد مولانا بدر الدین اسحٰق، صاحبزادوں میں شیخ یعقوب، شیخ نظام الدین، شیخ بدر الدین سلیمان اور شیخ شہاب الدین اور اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو بھی خلافت عطا کی[۲]،

---

[۱] راحت القلوب ص ۶۸ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۷۶-۱۷۷، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۰۳،

حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ

نام و نسب پورا نام شیخ فخرالدین ابراہیم ہے، تاریخ گزیدہ میں سلسلہ نسب یہ ہے، فخرالدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبدالغفار الجوالقی[1] مگر تذکرۂ دولت شاہ[2]، مرأۃ الخیال[3]، سیر العارفین[4] مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات[5] کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ

"شیخ فخرالدین محمد شہریار بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے[6]"

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا بھانجا بتایا جاتا ہے[7] ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (یا کونجان) میں پیدا ہوئے، صغرسنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے[8]

ابتدائی حالات سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے، اور شیخ شہاب الدین

---

[1] تاریخ گزیدہ ص [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۵ [3] مرأۃ الخیال ص ۴۴ [4] سیر العارفین جلد اول [5] برٹش میوزیم فارسی مخطوطات ص ۵۹۴ [6] سیر العارفین ص ۱۰ [7] مرأۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [8] میخانۂ عبد النبی ص ۲۸ مرتبہ جناب محمد شفیع صاحب ایم اے [9] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، ایک روایت ہے کہ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کیا، اور اس وقت ان کی عمر پانچ سال نو مہینے کی تھی،

سہروردی کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کے پاس رہ کر برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا، اور ہندوستان جانے کا حکم دیا، یہاں پہنچ کر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں ملتان آئے، اور ان کے فیض صحبت سے روحانی اور باطنی دولت سے مالا مال ہوئے، ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہو کر ہمدان کے مدرسہ میں درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، اور مندرجۂ ذیل غزل پڑھنے لگی،

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم — خط بر ورقِ زہد و کرامات کشیدیم
در کوے مغاں در صفِ عشاق نشستیم — جام از کفِ رندانِ خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیٔ — کاس تعب از زہد مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخر الدین ابراہیم بے تاب ہو گئے، اور ان پر ایک وجد طاری ہو گیا، قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اسکے حسن فانی کو دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار پھینکا، اور اسی وقت فرمایا،

چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی — ندیم و مونس و یارم تو باشی

اور پھر قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خانقاہ میں قیام کیا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی نظر ان پر پڑی تو انکو صورت آشنا پایا، اور اپنے مقرب خاص شیخ عماد الدین سے فرمایا،۔

"دریں جہان استعداد تمام یافتم او را ایں جا باید بودن"

شیخ فخرالدین عراقی نے بھی حضرت شیخ بہاءالدین زکریاؒ کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ

"بر مثال مقناطیس کہ آہن را کشد شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد

ازیں جا زودتر می باید رفت"

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے، اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی، آندھی میں قلندر ایک دوسرے علیحدہ ہو گئے، شیخ فخرالدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر اِدھر اُدھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کا تہیہ کیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے دیکھتے ہی فرمایا۔

"عراقی از ما بگریختی"

شیخ فخرالدین نے جواب میں کہا۔

از تو بگریزد دلِ من یک زماں | کالبد را کے بود از جاں گریز
دایۂ لطف مرا در برگرفت | داد شیر از مادرِ صد گونہ شیر[1]

کیفیت دستی | حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ان کو اپنی خلوت میں لے گئے جہاں وہ دس روز تک چلہ میں بیٹھے، گیارھویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، وہ روتے تھے، اور یہ غزل پڑھتے تھے،

نخستیں بادہ کاندر جام کردند | ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند[2]

---

[1] میخانہ عبدالنبی ص ۴۱ [2] مخزن الغرائب، خوباں،

چو بے خود خواستند اہل طرب را | شراب بے خودی در کام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق | ز زلف فتنہ جویانش[1] دام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود[2] | بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند[3] راز خویشتن فاش | عراقی را چرا بدنام کردند[4]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدوں نے چلہ میں شیخ فخر الدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا، تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزوں کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہیں، مرشد نے فرمایا کہ

"شمارا ازیں چیزہا منع است او را منع نیست"[5]

اس کے کچھ دنوں کے بعد شیخ عماد الدین شہر میں نکلے، ایک خرابات سے گذر رہے تھے کہ رندوں کو مندرجہ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے سنا شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کو یہ واقعہ سنایا، مرشد نے یہ سن کر شیخ فخر الدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ

"کار او تمام شد"

اور پھر شیخ فخر الدین عراقی کے پاس خلوت میں پہنچکر ارشاد فرمایا:۔

---

۱ مخزن الغرائب، خوباں، ز زلف قید خوباں دام کردند، ۲ ایضاً رنج و بلا ایست ۳ ایضاً ستر ۴ یہ پوری غزل تذکرہ دولت شاہ ص۲۱۶ سے نقل کی گئی ہے، دولت شاہ اور مخزن الغرائب کے مولف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین نے یہ غزل اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے فراق اور اپنی غربت وطن پر کہی تھی جس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے ان کو عراق واپس جانے کی اجازت دیدی، مگر میخانہ مولفہ عبد النبی میں شیخ فخر الدین عراقی کے جو تفصیلی حالات درج ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ۵ مراۃ الخیال ص۱۴۴،

"عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی"

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدموں پر سر رکھدیا، اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے رہے، مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھایا، اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے،

در کوے خرابات کسے را کہ نیاز است　　　ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا، اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو اُن کے حبالۂ نکاح میں دیدیا۔ شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے، اسی اثنار میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیرالدین کی پیدائش ہوئی،

خلافت | حضرت شیخ بہار الدین زکریا نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخرالدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخرالدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی، وہ مغلوب الحال ہوکر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو حضرت شیخ بہار الدین زکریا کے اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، شیخ فخرالدین نے یہ محسوس کیا تو اس منصب سے علیحدہ ہوکر عدن کی طرف روانہ ہوگئے،

عدن میں پذیرائی | عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے، تو علما، وصلحا کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا، اور ہر قسم کی خاطر تواضع کی، حج کا موسم آیا تو حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، سلطان انکا اس قدر گرویدہ ہوگیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی، لیکن وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے

اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علیٰحدگی سے بیتاب ہوکر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا، اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کردیا جائے۔

حج | حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انھوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا، جس کا مطلع یہ تھا،

لے جلالت فرش عزت جاوداں انداختہ　　گوے در میدانِ وحدت کامراں انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہوکر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں،

تعالیٰ من توحد بالکمال　　تقدس من تفرد بالجلال

حبذا صفوۂ بہشت مثال　　کہ بود آسمانش صفت نعال

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے، ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:۔

(۱)

عاشقاں چوں بر در دل حلقۂ سوداز دند　　آتش سودے جاناں در دلِ شیدا زدند

(۲)

شہبازم وچو صید جہاں نیست درخورم　　تاگہ بود کہ از کفِ ایام برپرم

(۳)

اے رخت مجمع جمال شدہ　　مطلع نور ذوالجلال شدہ

(۴)

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر		اے سعادت رخ نمای و اے عنایت دستگیر

(۵)

دل ترا دوست تر ز جاں دارد		جاں ز بہر تو در میاں دارد[1]

سیاحت اقصائے روم | مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے، تو اقصائے روم کی سیاحت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، تو نیہ پہنچکر وہاں حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدر الدینؒ کی خدمت میں پہنچے ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی پیدا ہوئی، تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے، اور حضرت شیخ صدر الدینؒ کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا، جس کے بعد اپنی مشہور کتاب **لمعات** تصنیف کی، حضرت شیخ صدر الدین نے اس کو پڑھ کر فرمایا:-

"اے فخر الدین عراقی سر سخن مردان آشکارا کردی"[2]

چنانچہ یہ کتاب ارباب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی۔ ملا نور الدین عبد الرحمن جامی نے اشعۃ اللمعات[3] اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات[4] کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ صدر خاوری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے، اور لمعات کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے،

چہ در سنبل چہ در آہوئے تاتار		نسیمش نافہ مشک او دبار[د؟]

اور خود سیر العارفین کے مولف نے لمعات کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے،

---

[1] یہ تمام تفصیلات میخانہ مولفہ عبد النبی ص ۲۰۳-۳ سے لی گئی ہیں، [2] میخانہ ص ۲۰۵ [3] برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۵۹۵ [4] ایضاً ص ۱۲۸،

"ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے جو دریائے معرفت شیخ بہاءالدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز سے فخرالدین کی زبان پر ٹپکا"[1]

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس[2] فصلیں ہیں، میخانہ کے مولف کا خیال ہے کہ

"لمعات بحقیقت لُب فصوص است"[3]

یہاں کے قیام کے زمانہ میں امیر معین الدین حضرت شیخ فخر الدین عراقی کا بیحد معتقد ہوگیا تھا، اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کرکے اپنے لئے خانقاہ بنا لیں پہلے تو انھوں نے اس کو پسند نہ کیا، لیکن پھر توقات میں خانقاہ بنوالی ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، مگر انھوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہوکر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہیں اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہیں، شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ

"اے امیر ما را بہ زر می تواں فریفت"

طبیعت میں وارفتگی تھی، اور اس وارفتگی کے عالم میں بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال ارباب ظاہر کے لئے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے، ایک روز امیر معین الدین انکی قیام گاہ پر آیا، تو ان کو وہاں نہ پایا، ان کی تلاش میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے میں رسی ڈال کر ان کو ادھر ادھر دوڑا رہے ہیں، بعض لوگوں نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا، لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی، اور شیخ کی معیت میں ان کی قیام گاہ پر واپس آیا، اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیامگاہ

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۹، [3] میخانہ ص ۳۷،

سے باہر گئے تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن میں مقیم ہیں، امیر معین الدین اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچا تو شیخ کی عجب کیفیت دیکھی وہ برہنہ پا اور برہنہ سر برف کے تودوں پر رقص کر رہے تھے، ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا، اور اسی جذب کے عالم میں اشعار کہتے جاتے تھے، جن میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

در جام جہاں نمائے اوّل شد نقش ہمہ جہاں ممثل

بڑی مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لئے رضامند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے برے دن آگئے ارباب سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے جانے لگا، تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گذارش کی کہ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، مجھ پر اس وقت سخت مصیبت ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں، اس کو اپنا کر کے اپنے پاس رکھیں، اور مجھ کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے سے جدا نہ کریں اس کو اپنا پرانا خرقہ بھی پہنا دیں، اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے، امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کا بوسہ دیکر وہ رخصت ہو گیا، اور شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا، امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد[1]

---

[1] ہلاکو کے زمانہ سے ارغوں کی تخت نشینی (۶۸۳ھ) تک ایلخانیوں کے دیوانی معاملات کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد تھی، دیکھو حواشی بیخانہ ص ۵،

کی گئی، اس کی معیت میں مولانا امین الدین بھی تشریف لائے، تو قات پہونچ کر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے، دونوں بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ملے، اور جب سیر وسلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا کافی حصہ گذر گیا، پھر بھی دونوں کی تشنگی باقی رہی، یہانتک کہ تین دن گذر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے تو ندیم خواجہ کرنے تین دن کی مفارقت کی شکایت کر کے اپنے ملال کا اظہار کیا، مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کر کے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت میں تھا، اور ان سے ایسی باتیں سنیں جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھیں، انکی صحبت میں بیس سال رہتا، یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا، تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا، مولانا امین الدین کی اس عقیدتمندی کو سنکر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا، اور ان کو لانے کے لئے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا، شیخ فخر الدین عراقی جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لئے گیا، شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کہا، ان ھی الا فتنتک یعنی مجھ کو یہاں بلا بھیجنے میں تمہارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا، اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو شیخ کی گفتگو میں اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھوں سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے،

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدوں نے ارباب حکومت سے مخبری کی کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، نگران کی گرفتاری سے پہلے

لے بجانہ کے مولف نے مولانا کیلئے یہ القاب استعمال کئے ہیں، سلطان المحققین، امین الحق والدین عامی لت فدی اذہا

خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہیں اور منتقل ہو جائیں، چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت لے کر دو آدمیوں کے ساتھ یثرب کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں سے مصر پہنچے، یہاں خانقاہ صالحیہ میں قیام کر کے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیریں کیں، مگر کوئی صورت کارگر نہیں ہوئی، تو سلطان مصر کے دربار کے دروازہ پر پہنچے، حاجبوں نے پہلے روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دیدی، سلطان کو دیکھ کر سلام کیا، اور امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہوگئے، سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا، اور جواہرات کی گٹھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ اس میں کیا ہے، حضرت شیخ فخر الدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے، سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا، اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا، مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخر الدین عراقی نے ساری باتیں بتائیں، سلطان کو تعجب ہوا کہ انھوں نے جواہرات کو میرے سامنے لاکر تحفہ کے طور پر حاضر کر دیا ہے، اور اپنے لئے ان کو پسند نہیں کیا، شیخ کو نور باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہو گیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلا کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہو کر اپنی مسند سے نیچے اتر آیا، اور شیخ کے سامنے مودب ہو کر بیٹھ گیا، اور اور ان کی باتیں سنتا رہا، اور ہر بات پر روتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سلطان اس روز اتنا رویا کہ تمام عمر نہ رویا تھا، (میخانہ ص ۳۴۴)

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا، اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، غایت عقیدت میں اس نے

حضرت شیخ فخرالدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ و علماء اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا، اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخرالدین عراقی کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا، اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا، جس میں صرف شیخ فخرالدین عراقی گھوڑے پر سوار تھے، اور باقی تمام صوفیہ، علماء، اور امراء ان کے رکاب میں پا پیادہ تھے، شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھوں نے اپنے نفس کا استیلاء اور غلبہ محسوس کیا، اس لئے اضطراراً طیلسان اور دستار اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لی، کچھ دیر کھڑے رہ کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ کر ہنسے، اور آپس میں کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ آدمی شیخ الشیوخ کے منصب کے لئے کیونکر موزوں ہو سکتا ہے۔ وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لما فعلت ھذا۔ (اے شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا) شیخ نے جواب دیا، وانت ما تعرف الحال (آپ کو حال سے واقفیت نہیں) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا، شیخ نے جواب دیا کہ

"نفس من برمن مستولی شدہ بود، اگر چنیں نہ کردمے خلاص نیافتمے، بلکہ در عقوبت بماندمے"

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا اور شیخ کے وظیفہ میں مزید اضافہ کر دیا، مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی وہ بازاروں، سڑکوں اور گلیوں میں بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے، اور اس بے تکلفی میں ان سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو جاتیں جو درویشی اور مشیخت کے لئے ناموزوں ہوتیں، پھر بھی ان سے لوگوں کی عقیدت مندی قائم رہی، سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ

وہ اس کے پاس جس وقت بھی تشریف لانا چاہیں، ان کی مزاحمت نہ کی جائے، چنانچہ اگر وہ حرم یا خوابگاہ میں بھی ہوتا تو بھی فوراً قدمبوسی کے لئے حاضر ہو جاتا، کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی، تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا، سلطان نے روکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لئے لکھا، چنانچہ اس نے تمام علما و مشایخ کے ساتھ ان کا پر جوش خیر مقدم کیا، (دیباچہ ص ۴۹)

<u>وفات</u> یہاں ان کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے، صاحبزادے کے آنے کے کچھ دنوں کے بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا جس سے وہ پانچ روز تک نہ سو سکے، اور یہی عارضہ ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوا، موت کے وقت شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا، اور یہ آیت پڑھی،

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ	جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی
وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ	ماں سے اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اپنی
امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ	اولاد سے بھاگے گا ان میں ہر شخص کو ایسا
يُغْنِيهِ (عبس)	مشغلہ ہوگا جو اسکو اور طرف متوجہ نہونے دیگا،

پھر یہ رباعی کہی،

در سابقہ چوں قرار عالم دادند   مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زاں قاعدہ و قرار کاں روز افتاد[1]   نہ بیش بکس داد عدہ و نہ کم دادند

اس کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے بعد

---

[1] مرآۃ الخیال سے ہر قاعدہ و قرار کاں روز افتاد   نے بیش بکس نہ دادہ و نے کم دادند

سن شریف اٹھاسی سال[1] تھا، میخانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۳۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ میں ۶۳۶ھ اور تذکرۂ دولت شاہ میں ۶۰۹ھ مرقوم ہے، مگر اول الذکر سنہ ہی صحیح سمجھا گیا،[2] ان کے مزار مبارک کے متعلق نفحات الانس میں ہے۔

" و قبر وے در قفاے مرقد شیخ محی الدین العربی است قدس اللہ تعالیٰ روحہما در صالحیہ دمشق و قبر فرزند وے کبیر الدین در پہلوے قبر وے رحمہ اللہ تعالیٰ "

تذکرۂ دولت شاہ میں ہے،

" و مرقد مبارکش در جبل صالحیہ است و در قدم حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ العالم الربانی الخلاق ذوالاخلاق شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہ العزیز آسودہ است[3] "

سیر العارفین میں ہے:۔

" قبر ان کی برابر مزار شیخ محی الدین ابن عربی کے ہے، چنانچہ یہ حقیر حالی بھی وہاں جا کر زیارت سے فیضیاب ہوا ہے، محلہ مسمیٰ در صالحیۂ دمشق میں مزار ان کا واقع ہے، اور اس دیار کے زائر دونوں مزاروں کی نسبت الفاظ سے یوں کرتے ہیں کہ ہذا البحر العربی یعنی یہ تربت شیخ محی الدین عربی کی سمندر بیحد شریف کا ہے، اور نسبت قبر شیخ مولانا فخر الدین کی کہتے ہیں، ہذا البحر العجمی یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، اور فیض پہنچانے والا، اور قبر شیخ اوحد الدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے[4] "

سفینۃ الاولیاء میں ہے۔ (ص ۹۸)

" قبر ایشاں در قفاے قبر شیخ محی الدین العربی است در صالحیۂ دمشق "

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ میں بیاسی سال مرقوم ہے [2] دیکھو حواشی بحالہ ص ۶، نیز مراۃ الخیال ص ۲۶ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [3] تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۱۶ [4] سیر العارفین ص ۱۰۹ و اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۴-۱۲۵،

تصانیف | حضرت شیخ فخرالدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے[1]، سحانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے، لیکن اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:۔

"مثنوی بہ طرز حدیقہ برشتۂ نظم درآوردہ وزآں میاں غزل گوئی فرمودہ"

اور اسی کے ساتھ اس میں مثنوی کے کچھ اشعار بھی منقول ہیں، جو ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:

از عراقی سلام بر عشاق ۔۔۔ آں جگر خستگان تیر فراق
محرمانِ سراچۂ قدسی ۔۔۔ لوح خوانانِ سترنہ کرسی
سالکانِ طریقتہ علیا ۔۔۔ راہ دارانِ جادۂ سفلیٰ
زندہ جاناں مردہ درغم یار ۔۔۔ مست حالان وجانِ دل ہشیار
بادشاہانِ تختِ روحانی ۔۔۔ غوطہ خورانِ بحر نورانی
شاہ بازان درقفس ماندہ ۔۔۔ پیش میاں باز پس ماندہ
از حدود وجود گم گشتہ ۔۔۔ وز عقول ونفوس بگذشتہ
یکے شان زدوست پروانہ ۔۔۔ سوختہ چوں زشمع پروانہ
ہمچو پروانہ ز اشتیاقِ رخش ۔۔۔ خویشتن را فگندہ در آتش
در رہ دوست باز سر کردہ ۔۔۔ ابجد عشق راز بر کردہ
چوں زکتاب دہر جیفہ شدہ ۔۔۔ بر سریر صفا خلیفہ شدہ
یار خود دیدہ در پس پردہ ۔۔۔ تن بجاں ماندہ جاں فدا کردہ

[1] برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۹۴،

مے نخوردہ شدہ بوے مست — دوست نادیدہ دل بدادہ زدست
برہ یار منتظر ماندہ — نمک شوق بر دل افشاندہ
بار محنت کشیدہ چوں ایوب — زہر فرقت چشیدہ چوں یعقوب
نظر جاں ز جسم بگسستہ — صدق میعاد باز دانستہ
کردہ از جان بسوی کار خویش روے — لیس فی جبتی سوے اللہ گوے
جان انا الحق زنان و تن بردار — فارغ از جنت و گذشتہ ز نار
علم اتحاد بر بستہ — لشکر آرد و خشم بشکستہ
بن و بیخ خیال برکندہ — گشتہ آزاد ہمچناں بندہ

مولانا شبلی شعر العجم جلد پنجم (ص ۱۲۸) میں رقم طراز ہیں کہ شیخ عراقی کی ایک مثنوی کا نام دہ فصل ہے جو ان کی نظر سے نہیں گذری لیکن اس کے حسب ذیل چند اشعار ریاض العارفین سے نقل کئے ہیں۔

از حالات نمی شکیبد دل — می برد عقل و می فریبد دل
عاشقان تو یاکیا زانند — صید عشق تو شاہبازانند
فارغی از درون صاحب درد — بکن اے دوست ہرچہ بتواں کرد
عشق دادہ مات کرد گار یکے است — عاشقے و عشق و حسن یار یکے است

دیوان میں قصیدوں اور غزلوں کے ہزاروں اشعار ہیں، ان کے عارفانہ اشعار کی داد ہر زمانہ میں ملی ہے، ملا جامی نفحات الانس میں رقم طراز ہیں:۔

"وے صاحب کتاب لمعات ست و دیوان شعر وے مشہور است"

تذکرۂ دولت شاہ میں ہے:۔

"سخنان پرشور و عارفانہ دارد در وجد و حال بے نظیر عالم بودہ و موحدان و عارفان سخن اور امعتقد ند" (ص ۲۱۵)

سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے،

"اور بیز اکثر قصائد در مدائح محبوب و مرغوب اپنے پیر بے نظیر شیخ بہاء الدین زکریا قدس روحہ کی صفت و ثنا میں فخر الدین مرحوم نے لکھے ہیں (ص ۹ اردو ترجمہ جلد اول ص ۲۴-۲۵) ۱

مخزن الغرائب میں ہے۔

"سخنان پرشور عاشقانہ بسیار ے داشت (قلمی نسخہ دار المصنفین)

ان کا دیوان چھپ گیا ہے، غزلوں کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہوں۔

بیا اے دیدہ تا یکدم بگرییم | نیم چوں جوش دل و خرم بگرییم
گہے از درد بے درماں بنالیم | گہے از زخم بے مرہم بگرییم
نشد جانم محرم اسرار جاناں | بر آں محروم نا محرم بگرییم
عراقی را کنوں ماتم بد ارم | بر آں مسکین دریں ماتم بگرییم

چہ کردہ ام کہ دلم از فراق خوں کردی | چہ افتاد کہ درد دلم فزوں کردی
ہمہ حدیث وفا و وصال می گفتی | چو عاشق تو شدم قصہ باژگوں کردی
بہ سوختی دل و جانم گداختی جگرم | بہ آتش غمت از بسکہ آزموں کردی
سیاہ روئے دو عالم شدم کہ در غم ہجر | گلیم بخت عراقی سیاہ گوں کردی

دست از دل بے قرار شستم | د اندر سر زلف یار بستم

بیدل شدم و زجاں بیک بار — چوں طرۂ یار بر شکستم
گویند چگونۂ؟ چہ گویم؟ — مستم ز عشق چنانکہ ہستم
ساقی قدحے کہ از مئے عشق — چوں چشم خوش تو نیم مستم
در دام بلا فتادہ بودم — ہم طرۂ او گرفت دستم
شد نوبت خویشتن پرستی — آمد کہ آنکہ مے پرستم
فارغ شوم از غم عراقی — از زحمت او چو باز رستم
در میکدہ می کشیم سبوے — باشد کہ بیابم از تو بوے

اے دوست الغیاث کہ جانم بسوختی — فریاد کز فراق روانم بسوختی
دانم کہ سوختی ز غم عشق خود مرا — لیکن ندانم اینکہ چسانم بسوختی

رباعی

گل صبحدم از باد برآشفت و بریخت — با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بد عہدی عمر بیں کہ گل در دہ روز — سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رباعی

یارب تو بجود مرا تو نگر گرداں — وز ہر چہ خبر از تست دلم بر گرداں
آمیختہ شد مس وغل با نقدم — آخر نظرے مس مرا زر گرداں

مولانا شبلی شعر العجم (حصہ پنجم ص ۱۲۹) میں رقمطراز ہیں کہ شیخ عراقی اکثر وحدت وجود کے مسئلہ کو عام تمثیلوں میں ادا کرتے ہیں، مثلاً

عشق شورے در نہاد ما نہاد — جانِ ما در بوتۂ سودا نہاد

گفتگوے در زبانِ ما فگند — جستجوے در درونِ ما نہاد
دمبدم در ہر لباسے رخ نمود — لحظہ لحظہ پائے دیگر پا نہاد
بر مثالِ خویشتن حرفے نوشت — نام آں حرف آدم و حوا نہاد
ہم بہ چشم خود جمالِ خود بدید — تہمتے بر چشم نا بینا نہاد

یہ غزل ان کی مشہور عام ہے، اور حال وقال کے جلسوں میں گائی جاتی ہے،

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی
چو براہ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند — کہ برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی

ان کے ایک ترجیع بند کے دو بند کے نمونے بھی ملاحظہ ہوں۔

در میکدہ با حریفِ قلاش — بنشین و شراب نوش و خوش باش
از خطِ خوش نگار برخواں — سر دو جہاں ولی مکن فاش
بر نقش نگار رفتہ گشتم — زاں روی نمی رسم بنقاش
تا با خودم از خودم خبر نیست — با خود نفسی نبودمے کاش
مخموریم بیار ساقی — نقل ولی ازاں لب شکر پاش
در صومعہا چو می نگنجد — دردی کش و می پرست و قلاش
من نیز بترک زہد گفتم — آہنگ شب و روز ہمچو اوباش

در میکدہ می کشم سبوئی
باشد کہ بیابم از تو بوئی

اے روی تو شمعِ مجلس افروز — سودائے تو آتشِ جگر سوز

رخسار خوشِ تو عاشقاں را — بہتر از ہزار عید و نوروز
بکشای لبت بخندہ یکبار — از لعل تو گوہر شب افروز
زنہار از آں دو چشم مستت — فریاد از آں دو زلف کیں توز
چوں زلف تو کژ مباد با ما — از قد تو راستی بیاموز
ساقی بدہ آں می طرب را — بستاں ز من ایں دل غم آموز
آں رفت کہ رفتمی بمسجد — اکنوں چوں قلندراں شب و روز

در میکدہ می کشم سبوے
باشد کہ بیابم از تو بوے [1]

---

[1] میخانہ ص ۴۹-۵۰،

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

نام و وطن حضرت شیخ امیر حسینی کا اسم گرامی نفحات الانس[1] میں حسین بن عالم بن ابی الحسین، تذکرہ دولت شاہ[2] میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ میں صرف امیر حسین بن نجم الدین[3] شاہ اودھ کے کتب خانہ کی فہرست میں امیر کبیر الدین حسینی بن عالم بن ابو الحسین حسینی[4] ہے، مگر سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین[5] ہے، معلوم نہیں سیر العارفین کے مولف نے اتنے مختلف نام کیوں تحریر کئے ہیں، ممکن ہے، یہ القاب ہوں، وہ غور کے ایک گانوں کریو کے رہنے والے تھے[6]، پھر بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اس لئے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے،

بیعت تذکرہ دولت شاہ اور آتش کدہ میں ہے کہ وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے، لیکن یہ صحیح نہیں،

نفحات الانس میں ہے :-

"از کتاب وے کنز الرموز چناں متبادر می شود کہ وی مرید شیخ بہاء الدین زکریا است[7]"

---

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۲۲ [3] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۶ [4] کیٹلاگ ہذا ص ۳۷۱ [5] سیر العارفین ج ۱ ص ۲۵ [6] لطائف اشرفی ص ۲۶۲ [7] ایضاً، لطائف اشرفی میں یہ بھی ہے کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ از بعض مردم ملتان، چناں استماع افتاد کہ حضرت میر حسینی نیز حضرت شیخ یک دختر خود را بعقد نکاح در آوردہ اند،

اگرچہ اس کے بعد نفحات الانس کے مؤلف ملّا عبد الرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ بعض کتابوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر حسینی، شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین زکریا کے مرید تھے، مگر اس سلسلہ میں سیر العارفین کے مؤلف کا بیان واضح ہے، شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں ہے کہ

"ایک مرید منجملہ مریدان صادق العمل والقول کے شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین ہروی بھی ہیں، جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں، ان کی تصنیفات نثر و نظم میں بکثرت مقبول و مشہور عام و خاص ہیں، نثر میں نزہت الارواح اور طرب المجالس اور نظم میں زاد المسافرین اور کنز الرموز بتمام متبرک ملتان شیخ بہاء الدین کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں، اور شیخ بہاء الدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ بغور فرما کر مصنف کی تحسین و آفریں کی، اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود شوستری سے کئے گئے تھے، اور شوستری مرحوم نے ان کے جوابات میں نسخۂ گلشن راز تصنیف کیا، سید حسین کی تصنیف میں سے ہیں، چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحی خراسان میں علم و معرفت و طریقۂ درویشی میں سید صاحب نے نظیر و بے ہمتا گذرے ہیں، اور ریاضت عظیم فرماتے تھے، اوّل مرتبہ ملتان میں اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ برسبیل تجارت آئے تھے، اور بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فیضیاب ہوئے، لیکن بوجہ زعم علم و کمال مرید نہ ہوئے تھے، مگر وفات پدر بزرگوار دفعۃً ترک تعلق دنیائے دنی کر کے آزادی اور خدا طلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ مساکین و فقراء پر ایثار کر کے ملتان آئے، اور بصدق عقیدت شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ روحہٗ کے مرید ہو گئے،"

دو تین برس تک وہ کبیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی ریاضتیں کر کے کمالات و کرامات سے مالا مال ہو گئے، مزار مبارک سید صاحب کا موضع ہری میں واقع ہے، اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ مرقد منور اُن کا زائروں کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشتا ہے، عجب دلکشا اور جانفزا مقام ہے، ان ایام میں یہ ضعیف جامی مقام ہری میں پہنچا تھا اس وقت مولانا عبد الرحمن جامی اور مولانا عبد الغفور قدس اللہ سرہ العزیز بھی سید صاحب کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے، بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر کی اس جگہ پر ادا کی تھی، اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا[1]

وفات نفحات الانس میں ہے کہ حضرت سید حسینی نے ۱۶؍ شوال ۷۱۸ھ میں وفات پائی تذکرہ دولت شاہ میں سال وفات ۷۱۹ھ ہے، لیکن اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ[2] اسپرنگر کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے،

در ہفت صد و بست ۷۲۰ ز ہجرت　　　گشت آخر این کتاب ختمت

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے، ان کے علمی تبحر کے ان کے معاصرین بھی معترف تھے، چنانچہ ان کے ظاہری و باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخر الدین عراقیؒ اور شیخ اوحدیؒ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے[3]

تذکرہ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے،

" سالک مسالک دین و عارف اسرار یقین است و در کشف رموز حقایق و

---

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۲۶ فارسی ص ۱۱۰، [2] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۴۳۹

[3] تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۲۴؛

دقائق کنز معانی بودہ و در فضیلت و علوم جنید ثانی، خاطر پُر نور او گلشن راز و طوطی
نطق او عندلیب خوش آواز۔ (ص ۲۲۲)

تصانیف | اُن کی تصانیف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نزہت الارواح (۲) الارواح (۳) صراط مستقیم (۴) [illegible] المجالس (۵)
زاد المسافرین (۶) کنز الرموز (۷) سوالات وگلشن راز (۸) دیوان [illegible] نام کتابیں
غیر مطبوعہ ہیں، ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں[1]۔ امیر حسینی کے
کے متعلق مولانا عبدالرحمن جامی رقمطراز ہیں:۔

"مر او را دیوان اشعار است نہایت لطیف۔"[2]

میری نظر سے مذکورہ بالا کتابیں نہیں گذری ہیں [illegible] کتب [illegible] کی مختلف
فہرستوں میں اُن پر جو تبصرہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا
موضوع معرفت اور سلوک و طریقت ہے۔

نزہۃ الارواح کے متعلق لطائف اشرفی میں ہے:۔

"لمعات حضرت فخر الدین عراقی و نزہۃ الارواح حضرت امیر حسینی
بشرف نظر شیخ (یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) درآوردند، فرمودند کہ
کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ، و نزہۃ الارواح ہم خاص و ہم عام [illegible]
حیثیت خود بہرہ برد، المعات لمعۂ دیگر دارد (ص ۳۶۷)

زاد المسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کرسکے ہیں ان کو

۱؎ مثلاً دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۴۰، ج ۲ ص ۸۰۴، فہرست کتب خانہ شاہ
اودھ ص ۴۳۳ ۲؎ نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین۔

ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں[1]،

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے ہوتا ہے، پروردگار عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دنیا داروں کو خطاب اس طرح کیا جاتا ہے،

بشنو پسرا بیان حالت | علم وحد لست قیل وقالت
علمے کہ خدائے داں ستوی تو | اینست کجا ہمی دوی تو
آں علم طلب کہ با تو ماند | وآں دم کہ ترا ز نو رہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی | تحقیق صفات حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو | تاکی لم و لا نسلم تو
خود را بگذرت کردہ گرم | آخر ز خدا نیابدت شرم
از خود بجند امرد بتاویل | تشبیہ مکن بوجہ تسہیل
زنہار بحجت قیاسی | غرہ مشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں جن میں جا بجا متعدد حکایات بھی ہیں، پہلا مقالہ حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے۔ اس میں بھی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم ہے، فرماتے ہیں

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد | ہر صبح دعا وت می فرستد

---

[1] راقم الحروف کا ایک مضمون حضرت امیر حسینیؒ پر جنوری ۱۹۴۶ء کے معارف میں شائع ہوا تھا، اس کی اشاعت پر بزرگ محترم جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حضرت امیر حسینیؒ کی تصنیف زاد المسافرین پر ایک مختصر لیکن مفید مقالہ دسمبر ۱۹۴۶ء کے معارف میں تحریر فرمایا ہے، ہم اس مقالہ کے بعض ضروری اجزا اس کتاب میں شامل کرتے ہیں،

جز ذکر تو نیست ورد بانش — زنار وفاست در میانش

ایں جملہ ز دین او ملت خویش — خوشتر حمت ندیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت و شرف انسانی پر بحث ہے۔ اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو۔

موسیٰ ز پی فراق مخمور — مستانہ دوید بر سر طور

گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ — مارا تو عدم ور دہ نمودہ

گر نزد منی بگات جویم — تا با تو حدیث خویش گویم

در دور تری برآرم آواز — باشد کہ بخود درم کنی باز

بشنو ز لب تغنے جوابے — کے از تو بہ پیش تو نقابے

ایں جانے جوانیست بگذار — من با توام از خودم طلب دار

افتادن ہرہ لہ بشتن در — اینجا بود اے حریف بنگر

شاہان جہاں دریں خیالات — رسعے مسند جملگی ات

از غایت قرب دور دور است — ہر مرغ بہ دانہ صبور است

ایں آتش ما چگونہ میرد — کیں درد دوا نمی پذیرد

یاد آر ز خود کہ نیست یادت — بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے، چوتھا ارشاد و معاملت پر ہے، اس میں کئی حکایتیں ہیں، پانچویں مقالہ میں عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے، چھٹا مقالہ معرفتِ نفس انسانی اور اس کی صفت میں ہے، ساتویں میں معرفت

کا بیان اور اس کی تحقیق ہے۔ آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "در بیانِ حال ثمرت باد ثمرت می رسد" یہ مقالہ اور مقالوں سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

در بیت گراں بہا کہ سفتم — دریاب کہ گفتنی بگفتم
ہمدستۂ گلبنِ یقین است — ہم توشۂ رہ روانِ دین است
از بس کہ فشاند سحر من دُر — شد دامن آخر الزماں پُر
ایں گلشکرے کہ من سرشتم — در ہشت مقالتش بہشتم
شمع است کہ در دلم برافروخت — ہمسا دہ ہزار پردہ را سوخت
یک نکتۂ او کہ جاں کند شاد — بر دل در ہشت باش بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوے — دانست کہ چوں نگافتم موے
تا جست سرانِ نامور را — نہ پارہ دوست کون خر را
چوں اہل خرد بہر دیارے — زیں تحفہ برند یادگارے
ایں نور بہر طرف کہ تابد — بینی کہ قبول ہر کہ یابد
زیں گنج کہ رائگاں کشادم — دارد بدعائے خیر یادم
در ہفصد و بیست و نہ ہجرت — گشت آخر ایں کتاب تمت

اس مثنوی میں ۱۱۴۵۶ اشعار ہیں۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ، تذکرۂ دولت شاہ اور آتش کدہ میں بھی ہے جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

این طرفه حکایتیست بنگر | روزے مگر از قضا سکندر[1]
می رفت و همه سپاه با او | شد حشمت[2] و مال و جاه با او
ناگه بخرابهٔ گذر کرد | پیرے ز خرابه سر بدر کرد
پیرے که نه که آفتاب پرنور | در چشم سکندر آمد از دور
پرسید که این چه شاید آخر | این کیست که می نماید آخر
در گوشهٔ این مغاک دیگر | بیهوده نباشد این چنین پیر
چون ماند بدان مغاک چون گور[3] | پیر از سر وقت خود نشد دور
چون باز نکرد سوی او چشم | پرسید سکندرش بصد خشم
گفت اے شده غول این گذرگاه | غافل چه نشسته درین راه
هر چه نکنی احترامم | آخر نه سکندر است نامم
دانی که منم به بخت فیروز | پشت همه روی عالم امروز
دریادل و آفتاب دایم | فرق فلکست زیر پایم
پیر از سر وقت بانگ برزد | گفت این همه نیم جو نیرزد
نه پشت نه روی عالمی تو | یکدانه ز کشت آدمی تو
دوران فلک که بیشمار است | هر ساعتش از تو صد هزار است
نه غول و نه غافلم درین کوے | هشیار تر از توام بصد روی
از روز پسین چو آگهم من | چون منتظر آن درین رهم من

---

[1] آتشکده میں یہ مصرع اس طرح ہے ع روزے ز قضا مگر سکندر، [2] آتشکده ان حشمت [3] آتشکده "ماند بدین مغاک پرنور"

غافل تو نئی کز برائے ہستی	مغرور دو روزہ عمر خویشی
چوں آخر کار با جدائیست	باخلق مرا چہ آشنائیست[1]
در سجدۂ من گر بخت آرند	بر تو ہمہ روز سر فرازند
با من چہ برابری کنی تو	چوں بندۂ بندۂ منی تو
گریاں شد ازیں سخن سکندر	بفگند کلاہ شاہی از سر
از خجلت خود بخیر می زد	سر بر کف پائے پیر می زد
پیر از سر حال رہ نمودش	کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتشکدہ میں کچھ اور اشعار بھی منقول ہیں، مثلاً

بخدا کہ درد مندم ز غم فراق یارا	نہ خلاف گوید آں کس کہ کلم کند خدارا

اے سایہ تو مرد صحبت نور نہ	رو ماتم خود گیر کزیں سور نہ
اندیشۂ وصل آفتابت نرسد	می ساز بایں قدر کز او دور نہ[2]

کنز الرموز میں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں،

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیا	واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر ملت بہائے شرع و دین	جان پاکش منبع صدق و یقین
از وجود او بہ نزد دوستاں	جنت الماوی شدہ ہندوستاں

---

[1] یہ شعر تذکرۂ دولت شاہ میں نہیں ہے، [2] آتشکدہ ص ۱۲۱،

منکہ رو از نیک واز بد تافتم — زیں سعادت از قبولش یافتم
رختِ ہستی چوں بروں پرازمیاں — کرد پرواز ہما بر آشیاں
آں بلند آوازۂ عالم پناہ — سرور عصر افتخار صدرگاہ
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق — نہ فلک بر خوانِ جودش یک طبق[1]

---

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین و فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ

محبوبِ الٰہی

اسم گرامی والقاب | اسم گرامی محمد ۔ القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھے

نسب نامہ | سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ خلی بن سید حسن خلی بن سید علی مشہدی بن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی ابن امام علی ہادی نقی بن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام،

ان کے دادا سید علی اور نانا سید عرب ہم جد تھے،

پیدائش | حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا، اور اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کی ولادت باسعادت ہوئی،

ابتدائی تعلیم | جب پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لئے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی جو بڑی عابدہ وزاہدہ تھیں، ان کی

بزرگی اور کرامت کے واقعات سیر الاولیاء (مولفہ) اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے درج ہیں،

حضرت شیخ نظام الدین کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، مسجد کے نیچے ایک علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنھوں نے دستار فضیلت باندھنے کی ... الدین متوکل میں علماء و مشائخ کو مدعو کیا، دستار فضیلت باندھتے وقت بعض بزرگوں نے یہ پیشین گوئی کی کہ " ایں بزرگ خواہد شد[1]"،

مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی گئے، جو اس وقت علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بیحد قدرداں تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا، اور مستوفی ممالک کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے،

تمنا دکنوں بکام دل دوستاں شدے — مستوفی ممالک ہندوستاں شدے[2]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لئے مشہور تھے، اس لئے حضرت شیخ ... الدینؒ نے ان کے سامنے زانوے تلمذتہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی ... ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، اور عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلاکر ... دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں، قطب الدین ناقلہ ... الدین جعد ابانی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین

---

[1] مجالس، علی گڈھ اڈیشن ص ۱۰۱ [2] سیر العارفین ص ۶۰،

...ے غائب ہوتا، اور جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً
...عالی تھی جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، تا وقتا کہ میں پھر وہی قصور
...ں حاضر نہ ہو سکو، لیکن جب حضرت نظام الدینؒ کا ناغہ ہو جاتا،
...ا خدمت میں پہنچتے تو ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھتے،

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے | آئی و بما کنی نگاہے[1]

(حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مولانا شمس الدین سے حریری کے چالیس مقامات پڑھے، اس کے بعد مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا، مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم اور بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے، سلطان بلبن نے ان کے تقوی، دیانت اور کمال علم کی شہرت سن کر ان کو اپنے پاس بلایا، اور کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں، لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں، آپ اس کو بھی چھین لینا چاہتے ہیں، سلطان اس جواب کو سن کر خاموش ہو گیا اور معذرت کر کے مولانا کو واپس کیا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے انہی سے حدیث پڑھی، اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا، حافظ کلام پاک بھی تھے، تحصیل علوم و فنون کا شغل برابر جاری رکھا، اپنے مرشد حضرت شیخ العالم بابا گنج شکرؒ سے عوارف المعارف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھی[2]، چنانچہ ان کا شمار متبحر علما میں ہوتا تھا، ان کے مریدان ان کے تبحر علمی سے بھی استفادہ کرتے تھے، اسی لئے ان کی خانقاہ میں رشد و ہدایت

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۰۸ [2] سیر الاولیا ص ۱۰۱ تا ۱۰۶

کے ساتھ درس وتدریس کا بھی سلسلہ رہتا تھا، اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے ان کے مرشد کی بھی ہدایت تھی،

کشش مرشد؛ حضرت شیخ نظام الدینؒ دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے، اس کے قریب ہی بابا فرالدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کے دل میں بابا گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی،

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع	کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے کہ جو لوگ
قلوبھم لذکر اللہ،	ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے
(حدید-۲)	ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور بابا گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے، اور جب اجودھن پہنچے تو بابا صاحب نے ان کو دیکھکر یہ شعر پڑھا،

اے آتش فراق دلہا کباب کردہ   سیلاب اشتیاق جانہا خراب کردہ

اور اسی روز حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا، بابا صاحب کی خانقاہ میں اور تمام مریدین زمین پر سویا کرتے تھے، لیکن ان کے لئے بابا صاحب کے حکم سے ایک کھاٹ کا انتظام ہوا، وہ اس پر سونا نہیں چاہتے تھے کہ حافظانِ کلامِ ربانی اور عاشقانِ درگاہِ رحمانی تو زمین پر رہیں، اور وہ کھاٹ پر آرام کریں، لیکن مرشد کا حکم تھا، اس لئے عدول حکمی بھی نہیں کی[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۰، فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیاء ا ص ۳۲۹،

حضرت شیخ نظام الدینؒ اپنے پیر دستگیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، ان سے کلام پاک کے چھ پارے عوارف المعارف کے پانچ ابواب کے علاوہ ابوشکور سالمی کی تمہید المبتدی بھی پڑھی ان کے مرشد جب ان کو عوارف المعارف پڑھاتے تو ان کو بڑی لذت محسوس ہوتی

فوائد الفوائد میں فرماتے ہیں،

"میں نے عوارف کے پانچ باب شیخ کبیر فرید الدینؒ سے پڑھے، ان کا ایسا بیان ہوتا کہ پھر ایسا بیان کسی اور سے نہ سنا گیا۔ اس بیان کے موقع پر ایسا ذوق طاری ہوجاتا کہ سننے والے کی تمنا ہوتی کہ اس بیان کے موقع پر موت آجاتی تو خوب ہوتا"[1]

باباگنج شکرؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گذرتی تھی، مولانا بدرالدین اسحٰق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر ڈیلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملاکر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، حضرت نظام الدینؒ ڈیلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ڈیلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا، کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا۔ ایک روز نمک نہ تھا، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور ڈیلہ پکاکر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدرالدین اسحٰق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور حضرت شیخ نظام الدینؒ ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۳ و سیر الاولیا، ص ۱۱۰،

باباگنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوگی اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازیں بوئے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، حضرت شیخ نظام الدینؒ نے لرزہ براندام ہوکر عرض کیا قرض کا ہے باباگنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بارے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غرباء میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خود بیان ہے کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ واستغفار کی، مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر بیٹھے تھے اس کو عطا کرکے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آیندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب شیخ نظام الدینؒ دہلی واپس ہونے لگے تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب حضرت نظام الدینؒ دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے، جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی، اور وہ گم ہوگئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کرکے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور حضرت نظام الدینؒ کو بخشدی وہاں سے حضرت نظام الدینؒ ایک بزاز کے پاس آئے، جس سے کسی وقت میں جیتل کا کپڑا ادھار لیا تھا، ونل جیتل دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے

دس طفیل تو بے لئے اور بقیہ دس حضرت نظام الدینؒ کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کی وجہ سے معاف کر دیئے۔[1]

دہلی سے تین بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے حضرت نظام الدین اجودھن تشریف لے گئے (فوائد الفواد ص ۲۲) ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے اسے عطا فرما کر، یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلائے[2]، آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے، تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہوگے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصولِ استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا؛ (سیر الاولیا ص ۱۱)

بابا گنج شکرؒ کا جب وصال ہوا تو محبوب الٰہی اجودھن میں نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا گنج شکرؒ کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا گنج شکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیا مدایونی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ"[3]

فقر و فاقہ پہلی دفعہ جب اجودھن سے حضرت محبوب الٰہیؒ دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پُرسکون جگہ

---

[1] سیر العارفین فارسی ص ۲۲، اردو ترجمہ ص ۱۲۱ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ [illegible] مونس الارواح قلمی نسخہ [2] سیر العارفین ص ۳۰ [3] سیر الاقطاب ص ۱۰۲

نہ ملی، ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر میں یکسوئی نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خاں کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا مرکز ہو رہا ہے، اس لئے یہاں کے قیام سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہی دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے، لیکن ساری فصل گذر گئی، مگر میں ایک جیتل بھی چکھ نہ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا،

اس زمانہ میں ایک جیتل میں دو سیر آٹا ملتا تھا، پھر بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس اتنے دام نہ ہوتے تھے، کہ روٹی کے لئے آٹا خرید سکیں، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، ایک بار مسلسل تین روز کا فاقہ ہو گیا، تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص خشک کھچڑی دیکر غائب ہو گیا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے گرسنگی کی شدت میں اس کھچڑی کو کھایا، اور اس کو کھا کر جو لذت محسوس کی اُس کا ذکر آیندہ بار بار فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی، جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوب الٰہیؒ کو اس جملہ سے بڑی لذت ملتی، اور جب انکے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت محبوب الٰہیؒ کی عسرت کی خبر سلطان جلال الدین

تغلق کو ملی تو ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ حکم دیں تو ان کے خدمت گذاروں کے لئے کچھ گاؤں نذر کئے جائیں مگر حضرت محبوبؒ الٰہی کے فاقہ مست جان نثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، لیکن یہ گاؤں قبول کر لئے گئے تو اس کے بعد ہم آپ کے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کریں گے، یہ جواب سن کر حضرت محبوبؒ الٰہی بے حد محظوظ ہوئے۔[1]

اسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک روز چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو حضرت محبوب الٰہی سے بیعت بھی تھیں، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ اسی وقت ایک دلق پوش درویش آ پہنچا، اور کچھ کھانے کو مانگا، محبوب الٰہیؒ نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا،

"شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت من دیگ فقر ظاہری او شکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"[2]

اس کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[3]، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں،

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک مگر پیتے دو ....

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۳-۱۱۴ [2] ایضاً ص ۱۱۳ و ۱۱۵ [3] فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیاء ۱ ص ۳۳۰

والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کوئی کچھ لاتا، اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا، ایک بار ایک امیر سو تنکہ نذر کو لایا، آپ نے قبول نہ فرمایا جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو اس میں سے ایک تنکہ قبول کیا، باقی وہ پاس لئے ہوئے غمناک بیٹھا رہا دل میں کہتا تھا اگر حضرت شیخ سب قبول فرمادیں تو میری سعادت ہے، شیخ نے فرمایا میں نے سب اس لئے قبول نہیں کیے کہ تیرے کام آویں گے، اسے جا میرے پاس اور مال ہے پھر اس سے کہا اس طرف دیکھ اس نے نظر کی تو دیکھا تو اپنا اشرفیوں کا لگا ہوا ہے سر قدموں پر رکھ کر چاہے کو اٹھا آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسے اور سے مت کہنا، وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، اور آخر یہ حال لوگوں سے بیان کر دیا، (خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۲۰۲، ترجمہ کی عبارت ہوبہو نقل کر دی گئی ہے)

خلوت در انجمن اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی میں ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگوں کے ہجوم سے حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی   کانگشت نمائے عالمے خواہی شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود   در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور کہا:-

”اول مشہور نمی بایستی شد، ایں کس مشہور شد، چناں سعی کند کہ در روز قیامت از روئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و با وجود انبوہ خلق در

مشغولی غلق نیفتد"[1]

امرار کی آمد و رفت | یہ سن کر غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امرار کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی، اور وہ تربیت پاکر مستفیض ہوتے رہے۔ سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

"بیشترے اہل دول کہ ہموارہ مائل بہ فسق و فجور بودند بخدمت حضرت شیخ انابت نمودند، و بصلاح دینی و فلاح یقینی ملازم و مستحکم گشتند"[2]

امیر خسرو | امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی حضرت محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور دونوں کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی کل آٹھ سال کی تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

"اے ترک من از وجود خود برنجم لیکن از تو نہ رنجم"[3]

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں کہ

"روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز

---

[1] سیر الاولیا، ص۱۱۷ و سیر العارفین ص۲۲ [2] مطلوب الطالبین ورق ۴۹ [3] سیر العارفین ص۳۸ [4] خزینۃ الاصفیا ص۳۳۲ جلد اول، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں یہ الفاظ اس طرح ہیں "از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم"

سینہ ایں ترک اندر[1]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے (امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے، بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے) لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آجاتا، اس کو سجدہ ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے[1]

مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کیے ہیں[2]،

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ملک است کہ ملک سخن خسرو راست

ایں خسرو ما است ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آکر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح میں آئیگا تم کو دیدیا جائیگا، لیکن اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی، فرمایا کل کی فتوح تمہارے نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی، بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دیکر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے، راستہ میں ملے، اور درویش سے مرشد کی خیریت پوچھی، جب درویش باتیں کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

---

۱ سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسرو کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا تھا، خزینۃ الاصفیاء ص ۳۴۱ و سیر الاولیاء ص ۳۰۳،

"مرا از تو بوے پیر روشن ضمیرِ من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کئے تھے یہ پوری رقم درویش کو دیکر مرشد کے نعلین خرید لیے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی،

"درویش بہ ہمیں اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام مال و اسباب من عوض ایں کفش طلب می کرد حوالے می کردم"[1]

محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ

"او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم"[2]

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چوں رحلت کند پہلوے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم"[3]

امیر خسرو مرشد کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے، محبوبِ الٰہی کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت محبوبِ الٰہی اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی

---

[1] خزینۃ الاصفیا، ص ۳۳۹ و سفینۃ الاولیا ص ۱۰۰ [2] و [3] مرشد ص ۲۰۲

ساری ملکیت مرشد کے ایصالِ ثواب کے لئے فقراؤ مساکین پر لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پُرانوار پر بیٹھ گئے، اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ است"

اور یہ ہندی شعر پڑھا،

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس ... چل خسرو گھر اپنے رین بھئی سب دیس

اور یہ پڑھ کر بیہوش ہو گئے، سیر الاولیاء کی روایت ہے کہ امیر خسرو لکھنوتی سے واپس آئے اور ان کو معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ جنت کو سدھارے تو اپنا منھ سیاہ کر لیا، کپڑے پھاڑ ڈالے اور مٹی میں لت پت سلطان المشائخ کے مزار کے پاس پہنچے، ع

جامہ دراں چشم چکاں چون دل روان

اس کے بعد بولے کہ مسلمانو! میں کون ہوں کہ ایسے بادشاہ کے لئے روؤں، میں تو اپنے لئے روتا ہوں کہ سلطان المشائخ کے بعد اب زندہ نہ رہ سکوں گا، (سیر الاولیاء ص ۳۰۵)

اور اسی اندوہ و غم میں چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے، لیکن وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کئے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے:-

"چوں امیر خسرو فوت شد خواستند کہ موجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت، مرید شیخ بود مانع شدہ کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد، پس او را در پایان شیخ بر چبوترہ یاران مدفون ساختند"[۲]

---

[۱] سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۰، [۲] فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا،

دربار شاہی سے بے نیازی حضرت محبوبؒ الٰہی نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی، اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوبؒ الٰہی کے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی، لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی، امیر خسروؒ اس کے دربار سے متعلق تھے، اور انھوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ ان کی خدمت میں سلطان کو لے جائیں گے، سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائیگا، امیر خسروؒ نے اپنے ولی نعمت سے وعدہ تو کر لیا، لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ ہو، سلطان جلال الدین نے امیر خسروؒ سے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کے لئے کہا تھا مگر سلطان کے ایما کے خلاف انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں، محبوب الٰہی نے اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد کے مزار کی زیارت کے لئے اجودھن روانہ ہو گئے، سلطان جلال الدین کو خبر ملی تو امیر خسروؒ سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسروؒ نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوئے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے، لیکن مرشد آزردہ ہوتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا[۱]،

خلجی دربار کے امراء میں محمد کاشف (یا کاتب) حاجب اور ملک قرہ بیگ ترک بھی حضرت محبوبؒ الٰہی کے معتقدین میں تھے، ایک بار کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار دینار نذر لایا، یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا جب محبوبؒ الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا

---

[۱] سیر الاولیاء، ص ۱۳۵

ایفا کرنے والے تھے، رقم دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدوں نے عرض کی،

"وفائے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، بہ جائے انعام پنجاہ ہزار دینار"[1]

سلطان علاء الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا تو کچھ دنوں تک اس کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی، حالت اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیج کر محبوب الہیٰ کی خدمت میں یہ پیام کہلایا

بتمام اہم اسلام مہتم از من ست، اگر میاں نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد، اشارہ فرمایند کہ خاطر از نہ رسیدن خبر لشکر گران ست"[2]

محبوب الہیٰ نے بشارت دی،

"ورائے ایں فتح فتحہائے دیگر متوقع ست"[3]

چنانچہ اسی روز ورنگل کے فتح کی خبر ملی، سلطان علاء الدین نے خوشی میں سلطان الاولیاء کی خانقاہ کے لئے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لیکر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الہیٰ سے کہا اَلْهَدَايَا مُشْتَرَكٌ (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوب الہیٰ نے جواب دیا "تنہا خوشتر" (یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہہ کر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں[4]،

ملک قرابیگ (قنبر بیگ) کو علاء الدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الہیٰ کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور آکر سنایا کرے،

---

[1] فرشتہ دوم ص ۳۹۳ و سیر العارفین ص ۲، [2] فرشتہ ج اول ص ۱۱۵ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۳۳ [3] ایضاً [4] سیر العارفین ص ۷

مرآۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاء الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[۱] ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد آیا۔

پیش ما جمالِ جاں افروز　　　　در نمودی بر و سپند بسوز
آں جمال تو چیست ہستی تو　　　　واں سپند تو چیست مستی تو

حسب معمول قرابیگ ان کو لکھ کر سلطان علاء الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے، سلطان نے جواب دیا

"اے قرابیگ (قبر بیگ) ترک ما با وجود آنکہ ہم از سرتا پا آلودۂ دنیا و بدیم آلودگی شرم داریم کہ آنجناب پاک را در یابیم"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خاں اور شادی خاں کو محبوب الٰہیؒ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہونے کے لئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا، دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خاں ہی نے خانقاہ کی عمارت بنوائی تھی[۲]

خضر خاں محبوب الٰہی کے حلقہ ارادت میں آچکا تو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ

"ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں، جس میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں، اور دین اور دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے، ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے، تو ہم کو چاہئے کہ جو کام اللہ

[۱] مونس الارواح (مصنفہ جہاں آرا، قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر العارفین ص ۸۷
[۲] مرآۃ الاسرار (مصنفہ قلمی نسخہ دار المصنفین) ... ص ۱۰۳، سیر العارفین ص ۷۳

جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں تاکہ جن چیزوں میں ملک کی بھلائی ہو، ہماری بہتری ہو اس سے مطلع فرمائیں، اس لئے چند فصلیں اس آ میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں، ان میں جو اچھی باتیں ہوں ان کو نیچے لکھدیں، تاکہ ہم ان پر عمل کریں"۔ اس کاغذ کو خضر خاں کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت میں بھیجا، جب خضر خاں نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا، تو انھوں نے اس کو نہیں پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کام سے کیا مطلب میں ایک فقیر ہوں، اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں، اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول ہوں، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤنگا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاء الدین کو پہنچی تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاء الدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائیں گے، تو میں دوسرے دروازے سے باہر نکل جاؤنگا"[1]

سلطان علاء الدین خلجی کی ایک نئی تصویر

اوپر کی سطروں سے سلطان علاء الدین خلجی کو محبوب الٰہیؒ سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ناظرین کو ہوا ہوگا، موجودہ دور کی تاریخوں میں سلطان علاء الدین خلجی کی بہت ہی بھیانک تصویر کھینچی گئی ہے، لیکن اولیا اللہ

[1] اخبار الاخیار ص ۵۵-۵۶، نیز دیکھو سیر الاولیاء، ص ۱۳۲-۳۳

اس کو کن نظروں سے دیکھا کرتے تھے، اس کا ذکر شاید بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت محبوبؒ الٰہی کی وفات کے بعد حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی مجلس میں ایک بار علاء الدین خلجی کا ذکر آیا تو حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ ملک التجار قاضی حمید الدین جب اودھ آئے، تو ایک دعوت میں مجھ کو بھی بلایا، دعوت کے بعد جب تمام لوگ رخصت ہو گئے، تو میں تنہا رہ گیا، اثنائے گفتگو میں قاضی حمید الدین نے کہا کہ ایک بار میں نے علاء الدین کو پلنگ پر برہنہ سر، پاؤں زمین پر لٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا، جو فکر میں غرق اور مبہوت تھا، میں سامنے پہنچا تو بادشاہ کو بالکل خبر نہیں ہوئی، میں نے باہر آکر ملک فرید بک سے کہا کہ آج بادشاہ کو میں نے اس حال میں دیکھا ہے، تم بھی چل کر دیکھو، میرے ساتھ وہ اندر گیا، تو بادشاہ کو باتوں میں لگایا، پھر عرض کیا حکم ہو تو کچھ بیان کروں، بادشاہ نے اجازت دی تو میں (یعنی قاضی حمید الدینؒ) آگے بڑھا اور عرض کیا میں اندر آیا تھا تو دیکھا کہ حضور برہنہ سر، پریشان حال اور فکر مند ہیں، آپ کو کس بات کی فکر ہے، بادشاہ نے کہا سنو! مجھ کو چند روز سے یہ فکر ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا حاکم بنایا ہے، اب کچھ ایسا کام کرنا چاہیے کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے، سوچتا کیا کروں، اگر اپنا خزانہ تقسیم کر دوں تو بھی مخلوق کو نفع نہ ہوگا، اب ایک بات یہ سوجھی ہے کہ غلہ کی ارزانی کی تدبیر کروں، اس سے مخلوق کو ضرور فائدہ پہنچے گا اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ بنجاروں کے نائکوں کو حکم دوں کہ وہ حاضر ہوں، اور وہ جو غلہ اطراف ملک سے دس بیس ہزار بیلوں پر لاتے ہیں، اس کی قیمت اپنے خزانے سے ادا کروں، اور ان کو پہننے کے لیے کپڑے دوں، اور خانگی خرچ کے لیے علیحدہ سے روپیے دوں، تاکہ وہ بے فکر رہیں، اور اطراف ملک سے غلہ لا کر میرے نرخ مقررہ کے مطابق

فروخت کریں، قاضی حمید الدین نے یہ واقعہ بیان کرکے کہا کہ غرض یہی بات کی گئی، شاہی فرمان جاری ہوئے، خلعت، خرچ اور قیمت شاہی خزانے سے ادا کی گئی۔ اور غلہ بکثرت آنے لگا، چند روز کے بعد گیہوں سات جیتل فی من بکنا شروع ہوا، گھی شکر اور دوسری چیزیں بھی ارزاں ہوئیں اور تمام لوگ آسودہ رہنے لگے، یہ قصہ بیان کرکے حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ سلطان علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی کیا بادشاہ تھا، مجلس کے حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ لوگ اس کی قبر کی زیارت کو جاتے ہیں، اور اپنی مراد کی ڈوری اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں بر لاتے ہیں، حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات کے کاتب شیخ حمید شاعر نے بھی اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا کہ ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد سلطان علاء الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، مجھکو کوئی حاجت نہ تھی لیکن پھر بھی اپنی دستار سے ایک دھاگا نکال کر مزار پر باندھ آیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیری کیا حاجت ہے، میں نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں،[1]

محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات علاء الدین خلجی کے عہد میں محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات سے ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا، اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کھینچی ہے، اس میں پہلے تو بعض اور مشایخ کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہیؒ کی نظر کیمیا اثر اور صحبتِ روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، ان کی تفصیل یہ ہے :-

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدینؒ، اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا

[1] خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہفتم ص ۲۴۲-۲۴۰

ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی، اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہوگئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہوگیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک تجرید کے معاملے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی، اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی مجاہدات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہوگئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے، اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرد ہوا، اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہوسکتے تھے، اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں، اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق در واج حاصل ہوا، اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب وہ زمانہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دس برس سال

میں نظر آیا، ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام منشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دنیٰ اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پروروں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین پھر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا، مال داروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لے خوف خرابہ میں رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولتمند، بادشاہ و فقیر، عالم جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی، اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت

کرتے تھے، مرد عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام، نوکر سب کے سب
نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد
اور نیک کام کرنے والوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے
قائم کر دیئے تھے، اور چھپر ڈال دیئے تھے، کنوئیں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے
ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، اور ہر چبوترہ
اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے
نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے
کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا
تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت،
اشراق اور اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان
نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی
سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے
بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور
کی آمدورفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، اور
ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں، اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار
درود بھیجتے ہیں اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار قل ہو اللہ
پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے نوافل اور تقلیل
طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے
مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت پاتے تھے، اپنے مریدوں کو طاعت جماعت

ترک تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشایخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات
کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا داروں کا ذکر ان کی
زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہیں کرتے تھے، دنیا
اور اہلِ دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سنتے تھے، اور اس کو عیب و گناہ جانتے تھے،
کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا
تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر، شیخ کے
مرید ہو گئے تھے، اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ
ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی ایسا محلہ نہیں تھا جس میں ایک مہینہ میں دن
کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی، اور باہم
گریہ و زاری نہیں کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں
میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ، اور تہواروں
کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ
کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد
کی نماز میں گذارتے، بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ
کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحبِ کشف و
کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول
دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل
اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر
والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی

اختیار کرلی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب معشوق، فسق و فجور، جوا،
فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے
نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری
اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہوسکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے،
کم تولنے، اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے
لوگوں کی رغبت، جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی
کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی، قوۃ القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم
عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیریہ مرصاد العباد، مکتوبات
عین القضاۃ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی
کے بہت سے خریدار پیدا ہوگئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک حقائق
کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک
اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت
گراں ہوگئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں
میں شیخ جنید اور شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا۔[1]

حضرت محبوبؒ الٰہی سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ
قطب الدین خلجی | ملک کافور کی مدد سے خضر خاں اور شادی خاں کو قتل کرکے تخت نشین
اور
ہوا، خضر خاں اور شادی خاں محبوبؒ الٰہی کے خاص اور عزیزؒ مریدوں میں تھے، اس لئے
سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہوگیا، پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۴-۳۴۱،

ہوگئی، اور مصلحۃً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوگیا، اور حضرت محبوبؒ الٰہی کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کر دیا، اس وقت محبوبؒ الٰہی کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا، درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں، جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں، اس لئے قطب الدین نے خانقاہ میں امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا، اور سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے، حضرت خواجہ نصیر الدینؒ فرماتے ہیں،

"ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی دشمن نے کہا کہ شیخ آپ کی فتوحات قبول نہیں کرتے، اور امراء اور سرداروں کے لائے ہوئے فتوحات قبول کر لیتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے یہ جان کر حکم دیا کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے، دیکھیں وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں، اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھ سے آکر اطلاع کریں، جناب شیخ نے جب یہ سنا، فرمایا کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے، ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے، انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سن کر پشیمان ہوا، کہا میں غلطی پر تھا[1]"

پھر بھی قطب الدین کی پرخاش بڑھتی گئی اور اس نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار

---

[1] مجالس اردو ترجمہ ص ۲۰۲ و خیر المجالس ص ۲۵۸

ں حاضر ہونے کا حکم دیا مگر محبوب الٰہی نے اس حکم کا جواب دیا۔

"من مرد منزویم جائے نمی روم، نیز رسم و عادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدۂ بزرگان

ما نبود کہ بدیوان روند، و مصاحب پادشاہاں شوند، دریں باب معذور دارید و بحال

خود بگذارید"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہیں کیا، اور حکم دیا کہ ہفتہ میں دو بار دربار میں آیا کریں، محبوب الٰہی نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومیؒ کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہنچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومیؒ کا انتقال ہوگیا، اور ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت کی، جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین ان کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھ گیا، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہی) دربار میں تشریف لا کر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہی نے یہ کہہ کر ان کو رخصت کیا کہ

"ببینیم چہ بظہور میوندد"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوبِ الٰہی دربار میں آنے کے لئے راضی ہو گئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے لیکن قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کبھی کام نہ کروں گا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی، کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی مگر محبوبِ الٰہی کو کشف ہوچکا تھا کہ وہ نہ دربار جاسکیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خاں کے ہاتھوں وہ قتل ہوا،

خسرو خاں تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں روپیے تقسیم کئے، مشایخ کرام کے پاس بھی روپیے بھجوائے، محبوبِ الٰہی کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے انھوں نے اسی وقت سارا رقم فقراء میں تقسیم کردی چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خاں کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگوں کو خسرو نے روپئے دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشایخ نے روپیے واپس کردیئے لیکن محبوب الٰہیؒ نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ کی،

سلطان غیاث الدین تغلق اور محضر سماع

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً دیندار، دین پرور اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از برائے جریان احکام شریعت تأصیان، مفتیان و داد بک و محتسبان

عہدہ اوراقبہ درگی بیں پیادہ وآشنائی تمام پیدا آمدہ بود،

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علمائے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرادیا، لیکن محبوب الٰہی کے یہاں محفل سماع بدستور جاری رہی، جاہ طلب علمار نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کیلئے تمام مشایخ وعلما جمع کئے گئے، محبوبؒ الٰہی بھی اس مجلس میں شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے، چاشت کے وقت سے زوالِ آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ میں بڑی گرماگرمی رہی محبوبؒ الٰہی نے نفس غنا کے جواب میں جب حدیثیں پیش کیں تو علمائے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاء الدین زکریاؒ ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین تغلق بھی معتقد تھا، محبوبؒ الٰہی کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوبؒ الٰہی کو اعزاز واکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوبؒ الٰہی خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے

تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۳،

وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں، اور آج ایک تعجب انگیز بات دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے تھے، اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے، اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جنکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی تو برہم ہوئے اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علمار کے دشمن ہیں ہم نہیں سنتے، اور نہیں جانتے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہیں یا نہیں حاکم کے سامنے وہ (یعنی شہر کے فقہا) مغرورانہ بحث کرتے ہیں اور صحیح احادیث کو نہیں مانتے، میں نے کوئی عالم ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس کے سامنے حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کی جائیں اور وہ کہے کہ ہم نہیں سنتے اور نہیں جانتے، یہ کیا زمانہ ہے؟ یہ شہر جس کے اندر ایسی مغرورانہ بحث ہو کیسے آباد رہ سکتا ہے، عجب نہیں کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، بادشاہ امرار اور عوام، قاضی شہر اور علمائے شہر سے یہ سن کر کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا، کیسے پیغمبر علیہ السلام کی حدیثوں پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہ شہر کے علمار کی اس بد اعتقادی کی وجہ سے کہیں شہر پر بلا جلا و قحط و وبا نہ آئے، (سیر الاولیار ص ۵۳۲-۵۳۱)

سیر الاولیا کے مصنف سید مبارک امیر خورد کا بیان ہے کہ اس کے چار سال کے بعد شہر دہلی قحط و وبا سے واقعی تباہ ہوگیا، جبکہ سلطان محمد تغلق نے اپنا دار السلطنت دیوگیر منتقل کیا، اور اس سلسلہ میں علما بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے[1]،

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو سیر الاولیار باب نہم حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی نے اباحت سماع میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام کشف القناع عن وجوہ السماع ہے، سیر الاولیار ص ۔۔۔

بعض تذکرہ نگاروں نے مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

" وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشند و جائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند"[1]

اس پیام کو پڑھ کر محبوب الٰہی کی زبان سے صرف یہ نکلا:-

" ہنوز دہلی دور است "

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی جس کے نیچے دب کر وہ جاں بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[2]، جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوبِ الٰہی کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی "دین پروری، دین پناہی، حق گذاری، حق شناسی، عبادت گذاری، نیک نفسی، انصاف پرستی، اور شریعت پسندی" کا ذکر بار بار

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۳۲، طبقات اکبری ج اول ص ۱۹۵ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں، "چوں من بدہلی برسم شیخ از شہر بدر رود"، فرشتہ ج دوم ص ۳۹۸ میں ہے، "تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازیں از غیاث پور روید"

مطلوب الطالبین ورق ۳۴ میں ہے: "چوں در دہلی برسم اول سلطان المشائخ را از شہر بدر سازم"

[2] منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی ہے کہ

" در میان اہل ہند مشہور است " (ج ۱ ص ۲۲۵)

بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[1]،

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوبِ الٰہی کا معتقد رہا لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔

مجاہدہ و ریاضت | حضرت محبوبِ الٰہیؒ کے مرشد بابا گنج شکرؒ نے ان کو ایک موقع پر یہ ہدایت فرمائی تھی کہ،

"ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا مناسب نہیں، اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، نماز اور حج سے بقیہ نصف راہ طے ہوتی ہے (سیر الاولیاء ص ۱۲۱)

اور جب خلافت عطا کی تو چند خاص ہدایتیں کیں، جن کا خلاصہ یہ ہے

"شاگردوں کو تعلیم دیں، خطاو تصحیف سے بچتے رہیں، نسخوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں، جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے اس کی روایت کریں، ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو، خلوت میں اپنے نفس کو کمزور و سست اور خلق کو معدوم سمجھیں، دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دیں، خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو، اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کئے جائیں، اور نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کر لیں، اور خلوت سے اپنا پورا حصہ لے لیں تو حکمت کا چشمہ جاری کریں، اور جو شخص ان کے پاس پہنچے تو اس کو نعمت سے سرفراز کریں۔" (سیر الاولیاء ص ۱۱۷)

اور حضرت محبوبِ الٰہیؒ نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا، سیر الاولیاء کے مؤلف

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۷

کا بیان ہے، کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کئے، پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گذاری، تمام عمر صائم الدہر رہے، دن رات میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا، مگر اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا یہ معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے،

اس وقت تمام علماء، صلحاء اور صوفیہ کا اجتماع ہوتا، اور وہ سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس اثنا میں شہر سے غرباء و مساکین آتے رہتے، ان کو پیسے، غلے، اور تحفے دیئے جاتے، حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غرباء میں روز تقسیم کردی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے، ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے، کہ ایک درویش آیا، خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی، خدام نے اس کو واپس کر دیا، اسی وقت حضرت محبوبؒ الٰہی کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف لائے ہیں، اور کہہ رہے ہیں، ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا، اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسن رعایت تو تھا، آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد کی تنبیہ کا ذکر کیا، اور حکم دیا، کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کر دی جائے،

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی، اور اس مجلس میں حضرت محبوبؒ الٰہی زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے، حدیث کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، حاضرین سر جھکائے بیٹھے رہتے، کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے سنتا رہتا، اور سنتے وقت محسوس کرتا کہ وہ الہامی باتیں سن رہا ہے، عصر کی نماز کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کوٹھے پر تشریف لے جاتے، اور مغرب کے وقت پھر نیچے آتے،

روزہ افطار فرماتے، مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھے پر واپس جاتے اور اُس وقت بھی ایک مجلس ہوتی، اور حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف و لذیذ مشروبات پیش کئے جاتے، عشا کی نماز پڑھنے کے لیے پھر نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اس وقت صرف امیر خسرو آتے، اور کچھ حکایتیں سناتے، جن کو حضرت محبوب الٰہیؒ لطف و لذت کے ساتھ سنتے، کبھی کبھی اعزہ و اقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے، جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خادم وضو کا پانی لاکر رکھتا، اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی اٹھ کر خود دروازہ بند کر دیتے، پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا یہ کسی کو خبر نہ ہوتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، اور تمام رات ان پر غیر معمولی کیف و مستی اور بیخودی و وارفتگی طاری رہتی، جس کا اظہار حسب ذیل اشعار سے ہوتا تھا جو کبھی کبھی دن کے وقت ان کی زبان مبارک سے سنے جاتے

عشقے ز تو دارم اے شمع چہ گل ۔۔۔ دل داند و من دانم و من دانم و دل
بارے بتماشائے من و شمع بیا ۔۔۔ کز من دکے نماند وازوے دودے

قطعہ

تنہا منم و شب و چراغے ۔۔۔ مونس شدہ تا بگاہ روزم
گاہش ز آہِ سرد بکشم ۔۔۔ گاہ از تف سینہ بر فروزم

صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، کچھ نوش جان فرمالیتے، بقیہ تقسیم کر دینے کو حکم دیتے، صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں، انہی خمار آلود آنکھوں

---

۱ سیر الاولیاء ص ۱۳۰ و ۱۲۴

کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا،

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب　　　کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[1]

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہی "نہنگ دریاے وحدت، پلنگ بیدا ے محبت و معرفت، مسند نشین سپہر صدق و صفا[2] ملک الاتقیاء، قدوۂ مشائخ عظام اور عارف معارف ربانی،، کہلاتے تھے[3] خود فرماتے تھے کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ میں ہے، یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہوگا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کرکے تعطل اور غفلت میں کیوں گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہے[4]،

جس حجرہ میں عبادت کرتے اُس میں سے عود کی ایسی خوشبو آتی رہتی، ایک بار دہلی کے قوال مولانا ظہیر الدین حضرت خواجہ سے ملنے ان کے حجرہ کے پاس آئے تو عود کی خوشبو سونگھ کر سمجھے کہ اندر عود جل رہا ہے، لیکن حجرہ کا دروازہ کھولا گیا تو وہاں کوئی چیز جل نہیں رہی تھی، ان کی حیرت کو دیکھ کر حضرت خواجہ نے فرمایا یہ عود کی خوشبو نہیں ہے، کسی اور چیز کی ہے، اسی طرح ایک بار حضرت خواجہ نے اپنا ایک کمل قاضی محی الدین کاشانی کو دیا، تو اس سے ایک خاص قسم کی خوشبو آتی تھی، جو بہت دنوں تک رہی، قاضی محی الدین نے اس کو دھوڈالا تب بھی وہ خوشبو باقی رہی، قاضی محی الدین نے حضرت خواجہ سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا "قاضی ایں بوے محبت باری تعالیٰ است"،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۰، [2] سیر العارفین ص ۵۹ [3] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین
[4] فوائد الفواد ص ۲۴۴،

ایں بوے نہ بوے بوستانست ایں بوے ز کوے دوستانست

خلق اللہ کی محبت مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندی کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا، یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو نقل ہی کرنا چاہتے تھے کہ محبوبؒ الٰہی نے خود ہی فرمایا۔

"بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اسے سن کر اس سے دوچند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں ان پر بڑا تعجب ہے[1]"

چنانچہ خدا کی مخلوق کو اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا اسکا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا، معمولی مثال یہ ہے کہ صوم دہر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس قدر بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۰، اردو ترجمہ ص ۴۴، فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۶، نیز دیکھو سراج المجالس ص ۱۴۰،

یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ،

"چندیں مسکینان و درویشاں در کنج ہائے مساجد و دوکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ

افتادہ اند، ایں طعام در حلق من چہ گونہ فرو رود"[1]

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا،

جود و سخا بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ جب اپنے مرشد کی خدمت میں تھے تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھکر مرشد کے لئے لوبیا خریدی، اور اس کو جوش دیکر ان کی خدمت میں پیش کیا، اس میں نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا، انھوں نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمھارے باورچی خانہ میں شتر من نمک خرچ ہوا کرے[2]، مرشد کی دعا سے حضرت محبوبؒ الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا، کئی ہزار فقرا، اور مساکین روزانہ مطبخ سے کھانا کھاتے. پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام دن جو چیزیں خانقاہ میں آتیں شام تک تقسیم کر دیجاتیں، خانقاہ میں دنیاوی ساز و سامان جمع ہوجاتے تو ان کو دیکھ کر حضرت محبوبؒ الٰہی پر گریہ طاری ہوجاتا، اگر کسی وقت کوئی قیمتی چیز بطور تحفہ آجاتی تو اور بھی زیادہ آہ و بکا کرتے اور ہدایت دیتے کہ اس کو جلد از جلد تقسیم کر دیا جائے، خدام فوراً تعمیل کرتے، اور جب سارا مال تقسیم ہو کر محتاجوں کو پہنچ جاتا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا، ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے، تمام حجروں اور انبار خانوں کو یہاں تک خالی کراتے کہ جھاڑو دیدی جاتی، اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے،[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۸، اخبار الاخیار ص ۵۴ [2] سیر الاولیاء ص ۱۳۴ میں اس واقعہ کی تفصیل کچھ مختلف ہے [3] سیر الاولیاء ص ۱۳۰

پھر بھی خانقاہ میں غریب الوطن، مسافر، یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ جاتا، کپڑا، نقدی، تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ میں موجود ہوتا آنے جانے والوں کو دیدیا جاتا۔ جوامع الکلم میں ہے کہ ہر عرس کے موقع پر تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا، اور کچھ نقد رقم بھی بھیجی جاتی، ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی، مکانات کو جلتے دیکھ کر حضرت محبوبؒ الٰہی رونے لگے، جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلاکر فرمایا جاؤ ان سب گھروں کو جو جل گئے گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی، دو ٹنکہ زر لے جاؤ، اور گھر والوں کو دلاسا دو، نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے قریب لٹ گیا، وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدینؒ کی ایک سفارش لے کر حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں پہنچا، حضرت محبوب الٰہی نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے اس سوداگر کے حوالہ کردو، چاشت تک بارہ ہزار ٹنکے آئے، یہ ساری رقم سوداگر کو دیدی گئی (نیز دیکھو مطلوب الطالبین ورق ۴۰)

ایک بار ایک درویش آیا، حضرت محبوبؒ الٰہی کے افطار کا وقت تھا، دسترخوان سامنے بچھا ہوا تھا، اس پر زنبیل کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے، درویش سمجھا کہ حضرت محبوبؒ الٰہی افطار کر چکے ہیں، اور یہ ٹکڑے دسترخوان پر باقی رہ گئے ہیں، اس نے وہ تمام ٹکڑے دسترخوان سے چن لئے اور ہاتھ میں لے کر چلا گیا حضرت محبوبؒ الٰہی یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا،

ہنوز در کار ما خیریت بسیار است کہ گرسنہ می دارند این حال بعد دو فاقہ بود

کہ آن درویش را از غیب رسانیدند، (سیر الاولیاء ص ۱۴۲)

روضۃ الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے، کہ تین ہزار اہلِ علم طلبہ اور مرید کو حضرت خواجہ کے یہاں سے وظیفے ملا کرتے تھے، (ص ۵۵)

استغنا: اس جود و سخا کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچتے کہ آہ یہ لوگ درویش کو غارت کرتے ہیں[1]

ایک بار ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ، کچھ زمین اور دوسرے قسم کا ساز و سامان باضابطہ ملکیت نذر کرنا چاہا، لیکن حضرت محبوب الٰہی نے ان کو قبول نہیں کیا۔ اور مسکرا کر فرمایا، کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کر لوں تو لوگ مجھکو یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے، اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتا ہے، یہ میرے لئے بالکل مناسب نہیں پھر اشکبار ہو کر فرمایا،

" از خواجگان او مشائخان ما ہیچکس از ین قبول نہ کردہ است"[2]

حضرت محبوبؒ الٰہی کے ابتدائی زمانہ کی عسرت و تنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو ان کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے اور کہلایا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گذاروں کے لئے مقرر کر دوں، تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں، لیکن حضرت محبوبؒ الٰہی نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گذاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ ہے، لیکن جب بعض خدمت گذاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ یہ گاؤں نہ لیں، لیکن ہم لوگوں کا حال فقر و فاقہ سے نازک ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۳۰ [2] فوائد الفواد ص ۹۹

اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا، اور طے کر لیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت
مجھ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہوگا، مگر جب اپنے اور دوسرے
یاران طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرنے کے بارہ
میں مشورہ کیا، تو انھوں نے متفقہ طور پر گذارش کی کہ مولانا نظام الدین! ابھی جو
آپ کے یہاں وقت بے وقت روٹی کھا لیتے ہیں تو یہی بہت غنیمت ہے لیکن
اگر آپ نے گاؤں قبول کر لیا، تو اس کے بعد ہم پانی بھی نہ پئیں گے، اس جواب
کو سن کر حضرت محبوبؒ الٰہی خوش ہوئے، اور فرمایا الحمد للہ دین کے کاموں
میں تم ہی میرے مددگار ہو، دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہئے،[1]

امیر خسرو نے ان کی شان استغنا ہی پر فرمایا ہے۔ (سیر الاولیا ص ۱۳۰)

در حجرۂ فقر بادشاہی — در عالم دل جہاں پناہی

شاہنشہ بے سریر و بے تاج — شاہانش کجا کیائے محتاج

بردباری: فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت محبوبؒ الٰہی سجادہ پر رونق افروز تھے کہ ایک جوالقی
پہنچا، اور گالیاں دینے لگا، حضرت محبوبؒ الٰہی نے گالیوں کو خاموشی سے سنا اور برداشت کیا، مزید
یہ کہ جوالقی نے جو کچھ مانگا عطا کیا، اور حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا، میرے پاس بہت سے لوگ
آتے ہیں، اور چیزیں لاتے ہیں، ایسے شخص کو بھی آنا چاہئے جو مجھ کو برا کہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ ایک موقع
پر ایک شخص آیا، اور مجھ سے ناگفتہ بہ باتیں کیں، میں نے اس سے کہا کہ جب تک دنیا میں
ہوں مجھ سے جرم سرزد ہوگا، اور تجھ سے عفو،

فوائد الفواد ہی میں ہے کہ حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت محبوبؒ الٰہی

---

[1] سیر الاولیا، ص ۱۴۴، ۱۱۵

سے کہا کہ آپ کے لیے بعض لوگ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا سننا مشکل ہے، فرمایا جو مجھ کو برا کہتے ہیں، میں نے ان کو معاف کیا، مجھ کو برا کہنے والوں سے تکرار کرنے کی ضرورت نہیں،

مخالفین سے حسن سلوک اللہ کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے،

غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا دشمن ہو گیا تھا، اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت محبوب الٰہیؒ کو ملی تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی، اور اس سے جو تکلیفیں پہنچی تھیں، اُن کو معاف کر کے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت کے لئے دعائیں کیں[1]،

مولانا ضیاء الدین سنامیؒ اپنے وقت کے متشرع متقی اور دیانتدار عالم تھے احتساب پر ایک کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی، اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہیؒ کے سماع پر احتساب کرتے رہے، اور شد و مد سے ان کی مخالفت کی لیکن جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، مولانا ضیاء الدین سنامی نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدموں کے پاس بچھا دی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا جب وہ مولانا ضیاء الدین کے پاس پہنچے تو مولانا سنامی آنکھیں چار نہ کر سکے، حضرت محبوب الٰہیؒ اٹھ کر باہر چلے آئے، لیکن اسی وقت خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کر گئی، محبوب الٰہیؒ رونے لگے، اور فرمایا کہ ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا[2]،

---

[1] سیر العارفین ص ۱۰۰ [2] اخبار الاخیار ص ۱۰۲ و مطلوب الطالبین قلمی نسخہ ص ۶۶،

مریدوں کی تربیت و اصلاح | اپنے مریدوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے حضرت امیر خسرو سے انکو جو شیفتگی تھی وہ آج بھی ضرب المثل ہے، مگر محبت کے ساتھ مریدوں کی تربیت میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتے تھے، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کی بیعت محض اس لئے فسخ کر دی کہ وہ کمبل کو دوتہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اس کو ان کی تن پروری اور راحت پسندی پر محمول کیا، اس کی تفصیل آیندہ اوراق میں آئے گی، حضرت جلال الدین اودھی اپنے زہد و ورع، ترک اور تجرید کے لحاظ سے ممتاز مریدوں میں تھے، ان کے ساتھیوں نے ان سے درس و تدریس کی خواہش ظاہر کی، مرشد سے اسکی اجازت چاہی تو مرشد نے فرمایا کہ وہ کسی اور ہی کام کے ہیں لیکن مریدوں کی دلجوئی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب مثل پیاز کے تہ بہ تہ ایک ہی ہیں، خواجہ مؤید الدین کرہ، سلطان علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ میں اس کے جان نثاروں میں تھے مگر ترک دنیا کر کے حضرت محبوبؒ الٰہی کے آستانہ پر جبین سائی کرنے لگے، علاء الدین جب بادشاہ ہوا تو ایک حاجب کو حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں بھیج کر پیام دیا کہ خواجہ مؤید الدین کو رخصت کر دیں تاکہ میرا کام بنائیں، حضرت محبوبؒ الٰہی نے فرمایا کہ ان کو ایک اور کام درپیش ہے، اور اسی میں کوشش کر رہے ہیں، شاہی حاجب کو یہ جواب گراں گذرا اور اس نے کہا کہ مخدوم! آپ چاہتے ہیں کہ اپنے جیسا سب کو کر لیں، حضرت محبوبؒ الٰہی نے فرمایا، اپنا جیسا کیا میں اپنے سے بہتر کرنا چاہتا ہوں، سلطان علاء الدین کو جب اس جواب کی اطلاع دی گئی تو وہ خاموش رہا، حضرت خواجہ شمس الدین دھاری شاہی ملازمت میں دیوان کے عہدہ پر مامور تھے مگر اس عہدہ کو چھوڑ کر حضرت محبوبؒ الٰہی کے مرید ہو گئے اور ان کے ملفوظات کو جمع کر کے ان کو

مرتب بھی کیا، ایک دن مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو آنے جانے والوں کے لئے ایک مکان بنا لوں، مرشد نے فرمایا کہ یہ کام اس کام سے جس کو تم نے چھوڑا ہے کم نہیں ہے[1]

حضرت قطب الدین منور اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ساتھ خلافت دی پہلے خلافت نامہ حضرت قطب الدین منور کے ہاتھ میں دیکر دو رکعت نماز ادا کرنے کو فرمایا اور جب وہ جماعت خانہ میں نماز ادا کر رہے تھے، تو حضرت شیخ نصیر الدین کو خلعت خلافت عطا کیا، پھر حضرت شیخ قطب الدین منور کو بلا کر فرمایا شیخ نصیر الدین کو خلافت کی مبارکباد پیش کرو، اور جب وہ مبارکباد پیش کر چکے تو شیخ نصیر الدین سے فرمایا اب تم قطب الدین کو خلافت کی مبارکباد دو، شیخ نصیر الدین نے مبارکباد دی، پھر دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں اور جب وہ مل رہے تھے تو فرمایا تم دونوں بھائی ہو، خلافت کی تقدیم و تاخیر کو خاطر میں نہ لانا، دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی کیا[2]

حضرت محبوب الٰہیؒ اپنے مریدوں میں قاضی محی الدین کاشانی کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے، ان کو اپنے علم، حلم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لاکر چاک کر دیا اور فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے، حضرت محبوب الٰہیؒ ان کے علمی تبحر کی وجہ سے انکی بڑی قدر کرتے تھے جب وہ ان کی خدمت میں آتے تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے، جب وہ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی، خلافت کے وقت یہ تحریر بھی عطا ہوئی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۱ و ۱۰۲ [2] سیر الاولیا ص ۲۴۸ - ۲۴۹

می باید کہ تارک دنیا باشی و بسوے
دنیا و ارباب دنیا مائل نشوی و ہیچ
قبول نکنی و صلۂ پادشاہان نگیری
واگر مسافران بر تو رسند و بر تو
چیزے نباشد ایں حال را غنیمت
شمری از نعمت ہاے الٰہی فان
فعلت ما امرتك فظنی بك
ان تفعل کذالك فانت خلیفتی
وان لم تفعل فالله خلیفتی علی المسلمین

چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ، دنیا اور
اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہو، گاؤں جاگیر
قبول نہ کرو، بادشاہوں سے صلہ نہ لو، اگر
تمھارے یہاں مسافر آئیں اور تمھارے
پاس کوئی چیز نہ ہو تو اس حال کو غنیمت
جانو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور
کرو، پس اگر تم نے ایسا کیا جس کا میں تم کو
حکم دیتا ہوں اور جس کی نسبت میرا گمان
ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو تم میرے خلیفہ ہو،

ارادت کے بعد قاضی محی الدین کاشانی کے یہاں بڑی تنگی ہو گئی اور بچے فاقے سے تنگ آنے لگے، ان کے گھر کی اس عسرت کا حال کسی نے سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیا، سلطان علاء الدین نے کہا کہ صوبہ اودھ کا عہدۂ قضا ان کا موروثی حق ہے، میں انکو یہ بھی دوں گا، اور انعام میں جاگیر اور گاؤں بھی پیش کروں گا، چنانچہ اس کے لئے ایک فرمان بھی جاری کیا، قاضی محی الدین کاشانی کو فرمان کی خبر ملی تو مرشد کی خدمت میں آئے، اور عرض کیا کہ بادشاہ نے میری رضامندی کے بغیر ایسا فرمان جاری کیا ہے، مرشد نے یہ بات سنی تو رنجیدہ خاطر ہوئے، اور فرمایا تمھارے دل میں یہ بات آئی ہوگی تو سلطان نے یہ فرمان جاری کیا ہوگا، یہ کہہ کر حضرت محبوبؒ الٰہی نے قاضی محی الدین کی طرف سے اپنی توجہ اور تلطف کی نظر پھیر لی، اور ایک سال تک ملتفت نہ ہوئے، ایک سال کے بعد قاضی صاحب کو دوبارہ مرید فرمایا،

خلفا میں حضرت بابا گنج شکرؒ کے ایک نواسے مولانا خواجہ سید محمد امام بھی تھے، وہ نماز میں محبوبؒ الٰہی کی امامت کرتے تھے، جب وہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھتے تو حضرت محبوبؒ الٰہی پر رقت طاری ہوجاتی، حضرت نے نماز کے بعد کئی بار ان کو لباس خاص عطا فرمایا، مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام سے اونچی جگہ پر نہ بیٹھ سکتا تھا جب خواجہ محمد نہ ہوتے تو ان کے بھائی خواجہ محمد موسیٰ امامت کیا کرتے تھے، دونوں حضرت کے دسترخوان پر برابر شریک رہتے، اور وہی دسترخوان کی دعا پڑھا کرتے،

مرشد کے اعزہ اور مریدوں سے محبت | ایک روز حضرت بابا گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پوتے خواجہ عطا حضرت محبوبؒ الٰہی کے پاس آئے اور دوات و قلم سامنے رکھ کر کہا کہ فلاں امیر کو رقعہ لکھ دو کہ وہ مجھکو کچھ دے، حضرت محبوبؒ الٰہی نے عذر فرمایا کہ اس امیر کی آمد ورفت میرے یہاں نہیں ہے، تم کو اس سے جو توقع ہو بیان کرو، میں اپنے پاس سے دینے کی کوشش کروں گا، خواجہ عطا نے جواب دیا کہ جو تمہارے دل میں آئے دیدو، لیکن رقعہ بھی دیدو، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، یہ درویشوں کا طریقہ نہیں، خواجہ عطا نے محبوبؒ الٰہی کو برا بھلا کہنا شروع کیا کہ تم میرے دادا کے مرید ہو ہم لوگوں کے غلام ہو، ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں، اور تم نہیں لکھتے، یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی، اور غصے سے اٹھ کر جانے لگے، حضرت محبوبؒ الٰہی نے ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑ لیا، اور فرمایا، ناخوش ہو کر مت جاؤ، خوش ہو کر جاؤ،[1]

حضرت بابا گنج شکرؒ کے ایک مرید محبوبؒ الٰہی کے پاس آئے اور عرض کی کہ میرے پانچ چھ لڑکیاں ہیں، مجھ کو کسی کے سپرد کر دیں کہ وہ میری خیر گیری کرے، اتفاق سے

---

[1] خیر المجالس ص ۱۰۶، سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۴۹-۵۰،

اسی وقت علاء الدین خلجی کا عارض مالک ظفر خاں حضرت محبوبؒ الٰہی کے پاس آیا، حضرت محبوبؒ الٰہی نے اس سے سفارش کی، ظفر خاں نے تعظیم بجا لاکر کہا کہ گھر اور کھانا موجود ہے، آپ ان سے فرما دیں کہ وہاں چل کر رہیں، میں ہر طرح خدمت کرتا رہونگا۔[1]

غذا | حضرت محبوبؒ الٰہی ہمیشہ صائم الدہر رہے، صرف افطار اور سحری کے وقت کچھ تناول فرماتے، افطار کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلے کے ساتھ کھاتے، کبھی چاول بھی کھا لیتے، دستر خوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے تھے، ان کی خاطر دیر تک کھاتے رہتے، کبھی اپنے پیالہ میں ہاتھ ڈالے رہتے، تاکہ اور لوگ ان کو کھانا ختم کر کے دیکھ کر ہاتھ نہ روک لیں، کبھی کسی پر شفقت فرماتے تو اپنے کھانے کا کچھ حصہ خوان میں رکھ کر اس کے یہاں بھجوا دیتے تھے، سحری کے وقت کھانے کی چیزیں لائی جاتیں تو کچھ چکھ لیتے اور بقیہ کو تقسیم کر دینے کا حکم دیدیتے، بھوکوں کو یاد کرکے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتا، اور لقمہ فرو نہ ہوتا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، دستر خوان پر کبھی ادھ چبے نوالے پائے جاتے، اس کی وجہ یہ ہوتی، کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا، اس کو دہن مبارک سے نکال کر دستر خوان پر رکھ دیتے، خانقاہ میں فقراء اور مہمانوں کے لئے انواع و اقسام کے کھانے پکتے، مگر خود ان کی لذت سے نا آشنا رہتے مغرب کے بعد کی مجلس کے لئے شہر سے مختلف قسم کے کھانے پینے کی چیزیں آتیں تو حاضرین میں تقسیم کر دیجاتیں، ان کی تواضع کے لئے ہر ایک سے خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کی لذت پوچھتے رہتے، (سیر الاولیاء ص ۱۲۴، ۱۲۸)

لباس | لباس میں بھی درویشانہ شان ہوتی تھی، مرشد کی صحبت میں جب اجودھن میں

---

[1] سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۱۲، خیر المجالس کے فارسی متن میں ظفر خاں کے بجائے نبیسہ ظفر خاں ہے۔

یتیم تھے، کپڑے میلے اور جا بجا شکستہ ہوگئے تھے، ناداری کی وجہ سے نہ صابن خرید سکتے اور نہ پیوند لگا سکتے تھے، سیر الاولیا کے مصنف کی دادی نے ایک روز اصرار کرکے کپڑے دھو دیئے، اور پیوند بھی لگا دیئے، تو اس احسان کو تمام زندگی یاد کرتے رہے،

(سیر الاولیا ص ۱۱۵)

محبت رسول | محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ وصال سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ "نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے" اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لئے بے چین رہے،

وفات سے چالیس روز پہلے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا، اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا تھا، کبھی کچھ کھانے کے لئے اصرار کیا جاتا تو فرماتے،

"کسیکہ مشتاق حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم باشد او طعام دنیا چگونہ"

وصال | مرض الموت کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لئے کہا گیا، لیکن فرمایا،

ع درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں، غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لئے رکھ لیا تھا، اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہوکر فرمایا کہ اس کو بھی لٹادو اور پھر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، نماز کا وقت آتا تو ایک ہی وقت کی نماز کئی بار پڑھتے، پھر بھی تسکین نہ ہوتی اور فرماتے،

"می رویم دمی رویم دمی رویم،

وفات سے کچھ پہلے بقیۂ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفا کو عطا کیں اور ان کو

خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کو بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح، اور کاسۂ چوبیں دیکر فرمایا،

"شمارا در دہلی باید بود، و جفاے مردم باید کشید"

اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی، اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا، تو یہ آفتاب دین ابد کے پردوں میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ[1] ہے، مطابق ۱۳۲۴ء تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ جنازہ کے ساتھ قوال بھی تھے، جو یہ غزل گاتے جاتے تھے، یہ غزل سعدی کی ہے،

سرو سیمینا بہ صحرا می روی	نیک بد عہدی کہ بے ما می روی
کس بدیں شوخی و عداب رفت	چوں چنیں با عمداً می روی
اے تماشا گاہِ عالم روے تو	تو کجا بہر تماشا می روی

مزار پر انوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے، وصیت یہ تھی کہ ان کو صحرا میں دفن کیا جائے، اور قبر کے لئے کوئی عمارت نہ بنائی جائے، اور ایسا ہی کیا گیا، لیکن بعد میں سلطان محمد بن تغلق نے روضۂ مبارک کی عمارت بنوادی[1]،

ساری عمر تجرد میں گذار دی، اس لئے کوئی اولاد نہیں تھی، مگر ان کی معنوی اولادوں نے ان کی تعلیمات کو جاری رکھا،

محبوبؒ الٰہی کے ملفوظات | محبوبؒ الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف

---

[1] اوپر کی تفصیل سیر الاولیاء ص ۱۵۵-۱۵۴، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۳۲ اور مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین و مطلوب الطالبین قلمی نسخہ ورق ۹۰ میں ملے گی،

کی ہے، حسب ذیل ہیں،

(۱) فوائد الفواد (۲) فضل الفواد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء

اول الذکر کو خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا ہے، جو محبوبِ الٰہی کے محبوب خلفاء میں تھے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ، حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگانِ دین کی فاتحہ خوانی کے لئے پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزی اپنے دوستوں کے ساتھ رندانہ مشاغل میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں حضرت محبوبِ الٰہی کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے، ان کو بچپن کی صحبت یاد آگئی، اور محبوبِ الٰہی کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے،

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم | گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست
زہدِ تاں ایں فسق مارا کم نکرد | فسقِ ما محکم تر از زہدِ شماست

محبوبِ الٰہی نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے، تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت انکا دل جاری ہو گیا، قدموں پر گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوبِ الٰہی کے مرید ہو گئے اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی[1]، مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۲۲ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی وہ چشتیہ سلسلہ کے اور

---

[1] خواجہ شمس الدین دھاری نے بھی حضرت محبوبِ الٰہی کے ملفوظات جمع کئے تھے، مگر اس کا نام نہ معلوم ہو سکا، [2] سیر العارفین ص ۷۷، و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴،

مشایخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ

"اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں، اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا،[1]

حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ مولانا علاء الدین نیلی ہمیشہ اسی کو پڑھا کرتے تھے، اور جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کوئی اور کتاب کیوں نہیں پڑھتے تو فرمایا، میری نجات اسی سے ہے،

مرا نسیم تو باید صبا کجا است کہ نیست
کجاست زلف تو مشک خطا کجا ست کہ نیست

(سیر الاولیاء ص ۳۷۰)

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے، کہ

"دریں ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است.[2]

عہد ہمایوں کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے، (ص ۷۴)

"فوائد الفواد اہل ہند کے لئے مونس جان اور رہبری راہ ہے،

فرشتہ رقم طراز ہے:۔

"کتاب الفواد، بشرف قبول و تحسین سر فراز گشت"[3]

مرآۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبد الرحمٰن چشتی لکھتے ہیں:۔

"امروز آں فوائد الفواد مقبول اہل دلان عالم شدہ است و دستور عاشقاں

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۵، فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں: "امیر خسرو براں رشک ...... بردہ گفت کاش شریف قبول و تحسین آں نسخہ تصنیف آں بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی۔ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰، [3] فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۵،

گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ ؎

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیار کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"کتاب فوائد الفواد از ملفوظاتِ حضرت شیخ تالیف کردہ وی (خواجہ حسن) است و بنایت مقبول افتادہ"[1]

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفواد کے نام سے مرتب کئے ہیں[2] مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں حضرت محبوبِ الٰہی کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے، جس میں ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظ درج کئے ہیں[3]

خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد بھی حضرت محبوبِ الٰہی کے مرید تھے، انھوں نے بھی سیر الاولیار میں ان کے ملفوظات جمع کئے ہیں، اس کتاب میں خواجگانِ چشت کے حالات بھی ہیں، اور آخر میں محبوبِ الٰہی کے ملفوظات بھی ہیں،

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامتِ توبہ، ایمان، استغراق، نماز، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترکِ دنیا، جہد و طاعت مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھیں، جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمات ملاحظہ ہوں:۔

رہروانِ سلوک کی قسمیں حضرت محبوبِ الٰہی نے راہ سلوک کے رہرووں کی تین قسمیں

---

[1] خزینۃ الاصفیار جلد اول ص ۳۲۶ [2] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۰۱۵ [3] ایضاً ص ۹۷۳، بعض اور مریدوں نے حضرت محبوبِ الٰہی کے ملفوظات جمع کئے، لیکن یہ مشہور نہ ہو سکے،

بتائی ہیں، (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع، اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں، اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو، وہ واقف ہیں، اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں، (فوائد الفواد ص ۱۶)

راہ سلوک کی لغزشیں | اس راہ میں مندرجۂ ذیل لغزشیں ہیں، (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید، (۵) سلب قدیم، (۶) تسلّی، (۷) عداوت۔

اس کی تفصیل یہ بتائی ہے، کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے جو معشوق کے لئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منھ پھیر لیتا ہے، اس کو اعراض کہتے ہیں، عاشق کو چاہئے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کے دور کرنے کے لئے عاشق خضوع و خشوع کیساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا، تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کر دیتا ہے، جس کو تسلّی کہتے ہیں، اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہو جاتی ہے، (فوائد الفواد ص ۱۶-۱۷)

عزیمت | سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی یاد کا جویاں ہونا چاہئے، اس کا نام عزیمت ہے، اور پھر اس عزیمت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہئے (فوائد الفواد ص۱۸) جب سالک عبادت اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ

کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے، اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے (فوائد الفواد ص۱۲۰)

اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت میں ذوق و شوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یاد حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہو جاتی ہے (فوائد الفواد ص۹۱)

فراغت قلب | اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبتِ ذات، دوسری محبت صفات، اول الذکر موہبت الٰہی ہے اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبتِ الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام میں مصروف رکھنا چاہیے، فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں، (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس اور (۴) شیطان مگر دفع خلق کے لیے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت اور دفع نفس و شیطان کے لئے اللہ جل شانہ سے التجا، فریاد گریہ و زاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے،

عشق و محبت | درویش اہلِ عشق ہوتے ہیں، اور علماء اہلِ عقل، جب تک اللہ جل شانہ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے، تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا، اہلِ محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں، اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے، تو سجدۂ سہو بجالاتے ہیں، (افضل الفوائد)

صبر، رضا، توکل | اس راہ میں صبر، رضا، اور توکل لازمی چیزیں ہیں، بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلا و مصیبت کے وقت دل میں کراہت کا اظہا

نہ ہونے دینا رضا ہے، جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقۃً ایسا نہیں، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا، (فوائد الفواد ص ۵۳) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم و دانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہوتا ہے وہ اپنے غسالوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں، محبوبِ الٰہی کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، (فوائد الفواد ص ۵۴) فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے جب وہ دنیا اور ما اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو، (فوائد الفواد ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے، وہ کاذب ہے (فوائد الفواد ص ۸۵) عارف کے نشتر مقامات ہیں ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے، اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے، تو وہ بدترین آدمی ہے، (فوائد الفواد ص ۲۱۶)

بنیادِ حق | سالک کے لئے یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے :-

(۱) وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا، (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اس کو نیند آجائے تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرلے، (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے (۴) غیرِ حق سے ہمیشہ سکوت

اختیار کرتا ہو، (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو، (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو،

سالک کا پرہیز ایک دوسرے موقع پر فرمایا، کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے (۱) دنیا خصوصاً صحبتِ اغنیار (۲) ماسوی اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم محبت نہ ہو، (افضل الفوائد نسخہ قلمی ص ۶)

توبہ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو (فوائد الفواد ص ۲۵) اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے، (فوائد الفواد ص ۵۰-۳۹-۱۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے مگر طاعت سے ہزار مرتبہ، جس طاعت میں ریا کی آمیزش ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے،

ظاہری اخلاق حضرت محبوبِ الٰہی نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے، (۱) کم کھانا (۲) کم بولنا (۳) کم سونا، اور (۴) لوگوں سے میل جول کم رکھنا،

حقوق العباد مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جا بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے، فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک و تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہے اور مغرب میں ایک مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اس کو یہاں درد محسوس ہو، (افضل الفوائد قلمی نسخہ)

عیب پوشی درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بد دعا نہ نکلے، اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے، پردہ پوشی تمام عبادتوں

میں افضل ہے، (افضل الفوائد قلمی نسخہ)

حقوقِ ہمسایہ | ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ (افضل الفوائد قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۲۹)

پابندی شریعت | شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے، اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں، کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شروع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں، ایک اور موقع پر فرمایا کہ انچہ نا مشروع ست ناپسندیدہ است، یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے، وہ بری ہے (فوائد الفوا ص ۲۴) وجد و حال، ذوق و کیف اور استغراق و تحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی تو ان کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں، جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں (فوائد الفوائد ص ۱۲۴) اسی لئے ملفوظات میں ذوق و کیف اور استغراق و تحیر کے ساتھ نماز، روزہ، سنن و نوافل، تلاوت قرآن پاک، تراویح، احترام شریعت، اور اتباعِ سنت کی جابجا تاکیدیں ہیں، خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے فرمایا کہ

"اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت باشد، اما ثواب جماعت باشد، آں وقت را باید کہ بجا بہ ایستد" (فوائد الفوائد ص ۱۰۲)

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبرسنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لیے خانقاہ کے کوٹھے سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز

کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں
شرکت نہیں کرتا، تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر دو جمعہ
ناغہ کرتا ہے تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا
تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے، (فوائد الفواد ص ۱۳۱)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ نے حضرت محبوب الٰہی کو نصیحت فرمائی
تھی کہ راہ سلوک میں روزہ، کھانا نصف راہ ہے، اور بقیہ نصف راہ نماز اور
حج سے طے ہو جاتی ہے، حضرت محبوبؒ الٰہی نے اسی کی تعلیم اپنے مریدوں کو دی، اس کے
علاوہ اپنی مجلسوں میں احکام الٰہی کی تلقین زیادہ تر کلام الٰہی کی تفسیر کے تحت فرماتے،
احادیث نبویؐ کی بھی بڑی تعظیم کرتے، ایک موقع پر فرمایا کہ وہ ملک کیونکر آباد
رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبویؐ پر ترجیح دی جاتی ہو،

اظہار کرامت | کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ

"کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی، راستی گدائے بیچارہ
می باید بود"

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن نوری دجلہ کے
کنارے پہنچے تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن
نوری نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں صاحب ولایت و کرامت
ہوں گا، تو تمہارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی،
اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی، نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق
واقعی اسی وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہٗ کو ملی

تو انھوں نے فرمایا کاش اس جال میں ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا کہ وہ ہلاک ہوجاتے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ انکو کاٹ لیتا تو وہ شہید ہوجاتے، لیکن ایسی کرامت کے بعد زندہ رہے تو دیکھنا پڑیگا کہ انکا خاتمہ کس طرح ہوا، (فوائد الفواد ص ۱۷۳)

سماع| سلسلۂ چشتیہ میں سماع جائز ہے، فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزوں ہے، اس لئے حرام نہیں، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یاد حق کے لئے ہے تو مستحب ہے، لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے، (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں:-

(۱) انوار

(۲) احوال

(۳) آثار

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہیں:-

(۱) ملک

(۲) جبروت

(۳) ملکوت

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں،

(۱) ارواح

(۲) قلوب

(۳) جوارح،

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں (انوار، پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں) آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے۔ (ص ۲۰۴) وقت جنبش اور ہیجان پیدا کرنیوالے سماع کو راجم کہتے ہیں لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا ایسی چیز کی طرف منسوب کرے جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر راجم ہے۔ (فوائد الفواد ص ۱۱۴)

سماع کے لئے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں :۔

(۱) مسمع یعنی سنانے والا، لڑکا اور عورت نہ ہو،

(۲) مسموع یعنی جو چیز سنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو،

(۳) مستمع یعنی جو سنے، وہ صرف خدا کے لیے سنے،

(۴) آلات سماع مثلاً چنگ رباب اور دوسرے مزامیر نہ ہوں (ص ۲۳۶،

محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں۔ (فوائد الفواد ص ۹۵)

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی، اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے، لیکن ہمارے علمائے احناف اس کے خلاف ہیں، لیکن، اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہو گا وہی صحیح ہو گا، مریدوں میں سے ایک نے گذارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفل سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب

محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے جہاں مزامیر تھے، اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی، کہ اس جگہ مزامیر بھی ہیں، محبوب الٰہی نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں، اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں (فوائد الفواد ص ۲۲۷)

افضل الفواد میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے کہ سماع کے وقت نعرہ لگانا، آہ، آہ کی آواز بلند کرنا، فریاد کرنا وغیرہ ناقصوں کا کام ہے، اور فعل شیطانی ہے، وہ یہ بھی فرماتے کہ مجلس سماع میں شرکاء باوضو رہیں، صاف اور تازہ کپڑے پہن کر شریک ہوں مجلس میں عود اور اگر کی خوشبو ہو،

خلفاء حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء کی فہرست بڑی لمبی ہے، بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (دہلی) حضرت شیخ قطب الدین منور (ہانسی) حضرت شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پٹن) حضرت شیخ برہان الدین غریب (دیوگیری) شیخ اخی سراج الدین (مالدہ۔ بنگال) مولانا علاء الدین نیلی مولانا فخر الدین زرادی، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا شمس الدین یحیٰی، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیاء جلد ا ص ۳۳۸ میں امیر خسرو کو بھی ان کا خلیفہ بتایا گیا ہے،

تبلیغ و اشاعت اسلام ان خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی روحانی اثرات پیدا کئے۔ حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اس کے اطراف بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ نے دکن کو اپنے مرشد کی برکات سے مستفیض کیا، جناب خواجہ حسن نظامی کا بیان ہو کہ چین میں بھی حضرت محبوب الٰہی کے ایک خلیفہ تھے ان کا اسم گرامی خواجہ سالار رہن دین تھا، خود تاخ چین میں سلسلۂ نظامیہ قائم کرکے اسلام کی تبلیغ کی،

حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتیؒ

نام ونسب نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا، امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد ابن دانک بن امام اعظم ابو حنیفہؒ

والد ماجد سنہ ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے، ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کی ماں تھیں،

شیخ بوعلی قلندر سنہ ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کئے، اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس وتدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علماء مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بخاری، قاضی حمید الدین، صدر شریعت مولانا فخر الدین پائلی

لہ سیر الاقطاب ص ۱۹۰

وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے،

جذب وسکر لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا، اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے، تو جذب وسکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی، اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑ میں آخر وقت تک مقیم رہے[1]،

خزینۃ الاصفیاء میں ہے، کہ معارج الولایت کے مؤلف نے شیخ بوعلی قلندرؒ کو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خلیفہ لکھا ہے[2]، لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار میں ہے۔

"بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت و بعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیاء و ہیچ یکے ازیں دو نقل بصحت نرسیدہ است[3]"

سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھیں کسی کو تراشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ان کے ہمعصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انھوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا، جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بوعلی قلندرؒ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی[4]،

خواجہ شمس الدین ترک شیخ بوعلی قلندرؒ کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے پیر طریقت تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے،

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۹ [2] ایضاً ص ۳۲۱ [3] اخبار الاخیار ص ۱۳ [4] ایضاً و خزینۃ الاصفیاء جلد اول،

حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی وعقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے، مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہنچ کر بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے، جہاں حضرت شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ ایں سلسلۂ از تو جاری باشد وتا قیامت بر پا ماند"[1]

اور اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھدی، وہ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت میں رہے، مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لئے جنگلوں سے لکڑیاں لاکر کھانا پکاتے، اور خود فقر وفاقہ سے مجاہدہ وریاضت میں مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت نہیں پائی، اس لئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہوگئے، اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، دہلی آکر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہوگئے،[2] کچھ دنوں میں انکے پاس کافی دولت ہوگئی لیکن امارت کی کسی حیثیت ان کو کوئی تعلق نہ تھا، شب وروز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے،

---

[1] مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ دارالمصنفین) وسیر الاقطاب ص ۱۸۷، [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے :-

" ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ[1] کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اسی دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی، اور بارش ہوئی کہ سپاہیوں اور سامان اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی، اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعۃً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے، وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ، اور جتنی آگ چاہتے ہو لیجاؤ، وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور روانہ ہو کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بے قراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا، اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس میں نہ پاکر حیران ہوا، اور وہاں سے واپس آکر ایک تالاب پر جو لشکرگاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلانے گیا تھا، یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا، یہانتک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کرکے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا، اور باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا، اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا، لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا

---

[1] قلعہ کا نام معلوم نہ ہو سکا۔

وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لیکر اپنے کارخانہ میں گیا، اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مردِ خدا کی عظمت و برکت کے سبب ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی تالاب پر پہنچا، اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہانتک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت نے وضو کیا، اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا، اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت جب سلطان دربارِ عام میں بیٹھا تھا، سقہ نے فریاد کی سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کیا، اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گذارش کروں، سلطان نے اس کا موقع دیا، سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا، سلطان متحیر ہوا اور اپنی خوابگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی تو سلطان [illegible] کے اندر چلا گیا، اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان تنہا ہو کر باہر نکلا، اور سقہ کے ساتھ پاپیادہ تالاب پر پہنچا پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا، یہانتک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسبِ معمول پانی میں جوش آ گیا جس کو سلطان نے خود دیکھا حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی، اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا، اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ میں پہنچکر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول

ہو گئے، سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا جب وہ نماز سے فارغ ہو چکے تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کی کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکا، حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہو گی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا، اور لشکر میں پہنچکر اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہو گیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے مسند لشکر میں پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اور حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، اپنا تمام اسباب و مال و متاع فقراء کو دیدیا، اور کمل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے، اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کئے گئے[1]"

بلبن پر بزرگان دین کے اثرات | گو ہم اپنے موضوع سے کچھ الگ ضرور ہو رہے ہیں، لیکن یہ اس لئے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیاء اللہ سے کیسی عقیدت تھی، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس کی ایک لڑکی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ سے حبالۂ عقد میں تھی، ایک موقع پر باباصاحب نے اس کے لئے دعائیں بھی کیں، بادشاہت کے زمانہ میں وہ علماء و مشائخ کی صحبت سے برابر مستفیض ہوتا رہا تاریخوں میں اس کی دینداری، خدا ترسی اور عبادت گذاری کی بڑی تعریف کی گئی ہے، مولانا ضیاء الدین برنی اس کے

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹،

متعلق رقمطراز ہیں:۔

"وہ (یعنی سلطان فیروز) عبادت، ریاضت، روزے، نفل اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق وچاشت اوابین اور تہجد کی نماز کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا، علماء کے بغیر کھانا نہ کھاتا، کھانے کے وقت علماء سے دینی مسائل پوچھتا، اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا، ہر قسم کے علماء و مشائخ کی بیحد تعظیم کرتا، بزرگان دین کی ملاقات کے لئے ان کے گھروں پر جاتا، جمعہ کی نماز کے بعد اپنی سواری کی حشمت و شوکت کے ساتھ مولانا برہان الدین بلخی کے گھر پر اترتا، اور اس عالم ربانی سے بہت ہی تعظیم و توقیر سے پیش آتا، قاضی شرف الدین بارابکی، مولانا سراج الدین سجزی، مولانا نجم الدین دمشقی کی بھی جو اس زمانہ کے ممتاز علماء تھے بڑی عزت کرتا، جمعہ کی نماز کے بعد بزرگان دین کے مزاروں کی زیارت کو بھی جاتا، شہر کے سادات مشائخ وعلماء میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا، تو ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم میں حاضر ہو کر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا، اگر اپنے دبدبہ و حشمت کے ساتھ کہیں سے گذرتا ہوتا، اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ پاس ہی مسجد میں وعظ ہو رہا ہے، تو اتر جاتا اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر وعظ سنتا، وعظ سنتے وقت اس پر رقت اور گریہ بھی طاری ہو جاتا، وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا، جو اپنے تقویٰ اور دینداری کے لئے ممتاز ہوتے اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے، اس کو وہ ضرور قبول کر لیتا۔"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۷-۳۴۸ نیز دیکھو فوائد الفواد ص ۲۳۱-۳۲۔

لیکن اس زہد و عبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمراں کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے رکنوں اور خاص خاص لوگوں سے مولانا سید نورالدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انھوں نے سلطان شمس الدین التتمش کے سامنے کہا تھا، یہ وعظ طویل ہے، لیکن اس کا ایک حصہ یہ ہے، کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہ حق میں خرچ کرتا رہے، لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کرتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو، اور عدل و انصاف سے کام نہ لیتا ہو، تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ التتمش جب وعظ کے اس حصے کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا۔[۱]

حضرت شمس الدین ترک اور حضرت بوعلی قلندر

جب حضرت شمس الدین ترکؒ کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا، شیخ بوعلی قلندر خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا، وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھ کر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھکو عطا کیا ہے، جو مجھ سے

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۴۴

پُر ہو گیا ہے، شیخ بوعلی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اور یہاں اسی طرح رہیں گے، جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں، شیخ بوعلی قلندر سے پوچھا گیا، تو انھوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی[1]

شیخ بوعلی قلندرؒ کا فیض اکبر الاولیا حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی، شیخ بوعلی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، ایک دن شیخ بوعلی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدینؒ گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرے، ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندر نے فرمایا،

زہے اسپ و زہے سوار

کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے، گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی، اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے، اور اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بوعلی قلندرؒ سے بیعت کے لئے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا۔

"اے فرزند عزیز ! کشایش تو موقوف برمرد دیگر است"

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے[2]

سلطان جلال الدین خلجی کی عقیدت سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندرؒ

۱؎ سیر الاقطاب ص ۱۸۹ ۲؎ ایضاً ص ۲۰۱، ۲۰۲،

سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقہ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا، اور بندگانِ دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں :۔

"ایں چنیں بادشاہ حلیم و کریم و ایں چنیں فرمان روایان و کار گذاران مہربان و خدا ترس بر بندگان خدا نتواند دید"

حضرت سیدی مولہ مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی ہم بیان کرتے ہیں :۔

"سیدی مولہ ایک درویش تھے جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے جسکی پابندی تمام بزرگانِ دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمتگار نہ تھا، اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اسکو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور ان کا خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے تھے، اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انھوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں ہزاروں روپئے خرچ کئے تھے، اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا، [illegible] سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے

اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے، دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا، اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے، یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جاکر اتنے نقرئی ٹنکے لے لو، وہ جاتا، تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دارالضرب سے بالکل نئے نکلے ہوں۔"

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:۔

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خان خاناں ان کا معتقد ہو گیا تھا، اور اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا۔ امراء و حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا قاضی القضاۃ تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی مولہ سے تعلقات پیدا کئے، وہ دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا، اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا، بلبن کے عہد کے مولازادے جو امرا اور ملوک کی اولاد سے تھے اس گفتگو میں شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے خدم ہو گئے تھے، برہنہ تن اور ہتیا پایک کے کوتوال جو ان اودوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے، اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ

پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے، اور بعض دوسرے اکابر جو عہدوں سے معزول کر دیئے گئے تھے، سیدی مولہ کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے، اور ان سے کچھ چیزیں پاتے، لوگ سمجھے کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے، لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خانزادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں، چنانچہ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے دن جب نماز کے لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے، اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے، اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے، اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دیئے گئے، ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے، سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا، اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ سب کے لئے حکم جاری کیا گیا، سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا، اس لئے بہارپور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان ملک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے تمام اکابر، علماء و مشائخ کو طلب کیا، اس میدان میں

شہر کے خواص و عوام جمع ہوئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے، لیکن اس بارے میں جب علماء سے استفسار کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ یہ ناشروع ہے، اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے اور ایسے جرم میں صرف ایک شخص کی شہادت قابلِ سماعت نہیں، اس لئے سلطان نے اس کا ارادہ ترک کر دیا، اور قاضی جلال کو جو قصبہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیجدیا۔ خان زادوں اور ملک زادوں کو جلاوطن کر دیا، اور ان کی املاک ضبط کر لی، برنجی تن اور ہتھیا پایک کے کوتوالوں کو سزا دی، اس کے بعد سیدی مولا کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا، اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے ان سے خطاب کرکے کہا اے درویشاں! انصاف من ازیں مولہ بستانید بحری نامی ایک حیدری نے بڑھ کر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا، ارکلی خاں نے کوشک کے اوپر سے فیلبانوں کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا، اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا؛

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ایسا حلیم اور بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشوروں کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا، اور ایسا حکم صادر کر دیا، جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھکو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولا کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا، اور تاریکی چھا گئی سیدی مولا کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے۔ بندگوں نے

نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے، اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا، سیدی مولا کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑ گیا، اور غلہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی، اس سرزمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے، اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے، ادنیٰ لوگ سلطان اور امراء کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے۔[۱]"

اخبار الاخیار کے مصنف لکھتے ہیں۔

"جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، بے اندازہ گرد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہوگیا جو پہلے نہ تھا۔[۲]"

شیخ بو علی قلندر سے علاء الدین خلجی کی عقیدت

علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بو علی قلندرؒ کے حلقۂ ارادت میں تھا، خزینۃ الاصفیا میں ہے۔

"جلال الدین و علاء الدین بادشاہان دہلی ہم حلقۂ ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند" (ج ۱ ص ۳۲۲)

ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت بو علی قلندرؒ کے پاس کچھ نذر بھیجنی چاہی، لیکن یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی نذر قبول نہیں کرتے ہیں، امراء نے رائے دی کہ اگر تحفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی وساطت سے بھیجا جائے تو وہ ضرور قبول کریں گے۔ سلطان علاء الدین نے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے پاس اپنی

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲ [۲] اخبار الاخیار ص ۹۹،

خواہش کا اظہار کرنے کے لئے بھیجا حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اپنے محبوب مرید کو تذرے جانے کی اجازت دے دی، لیکن یہ بھی نصیحت فرمائی، کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ کہیں اس کو تسلیم کرنا، معترض نہ ہونا، حضرت امیر خسرو دہلی سے پانی پت تین روز میں پہنچے، اور جب وہ حضرت بو علی قلندرؒ کی قیام گاہ پر آئے تو خدام سے کہلا بھیجا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا بھیجا ہوا خسرو خدمت میں حاضر ہوا ہے، حضرت بو علی قلندرؒ نے ان کو اپنے پاس بلایا، اور جب وہ جا کر بیٹھے تو فرمایا کہ کچھ[۱] سناؤ، امیر خسرو نے اپنی ایک غزل شروع کی، جو حسب ذیل ہے:

ای کہ گوئی ہیچ سختی چوں فراق یار نیست — گر امید وصل باشد آنچناں دشوار نیست
عاشقاں را در جہاں یکساں نباشد روزگار — زانکہ ایں انگشتہا در دست من ہموار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من — ایں عجب کاں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست
یک قدم بر نقش خود نہ واں گر در کوئے دوست — ہر چہ بینی دوست بیں با ایں و آنت کار نیست
چند می گوئی کہ بر وز زنار بند اے بت پرست — بر تن خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

غزل سنکر حضرت بو علی قلندرؒ خوش ہوئے اور امیر خسرو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خسرو! خوش رہو گے اور خوش جاؤ گے، پھر خود ہی یہ غزل پڑھی۔

دیہیم خسرواں بر نعل اشتر است — خسرو کسے کہ حلقۂ تجرید بر سر است
گفتم بعلم و عقل بملک دگر شدم — لکم ز عقل و دیں چو دیدم فزوں تر است
سیمرغ دار روی نہفتم نقاب عشق — کو عارفی کہ منظر او عرش اکبر است
عقل کل است علم لدنی بعارفاں — ایں عقل و علم جملہ درسے مختصر است

۱؎ اصلی الفاظ یہ ہیں " از بہرے ما خود چیزے بگو "

درین شہرت نبود ز الواح ابجدی — اوج جمال دوست مراد از بریت

امیر خسرو حضرت بو علی کی زبانی اس غزل کو سن کر بہت روئے، حضرت بو علیؒ نے پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی، عرض کیا مدنا اسی کا ہے کہ کچھ نہ سمجھا، اس جواب سے حضرت بو علیؒ خوش ہوئے، اور بادشاہ کی بھی نذر قبول کر لی، نذر قبول کرتے وقت فرمایا، اگر حضرت خواجہ نظام الدین کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا، پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں رکھو، تین دن ٹھہر کر امیر خسرو نے واپس ہونے کی اجازت مانگی، رخصت کرتے وقت حضرت بو علیؒ نے ایک خط تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا، اور ایک خط بادشاہ کو اس طرح لکھا،

"علاء الدین فوطہ دار دہلی معزز باشد کہ بابندگان خدا تعالیٰ نیکو کند"[1]

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو امراء نے کہا کہ بادشاہ کو اس طرح خط لکھنا ادب ہے، لیکن سلطان نے کہا غنیمت ہے کہ اس ذرہ بے قدر کو فوطہ دار لکھا ہے، ایک بار تو شحنہ دہلی تحریر فرمایا تھا، اب فوطہ دار جو فرمایا اس کے لئے میں بہت شکر ادا کرتا ہوں[2]، یہ شاید اس رقعہ کی طرف اشارہ تھا جو حضرت بو علیؒ نے ملک نائب کے خلاف سلطان علاء الدین کو لکھا تھا، ملک نائب نے ایک درویش کو ایذا پہنچائی تھی حضرت بو علیؒ نے سلطان کی توجہ اس کی طرف دلائی اور ایک رقعہ میں تحریر فرمایا،

"علاء الدین شحنۂ دہلی را اعلام آنکہ خواجہ سرائے . . . یکے از درویشان را رنجانیدہ عرش الرحمٰن را بلرزہ آوردہ، اگر او را سزا نمائید ہی بہتر و الا بجائے تو شحنہ

---

[1] بحوالہ مراۃ الکونین نولکشور پریس ص ۳۰-۳۳۲ و تذکرہ اولیائے ہند مولفہ مرزا محمد اختر ص ۱۴۲

[2] مراۃ الکونین میں "فوطہ دہلی" مرقوم ہے، جو صحیح نہیں معلوم ہوتا (صفحہ ۳۳)

دیگر بداہلی نشانیدہ خواہد شد۔

سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ کا معتقد تھا، ایک بار اپنے لڑکے شہزادہ جونا خاں اور اپنے پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ تینوں کے لئے کھانا لائیں، خدام ایک پیالہ میں کھانا لائے، بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالہ میں کھانا تناول کیا، اس وقت حضرت شیخ نے فرمایا! تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں، یہ گویا شہزادہ جونا خاں اور شہزادہ کمال الدین کے لئے بشارت تھی[1]، دونوں آگے چل کر سلطان محمد تغلق اور سلطان فیروز تغلق کے نام سے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے،

وصال | ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) کو شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ و اقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک پانی پت میں لے جا کر دفن کیا[2]، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے،

اشاعت اسلام | پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں وہ حضرت بوعلی قلندرؒ ہی کے رشد و ہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ایک ممتاز راجپوت امیر سنگھ انکے ہاتھوں پر ایمان لایا، اسی کے خاندان سے مسلمان راجپوت پھیل کر اسلام کی قوت بازو بنے[3]،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۸۰ [2] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۲۸،

[3] دعوت اسلام، ترجمہ جناب عنایت اللہ صاحب، ص ۲۰۱،

تصانیف | حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:۔

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین، (۳) مثنوی کنز الاسرار، (۴) رسالہ عشقیہ،

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"او را مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولیٰ جلہ بنام اختیار الدین می گوید"[1]

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

"مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است کتابے است جامع علوم توحید"[2]

سلطان شمس الدین التتمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا لیکن علمی امراء میں بھی شاید کوئی اختیار الدین ہو، یہ مکتوبات غالباً اسی کے نام ہیں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں:۔

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا، اور جب تم پر حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ، اور جب عاشق بن کر معشوق ہو گئے، تو اسی طرح کام کرو معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لوگے، اے برادر! معشوق کو تمہاری ہی صورت میں

[1] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [2] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۷

پیدا کرکے تمہارے درمیان بھیجا گیا ہے، تاکہ براہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا، اور اس کا حکم ہے کہ دونوں پُر کئے جائیں گے معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دی جائیگی، اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا، دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوے ہیں، اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنوں کے لئے جائے فراق ہے، یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا، اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہوگا، اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لئے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہیں، اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے، اور گوناگوں میوے پیدا کئے، ہر میوہ میں علیحدہ مزہ رکھا، اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر، اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے، گنا تمہارے لئے پیدا کیا، اور اس کو شکر کی خبر نہیں، مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا، جو تمہارے لئے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں، گائے سے عنبر کو تمہارے لئے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، زباد کو بلی سے تمہارے لئے پیدا کیا، اور بلی کو زباد کی خبر نہیں، کافور کو تمہارے لئے درخت سے پیدا کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا اور صندل کو اپنی خبر نہیں، اے برادر! عاشق ہو جاؤ، اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو، اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو - - - - - - - - - -

.... عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے دو عالک بنایا، تاکہ اپنے حسن و جمال

کو تمھارے آئینہ میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) تمھاری شان میں آیا ہے، عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا وعقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے، اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونوں میں معلوم کرو کہ تمھارے لئے کس کو پیدا کیا ہے، اے برادر نفس کو اچھی طرح جانو، جب تم نفس کو پہچان لوگے تو دنیا کو بھی پہچان سکوگے اور اگر روح کو پہچان لوگے تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے، اے برادر دنیا کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہیں کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے عاشقوں کے سامنے کس قدر آراستہ کر رکھا ہے، جو دنیا کا عاشق اس کا معشوق کفر کا حسن ہے اے برادر تم جانتے ہو، حسن کا جو غمزہ کفر میں رکھا گیا ہے اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والوں پر مارا ہے، اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے اے برادر اپنی جستجو میں رہو، اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے، تو عشق کو بھی جان سکوگے، اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھوگے تو کل الانسان کی کیفیت اپنے میں پاؤگے، عاشق ہو جاؤ، اور معشوق کو اپنی گود میں دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ میں معائنہ کرو،

آن شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند — ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سرپوش
در بادیہ ہجر چرا بندہ بہ ماتم — در عین وصالیم نگار است در آغوش

اے برادر قند کا ایک گولہ لاؤ اور اس سے سو گولے بنالو، اور ہر گولے سے ایک صورت بناؤ، اور ہر صورت کا نام رکھو، بعض کو گھوڑا اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا، اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنالو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اے برادر! یہ تمہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لئے پیدا کیا گیا۔ اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کردیتی ہے۔ اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے، اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے بھیجا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ میں بجالاتی ہے عاشق کے عشق اور معشوق کے حسنِ باطن کو متحد رکھتی ہے، اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہوجاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے بھیجا ہے فوت نہ ہوجائے، اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہوجاتا ہے اور دل خیال کے ساتھ متحد ہوکر دنیا کی دوری کی طرف لے آتا ہے خیال دنیا کی آرائش نفس کو دکھلاتا ہے، اور اس کے شوق میں اس کو پریشان کرتا ہے، اور کبھی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھرا لاتا ہے، سر در دروازہ پر ذلیل کرتا ہے اور نفس معشوق کی آرائش کی آسائش کی وجہ سے اس دولت سے واقف نہیں ہوتا، اور باز نہیں آتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی، اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو دھیں کو بہوت کی فکر ہوتی ہے کہ دفعتہً اگر اس کو فنا کردے گی دنیا کی آرائش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کردیتا ہے، کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اسکی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی کہ اگر دنیا ختم ہوجائے گی تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے اور بعض کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے اے برادر سوچو کہ تمھارے سامنے ایک مہم درپیش ہے اور تم نے خیال اور

اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو، کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں، جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا، کہ یہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمہارے سامنے آیا، اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کون سا کام بن پڑیگا، اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمہاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھا ہے، یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید (یعنی جو کچھ اس نے چاہا اس کو کیا، اور جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے) کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں[۱]۔

حکم نامۂ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:۔

"رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکم نامۂ شیخ شرف الدین می گویند، ظاہر آست کہ آں از مخترعات عوام است[۲]"

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے (دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۰۷ نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیہ، خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے:۔

"و سوائے ازیں مثنوی است، مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است" (ج ۱ ص ۳۲۷)

۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ میں مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بو علی قلندرؒ کے نام سے

---

[۱] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لئے گئے ہیں، ص ۱۲۱ و ۱۲۲ [۲] اخبار الاخیار ص ۱۲۱

شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کا ہے اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں، مثلاً

عشق کو بے بال و پر طیراں کند	عشق کو در لامکاں جولاں کند
عشق کو تا تاجِ سلطانی نہد	عشق کو ملکِ سلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند	عشق کو تا سینہ پر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند	عشق کو تا عشق را حاصل کند
عشق کو تا جام مدہوشی دہد	عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر سازد مرا	بادہ بے یاد سرمست زد مرا
عشق باید تا دہد جامِ شراب	عشق سازد سا ہوے آفتاب

اس میں قریب ۱۶۳ اشعار ہیں، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن	از گلِ رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصدِ طیارِ ما	می دہی ہر دم خبر از یار ما
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال	مرحبا اے طوطیِ شکر مقال
در زمان ہفت آسماں را طے کنی	مرکب حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ	ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس تنم	از تو حاصل شد مرا وصلِ صنم
مرحبا اے رہنماے راہِ دیں	از تو روشن شد مرا چشمِ یقیں
یافت قالب طینت پاکی ز تو	شد پریشاں آدمِ خاکی ز تو
مرحبا اے فیض بخش کائنات	یافت ترکیب از وجودِ تو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد و تقوی کی تصریح کی گئی ہے،

زہد و تقوی چیست اے مرد فقیر ‌ ‌ ‌ ‌ لا طمع بودن ز سلطان و امیر
زہد و تقوی نیست این کز بہر خلق ‌ ‌ ‌ ‌ صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق
شانہ و مسواک و تسبیح ریا ‌ ‌ ‌ ‌ جبہ و دستار و قلب بے صفا
پیش و پس گرد و مریدنا خلف ‌ ‌ ‌ ‌ چون خران بے آب و علف
چون بہ بینی چند کس بیہودہ گرد ‌ ‌ ‌ ‌ خویش را گوئی منم مردانہ مرد
دام اندازی برائے مرد و زن ‌ ‌ ‌ ‌ خویش را گوئی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود یاری در عمل ‌ ‌ ‌ ‌ چشم پوشی محو شیطان دغل
مکر و تلبیس و ریا کارت بود ‌ ‌ ‌ ‌ ہر نفس شیطان ترا یارت بود
چون شوی استادہ از بہر نماز ‌ ‌ ‌ ‌ دل بود در کار دختر اے حیلہ ساز
آن نماز تو شود آخر تباہ ‌ ‌ ‌ ‌ فکر باطل میکند رویت سیاہ
چون درایات قند آخر قصور ‌ ‌ ‌ ‌ این چرا خوانی نماز بے قصور
بر مصلا چون نشینی قبلہ رو ‌ ‌ ‌ ‌ چشم پوشی دل بود جائے گرد
خادمان گویند این شیخ زمان ‌ ‌ ‌ ‌ چشم پوشیدہ ست از خلق و جہان
شیخ را لاہوت باشد منزلش ‌ ‌ ‌ ‌ شد فنا ذات بقا شد حاصلش

این خوشامد گوی چندیں ابلہاں ‌ ‌ ‌ ‌ رہزنانند رہزنانند رہزناں
از ستایش خویشتن را گم مکن ‌ ‌ ‌ ‌ عیب خود بیں عیب بر مردم مکن
اے گرفتار آمدی در بند نفس ‌ ‌ ‌ ‌ نفس کافر را بکش بشکن قفس
تا کنی پرواز سوے اصل خویش ‌ ‌ ‌ ‌ جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص وہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے :-

دل چو آلودست از حرص وہوا کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دلست اے بوالفضول کے کند نور خدا در دل نزول
دین و دنیا ہر دو کے آید بدست این فضولیہا مکن اے خود پرست
بر تو قسمت میرسد اے بے خبر پس چرا قانع نہ بر خشک و تر
حرص تو دلق قناعت پارہ کرد نفس امارہ ترا آوارہ کرد
ہست دنیا پیر زال و پُر فریب می کند پیر و جوان را بے شکیب
عارفان دادند او را صد طلاق ہر کہ عاشق شد بر او گشت عاق
این سخن در گوش دار اے جوان مولوی گفتہ ز روے امتحان
"ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دون این خیال است و محال است و جنون"

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے :-

مرد باید تا نہد بر نفس پا بگذرد از شہوت و حرص و ہوا
دست ہمت را بر افرازد بلند نفس را چون صید آرد در کمند
دست را کوتاہ سازد از ہوس بشکند با چنگ ہمت این قفس
گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال نور تابد بر دل از بہر کمال
گر شوی از لقمہ شبہ نفیر نفس را سازی بفضل حق اسیر
دل شود روشن ز نور آئینہ وار بر تو اندازد در آئینہ نگار
چون کشائی چشم با اہل یقین ہر طرف تابان جمال یار بین

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے :-

یار را می بیں تو در ہر آئینہ — سوز و ساز اوست در ہر طنطنہ
ہر چہ آید در نظر از خیر و شر — جملہ ذاتِ حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سما و لامکاں — اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں
پاس دار انفاس اے اہلِ خرد — تا ترا ایں فاصلہ منزل برد
اوست پیدا او نہان و آشکار — جلوہ ہا کرد ست در ہر شے نگار
ہوش در دم دار اے مردِ خدا — یک نفس یک دم مباش از حق جدا
نفی گرداں از دلِ خود ما سوا — تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا
زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن — سینہ با تیغِ محبت چاک کن
اسم ذاتِ او چو بر دل نقش بست — سکۂ ضرب محبت خوش نشست
گشت چوں بر نقشِ دل نقش اِلٰہ — غیر نقش اللہ را اے دل مخواہ
چوں شوی فانی تو از ذکرِ خدا — راہ یابی در حریم کبریا
چوں بیابی نا خدا یابی وصال — خویش را گم ساز اے صاحب کمال
ہر کہ شد در بحرِ عرفاں آشنا — ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا

عرفان کے لیے چشمِ بینا اور دلِ مصفا ضروری ہے۔

چشمِ دل بکشا جمالِ یار بیں — ہر طرف ہر سو رخِ دلدار بیں
چشم باید تا بہ بیند روئے یار — جلوہ کردست در ہر شے نگار
نیست پوشیدہ رخِ دلدار تو — لیک ایں نقص ست در ابصار تو

عشقِ الٰہی میں جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہیے اس کی تصویر ان اشعار سے نمایاں ہو جاتی ہے جو شروع میں نقل کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہیچ میدانی کہ اصلِ عشق چیست — عشق را از حسنِ جاناں زندگیست
عشق چوں جبریل در معراجِ حسن — بر سرِ عاشق نہد صد تاجِ حسن
عاشق و معشوق گردند ہر دو یک — ہم تو زِ معشوق و عاشق نیست تنگ
اے کہ گشتی واقف از اسرارِ عشق — نہ قدم مردانہ اندر کارِ عشق
سر برآور زیر پائے عشق نہ — بعد ازاں سر در ہوائے عشق نہ
عشقبازی نیست کارِ بوالہوس — خام سوزاں خانہ اندر ہمچو خس
گر کنی جاں را تو بر جاناں نثار — در عوض یک جاں دہد صد جاں نگار
کشتگانِ عشق را جانِ دگر — ہر زماں از غیب احسانِ دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:۔

یا الٰہی چشمِ بینائی بدہ — در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش افگن در دلم مانند طور — شعلہ بر خیزد کہ در ونگ دور
سالہا تد از تو می خواہم ترا — حاجتم را چوں کنی سازی روا
از لسان الغیب ایں گردد نوید — از در تو کس نہ گشتہ ناامید
ہر کہ خالص بہر تو امید دار — شاہد مقصود باید در کنار
اے خدائے من بحقِ مصطفیٰ — از طفیلِ حرمتِ آلِ عبا
روزِ محشر دار [illegible] رسول — از طفیلِ مقبلاں گردد قبول

حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدینؒ

خاندان حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین حضرت شیخ صدر الدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتی تھیں، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھ دی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین پگڑی پہننے سے اسکو نہ روکو، وہ اس کا مستحق ہے، اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں، چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے، تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی،

تعلیم[1] ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت میں جد امجد سے فیض یاب ہوئے۔ دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے۔ شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خورد سالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے، انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کیے، علم تواضع، شفقت، حلم، موافقت، دیانت، مروت، عفو و حیا، وقار، حسن ظن، اور تصغیر نفس جملہ صفات اُن میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لیے تھے کہ ان کو مخزن شہود الٰہی، منبع جود نامتناہی، ادریس خلوت وحدت، ابر جبین برج معرفت، گوہر معدن صفات لاریب، لولوئے بحر دریائے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین[2] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے۔

جہانِ معرفت سلطانِ معنی   وجودش آیتے در شانِ معنی
دلش از طلعتِ اسرار مسرور   ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک   بہ ظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطانِ خناس   خریدانش ز تیغ پاس انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات   زدہ بر عرش کوس استقامات
کلامش پاک از طامات و از شطح   یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح

۱؎ مراۃ الاسرار قلمی، ۲؎ سیر العارفین ص ۱۴۰

بملک فقر جو نعمت نبود دنش   جاں لی ریزہ چین خوانِ جودش

ریاضت | حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ رکن الدین قدس سرہٗ کا کام کمال کو پہنچ گیا تھا تو بھی وہ تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہتے،

خلافت | چھبیس سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے، جو بھی اہل حاجت حاضر ہو جاتا اسکی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے، مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تو اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے،

سلاطین و مشائخ سے تعلقات | سلطان و مشائخ دونوں سے ملتے مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے، سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کرّ و فر کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقرا و مساکین میں تقسیم کر دی، اور اپنے ساتھ ایک جبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت نظام الدین اولیاؒ کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال

---

۱. انتظام ملفوظات مخدوم اردو ترجمہ ص ۲۴۳،

کے لئے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاؒ بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے،

حضرت محبوبؒ الٰہی سے محبت | حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا رحمۃ کی صحبت میں بسر کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ رکن الدین دہلی آئے تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لائے، حضرت محبوبؒ الٰہی پہلے سے موجود تھے، جمعہ کی نماز ہو چکی تو حضرت محبوبؒ الٰہی اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک وسیع صحن طے کر کے حضرت رکن الدینؒ کے پاس آئے جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے، حضرت محبوب الٰہی ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا، اور پھر حضرت رکن الدین حضرت محبوبؒ الٰہی کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں وہ (یعنی حضرت محبوب الٰہی) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہو کر اپنے اپنے ڈولے کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں، بالآخر حضرت محبوبؒ الٰہی کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکنؒ الدین پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے[1]،

اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت محبوبؒ الٰہی کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ میں بھی تشریف لائے، ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، ڈولے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو حضرت محبوبؒ الٰہی نے بضد ہو کر روک دیا، اور خود اور

---

[1] سیر الاولیار ص ۱۳۶، ۱۳۷،

درویشوں کے ساتھ ڈولے ہی کے پاس بیٹھے رہے، اس قران السعدین کے وقت حضرت شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصلحت تھی، حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی، اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ نے ڈولے ہی کے پاس کھانا منگوایا اور کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور تھوڑا سی اشرفیاں حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر پیش کیں، اشرفیوں کو دیکھ کر حضرت رکن الدینؒ نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کو مخاطب کر کے فرمایا، استر ذھبک[1] لیکن حضرت محبوبؒ الٰہی نے برجستہ جواب دیا، استر ذہبک و ذہابک و مذہبک[2]، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے ان نذرانوں کو قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت محبوبؒ الٰہی نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالہ کر دیا[3]۔

غالباً حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت بابا گنج شکرؒ

---

[1] یعنی آپ اپنا سونا چھپایئے، [2] یعنی اپنے سونے کو، جانے کو (مراد راہ سلوک) اور جانے کی جگہ کو چھپایئے (اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے)، [3] سیر الاولیاء ص ۱۴۰۔ ۱۳۹،

کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدینؒ بھی شریک ہوئے، مجلس سماع میں حضرت محبوب الٰہیؒ پر وجد طاری ہوگیا، اور غایت اضطراب میں کھڑا ہوجانا چاہا، لیکن شیخ رکن الدین نے انکا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہوگئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مودب کھڑے ہوگئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدینؒ سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے محبوب الٰہی کو کھڑے ہونے نہ دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدینؒ کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی، وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا[1]،

سیر الاولیا، (ص ۱۴۰) میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رکن الدینؒ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو حضرت محبوب الٰہی سے بھی ملنے آئے، یہ زمانہ عشرۂ ذی الحجہ کا تھا، اس لئے جب حضرت رکن الدینؒ سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا یہ زمانہ حج کا ہے، میں حج کی سعادت تو حاصل نہ کرسکا، لیکن آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور مل جائے گا، یہ سن کر حضرت محبوب الٰہی کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور اظہار شرمندگی کیا،

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک

---

[1] سیر العارفین ص ۱۴۴ و فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوبؒ الٰہی سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھکو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں لیکن میں شیخ رکن الدین کے پاس کئی بار گیا، انھوں نے مجھ کو کوئی چیز نہیں کھلائی، حضرت محبوبؒ الٰہی نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا ہوں من زار حیا ولم یذق منہ شیئا فکانما زار میتا، یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے، اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی، خراسانی عالم نے پوچھا کیا شیخ رکن الدین تک یہ حدیث نہیں پہنچی، حضرت محبوبؒ الٰہی نے فرمایا شیخ رکن الدین تو عمل معنوی کرتے ہیں، اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں، خراسانی عالم نے کسی موقع پر حضرت شیخ رکن الدین سے یہ عرض کیا کہ شیخ نظام الدین کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدینؒ ذوق روحانی دیتے ہیں، اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں، شیخ رکن الدین نے فرمایا برادرم نظام نے تواضع کی ہے ان میں دونوں وصف ہیں، وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں، اور ذوق جسمانی بھی[1]،

حضرت محبوبؒ الٰہی سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوبؒ الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، شیخ عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے، جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کیلوکھری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدینؒ کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرۂ اقدس پر نظر پڑی تو دل انوار روحانی سے منور ہو گیا، اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کر لی، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کو اپنے ساتھ ملتان

---

[1] لطائف اللہ التسلیم فی ترجمہ لطائف المخدوم یعنی ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰

لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا، اور مرشد حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے حضرت شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہ بند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ میں ایک سال رہ کر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بینا سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بیچین ہو گئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہو گئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگالیا، اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا، تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کرلی، ورنہ مخلوق کے فتنہ میں پڑ جاتے، یہ کہہ کر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کردیا، رخصت کرتے وقت فرمایا تم وہیں قیام کرنا جہاں حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہیں، وہاں جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہاں رہنے کا حکم دیں، وہیں سکونت اختیار کرلینا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہنچ کر محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں مرشد کا سلام پہنچایا، انھوں نے کھڑے ہو کر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت میں ان سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہو گئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے تھا، محبوب الٰہی کی مجلسوں میں شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیامگاہ پر ہم جلیسوں کے ساتھ بیٹھے

ہوئے تھے، کہ سامنے سے امیر حسن قوال اپنے ساتھیوں سمیت گذرا، امیر حسن کو حضرت محبوب الٰہی بہت عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی حضرت محبوبؒ الٰہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمائش کی، اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمائش کی تعمیل میں تامل ہوا حضرت شیخ عثمان کواڑ میں زنجیر لگا کر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطانِ وقت کے خوف سے دھیمی آواز میں یہ بیت گانی شروع کی :-

زاہد زدین برآمد وصوفی ز اعتقاد ترسا مجری شد و عاشق ہماں کہ ہست

امیر حسن نے جب لحن کے ساتھ اس کو گایا تو حضرت شیخ عثمانؒ بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بیخودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمانؒ نے اس بیخودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس[۲۲] قوال اور آ گئے، اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی کہ شہر کے تمام صوفیہ آ کر جمع ہو گئے، اور کئی ہزار تماشائیوں پر وجد طاری ہو گیا اور حضرت شیخ عثمان مذکورۂ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے، اور ایک سمت چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگوں کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب و بیخودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال میں شیخ شاہی محل کے پاس پہنچے، سلطان غیاث الدین تغلق نے کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خاں کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آ کر اطلاع

دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہیں، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا، جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام درج تھے جنھوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خاں سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگر اس میں حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھکر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچیخانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے ندر پیش کی مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[1]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حال میں آچکا ہے،

خدمت خلق اللہ | اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہوگئی، جس کی تفصیل پہلے بیان کیجاچکی ہے، اس مخالفت اور عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشایخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ میں اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا اور ان کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب وہ دہلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے تو اس نے پوچھا کہ دہلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا

---

[1] سیر العارفین ص ۱۲۵، ۱۲۶

استقبال کیا تھا، گو ان کو حضرت محبوبؒ الٰہی سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم انھوں نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاؒ نے[1]

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے، تو راستہ میں اپنی سواری تخت رواں کو ٹھہراتے چلتے تاکہ اہلِ ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ان کی سواری میں ڈال دیں، بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازوں تک تخت رواں پر سوار رہتے، تیسرے دروازہ کے قریب جہاں سلطان ان کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا تو وہ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار میں لے جاکر بٹھاتا، اور خود مودب دوزانو ہوکر ان کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بہ غور پڑھتا، اور اسکی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدینؒ واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے،[2]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے، ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدینؒ دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرما رہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائیگی، اس لئے کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہوگیا،[3]

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۳۴، اخبار الاخیار ص ۴۳، [2] سیر العارفین ص ۱۴۳، [3] فرشتہ ج ۲ ص ۱۴۱،

حضرت محبوبؒ الٰہی سے آخری ملاقات

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت رکن الدینؒ کے تعلقات قائم رہے، اور اس کے یہاں آکر مہمان ہوئے، یہ زمانہ حضرت محبوبؒ الٰہی کے مرض الموت کا تھا، حضرت شیخ رکن الدینؒ ان کی عیادت کے لئے آئے، تو وہ عالم تحیر میں تھے، مریدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہوگی، لیکن حضرت محبوبؒ الٰہی کا تحیر جاتا رہا، حضرت شیخ رکن الدینؒ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے، مگر غایت ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اتر سکے، اس لئے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو چارپائی ہی پر بیٹھنے کو کہا، لیکن شیخ رکن الدینؒ نے تعظیماً چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا، ایک کرسی لائی گئی، تو وہ اسی پر بیٹھے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیا کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے، اولیا انبیا کے جانشین ہوتے ہیں، اس لئے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہے، آپ کی حیات کچھ دنوں اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے، محبوبؒ الٰہی نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں، اور فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں، کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، حضرت شیخ رکن الدین نے یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہوگیا، اور ان کے ساتھ اور حاضرین بھی رونے لگے[1]

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی نے رحلت فرمائی، ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدینؒ نے پڑھائی اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے،[2]

وصال

حضرت محبوبؒ الٰہی کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک

---

[1] سیر الاولیار ص ۱۴۱، مطلوب الطالبین ورق ۴۹-۵۰ [2] ایضاً،

کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۷۳۵ھ کے رجب کی سولھویں تاریخ، جمعرات کے دن، نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی[1]، مرقد مبارک ملتان میں ان کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

نور باطن حضرت شیخ رکن الدین کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخبار[2] میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، میں بھی عالم ہوں، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں گا، کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھ کو حلوا کھلا رہے ہیں، جس کی شیرینی دن تک ان پر قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، میں تمھارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا، جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابت جسم اور

---

[1] سیر العارفین ص ۱۴۳، فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۲، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۷۲ پر ہے،

جنابت دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت نا اہلوں اور آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین صفتیں ہیں، رنگ مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے، اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدینؒ کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں، اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[1]

تواضع ایک بار ایک غریب درویش خانقاہ میں فروکش ہوا، حضرت شیخ رکن الدین نے خادم خاص سے اس کے پاس کھانا بھجوایا، خادم نے درویش سے پوچھا تم حضرت شیخ کو دیکھو گے درویش نے کہا میری کیا مجال ہے کہ میں شیخ کو دیکھوں، خادم نے لوٹ کر یہ واقعہ حضرت شیخ رکن الدین سے بیان کیا، تو انھوں نے فرمایا، میں خود اس کے پاس جاؤں گا، جب معلوم ہوا کہ درویش اوراد سے فارغ ہو چکا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے، اور اس کو اس کے مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا[2]

تعلیم اولاد استاد ایک بار ایک شخص حضرت رکن الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ میں آپ کے استاد کے لڑکوں میں سے ایک لڑکا ہوں، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسکے باپ سے سورہ اخلاص پڑھی تھی، فرمایا تم میرے خداوند زادہ ہو، مجھ کو اسی طرح حکم دو،

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۶۲ [2] الدر المنظوم اردو ترجمہ ص ۶۷۷

جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو دیتا ہے، اس نے کہا مجھ کو دنیا کا مال و متاع چاہئے، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے اسکو اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے[1]

غذا | غذا بہت ہی قلیل تھی، ایک پیالہ دودھ میں کچھ میوے ڈال دیئے جاتے، اسی سے چند لقمے تناول فرمالیتے، گھر والوں نے ایک طبیب سے قلت غذا کی شکایت کی، طبیب نے غذا منگوا کر دیکھی، اور اس میں سے چند لقمے خود کھائے، کھانے کے بعد اس نے گرانی محسوس کی اور کہا کہ اب سات دن کھانے کی حاجت نہ ہوگی، کیونکہ بزرگوں کے کھانے میں کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے[2]

خیال دنیا و آخرت | وضو فرماتے تو اس کے بعد کی دعا پڑھتے، ایک روز وضو سے فارغ ہوئے تو دعا نہیں پڑھی، بلکہ صرف الحمد للہ کہا، خادم خاص نے ان کے نانا سے جاکر عرض کیا کہ آج حضرت نے صرف الحمد للہ کہا، اور کوئی دعا نہیں پڑھی، وہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کے پاس آئے، اور واقعہ دریافت کیا، حضرت شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا، آج وضو میں دنیا و آخرت کا خیال دل میں نہیں گذرا تو میں سمجھا کہ آج میرا وصال ہے، اسی لئے صرف الحمد للہ کہا[3]

وصایا | حضرت شیخ رکن الدینؒ کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں، اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ،

آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان میں سے قابل اعتنا آدمی

[1] سراج الہدایہ ملفوظات حضرت جلال الدین بخاری، قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور،

[2] الدر المنظوم ص ۲۰۰-۲۰۱، [3] ایضاً ص ۲۰۱-۲۰۹،

کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتوں کو نہیں، بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پر ہے تو اسکا شمار بہائم میں ہے، اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کیلئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے اور تزکیہ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے، اور اس سے مدد طلب کرے، التجا و استعانت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضل و رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں، اور نعمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے بھیدوں میں پھنسے رہنے والوں کی وقعت اس کے دل سے نکل جاتی رہتی ہے، اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے، تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت، اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں عقبیٰ کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہیں، وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی،

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست   شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین! بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جل وعلا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے، اپنے نفس کے لئے کئے اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ

درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسروں کے لئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ لکھتے ہیں کہ

"ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگوں نے کہا

سلاح ایں کس صلاح اولین است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چو می دانی ہر انچہ کاری دروے ۔۔۔ آخر بہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و عملاً باز رکھنا چاہئے، لایعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں[1]،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۱ - ۶۲،

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

نام و نسب | اسم گرامی برہان الدین تھا، اور عام طور پر شیخ برہان الدین غریب کہلاتے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم بن شیخ ابو بکر بن شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الرشید بن شیخ عبد الصمد بن شیخ عبد السلام ابن امام اعظم حضرت ابو حنیفہ کوفیؒ[۱]

وطن | خاندان شہر ہانسی میں آباد تھا، اسی جگہ ۶۵۴ھ میں شیخ برہان الدین کی ولادت باسعادت ہوئی،

خاندان | حضرت برہان الدین غریبؒ کا خاندان مذہبی اور روحانی حیثیت سے ممتاز تھا والد بزرگوار مقبول خاص و عام تھے، وہ جس مجلس میں ہوتے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ تمام دن باتیں کرتے رہیں، حضرت برہان الدین نے اپنے والد ماجد کی اس مقبولیت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ہر قبرستان پر روزانہ سو بار فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے

---

[۱] مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیاء میں حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے حالات لکھے ہیں، اس کا اردو ترجمہ جناب عبد المجید صاحب خلدآبادی نے کیا ہے، اردو ترجمہ میں جابجا مفید حواشی ہیں جو حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات سے مرتب کئے گئے ہیں، ہم نے ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، روضۃ الاولیاء کا جابجا حوالہ دیا جائیگا، اس سے مراد یہی اردو ترجمہ ہے،

حقیقی بھائی حضرت شیخ منتخب الدین بھی حضرت محبوبؒ الٰہی یعنی حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کے ممتاز خلفاء میں تھے، اہلِ دکن ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے، ان کا مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے ان کا عرس ہوتا ہے، حضرت خواجہ فرید الدینؒ گنج شکر کے جلیل القدر خلیفہ حضرت خواجہ جمال الدین ہانسویؒ جن سے جمالیہ سلسلہ جاری ہوا، حضرت شیخ کے ماموں تھے، اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا قطب الدین منورؒ ماموں زاد بھائی تھے،

تعلیم والد بزرگوار کی نگرانی میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے روضۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت شیخ نے فقہ نافع کو حفظ کر لیا تھا، فقہ، معانی، تفسیر، حدیث کی بھی تعلیم پائی، ہم عصروں میں ایک جید عالم کا مرتبہ رکھتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ جب مخاطب فرماتے تو مولانا برہان الدینؒ کہتے،

عبادت ایام طفلی ہی میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوا، جب عمر شریف چھ سات سال کی تھی تو تنہائی میں جا کر کلمۂ طیبہ کے ذکر پر مواظبت کرتے، تیرہ سال کی عمر میں ازدواجی علائق سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گذاری، کچھ دنوں کیمیا بنانے کا شوق رہا، لیکن محبوبؒ الٰہی کی صحبت کیمیا اثر میں یہ شوق زائل ہو گیا،

قیام دہلی اس زمانہ میں حضرت محبوبؒ الٰہی کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے تمام ہندوستان سیراب ہو رہا تھا، اس لئے حضرت شیخ برہان الدینؒ نے بھی دہلی میں یہ کشش پائی، اور ہانسی سے دہلی کھنچ کر چلے آئے، دہلی آ کر ایک مسجد میں قیام فرمایا، وہاں کے لوگوں نے حضرت شیخ میں بڑی جاذبیت پائی، اور مسجد میں ہجوم رہنے لگا، لیکن لوگوں کے اس میلان کے باوجود حضرت شیخ اس مسجد میں اس طرح رہتے، جیسے کوئی اجنبی اور

غریب الوطن رہتا ہے،

ارادت | ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گر پڑے ہیں، اور اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، لیکن نکل نہیں سکتے، یکایک حضرت محبوبؒ الٰہی نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیکر باہر نکالا، اس خواب کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، حضرت محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبال نے خدمت میں جاکر عرض کیا کہ برہان الدین غریبؒ آئے ہیں، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا، اب تو ان سے تمام لوگ آشنا ہو گئے ہیں، ابھی تک وہ غریب (اجنبی) ہیں اسی کے بعد سے وہ غریب کے لقب سے مشہور ہوئے، ارادت کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں بڑا تقرب حاصل کیا، اور باورچی خانہ کے نگراں مقرر ہوئے[1]

مقبولیت | تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ کو اپنے ہم چشموں میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی، حضرت محبوبؒ الٰہی کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سجزی، مولانا ابراہیم طشت دار، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین، اقبال خادم برابر ان کی صحبت میں رہتے، اور ان کی شیریں کلامی اور بذلہ سنجی سے بہت لطف و حظ اٹھاتے، لطائف اشرفی میں ہے، :-

"در وادیۂ خلت از ہمہ سبقت کردند، در ظرافت و لطافت طبع آیتی بود کہ در شانِ او نزول یافتہ، چنانکہ میر حسن امیر خسرو و خوش طبعانِ دیگر بوسیلۂ لطافت طبع او فریفتہ بودند" (ص ۳۵۷)

حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ جب اودھ سے دہلی تشریف لاتے تو حضرت شیخ ہی کے ساتھ قیام فرماتے، اور کبھی کبھی درس بھی لیتے،[2]

---

[1] روضۃ الاولیاء، اردو ترجمہ ص ۱۰۰، [2] سیر الاولیاء ص ۲۷۹-۲۸۰،

عتاب مرشد | ایک موقع پر مرشد کو کچھ باتیں ناگوار گذریں، جس سے شیخ کو ابتلا و آزمائش کی کٹھن گھڑیاں گذارنی پڑیں، علی زنبیلی اور ملک نصرت نے جو سلطان علاء الدین خلجی کے رشتہ دار تھے، حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اثنائے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادے پر بیٹھتے ہیں، وہ جسمانی حیثیت سے نحیف و منحنی تھے، کبر سنی کی وجہ سے دونوں زانوؤں میں درد رہا کرتا تھا، اس لئے کمبل کو دو تہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اسی کی طرف علی زنبیلی اور ملک نصرت نے اشارہ کیا، لیکن نشست کا یہ طریقہ حضرت محبوبؒ الٰہی کو ناگوار گذرا، اس لئے جب حضرت شیخ خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان سے مخاطب ہونا پسند نہیں فرمایا، اور جب جماعت خانہ میں تشریف لائے، تو اپنے خادم اقبال سے ان کو یہ کہلا بھیجا کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں، حضرت شیخ یہ سن کر پریشان اور سراسیمہ ہوئے، گھر جا کر سوگ میں بیٹھ گئے اور برابر روتے رہتے، لوگ ان کو دیکھنے کے لئے آتے، اور ان کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگتے، چند روز کے بعد حضرت امیر خسرو اپنی دستار گردن میں لٹکا کر حضرت محبوبؒ الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ان کو اس طرح دیکھ کر پوچھا "ترک! کیا ہے"، عرض کیا "مولانا برہان الدین کی معافی چاہتا ہوں"، متبسم ہو کر پوچھا "وہ کہاں ہیں"؟ مولانا برہان الدینؒ بھی اپنی دستار گردن میں ڈال کر حاضر ہوئے، اور صفِ نعال میں کھڑے ہو گئے، حضرت محبوبؒ الٰہی نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا،[1]

خلافت | رفتہ رفتہ حضرت شیخ درجۂ کمال کو پہنچے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی[2]، خلافت

---

[1] سیر الاولیا، ص ۲۸۱–۲۸۰–۲۷۹ [2] جس طرح سے خلافت ملی، اس کی روایتیں سیر الاولیاء، تاریخ فرشتہ اور دوسرے تذکروں میں مختلف ہیں، جن کی تفصیل لکھنا تحصیل حاصل ہے،

کے بعد مرشد نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار کیا،

ایک موقع پر حضرت محبوبؒ الٰہی کی مجلس میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی بزرگی کا ذکر آیا، محبوبؒ الٰہی نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہیں، کسی نے پوچھا وہ کہاں ہیں، فرمایا جماعت خانہ میں۔ اقبال خادم نے جماعت خانہ میں جاکر دیکھا تو وہاں اس وقت حضرت شیخ برہان الدین بیٹھے تھے،

ایک اور موقع پر حضرت محبوبؒ الٰہی نے حضرت شیخ کو اپنا فرزند شایستہ بتایا، اور فرمایا جو شخص مولانا برہان الدین کے ساتھ رہے گا، وہ بھی صاحبِ حشمت ہوگا، ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا، مولانا برہان الدین اخلاق، نعمتوں اور علوم لدنی کے مجموعہ ہیں[1]،

احترام مرشد | حضرت شیخ کو بھی اپنے مرشد سے بڑی محبت و عقیدت رہی، مرشد کی وفات کے بعد کبھی اپنی پشت غیاث پور کی طرف نہیں کی، جہاں ان کا مرقد مبارک ہے سیرالاولیا[2] میں ہے کہ

"در اعتقاد و محبت پیر راہ موئے بہتر از و کسے نبود" (ص ۲۷۹)

دکن کو روانگی | حضرت شیخ کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد حضرت محبوبؒ الٰہی نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کے رشد و ہدایت کی غرض سے حضرت شیخ کو دکن جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ کو مرشد کی مفارقت پسند نہ تھی، اس لئے یہ حکم سن کر عرض کیا، کہ نعلین مبارک سے جدا ہو جاؤں گا، حضرت محبوبؒ الٰہی نے فرمایا، نعلین بھی ہمراہ لے جاؤ، پھر عرض کیا، مجلس سے دور ہو جاؤں گا، مرشد نے فرمایا، اس وقت مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، ان کو بھی ساتھ لے جاؤ، کہا جاتا ہے کہ مجلس میں سات سو مریدین بیٹھے تھے

---

[1] روضۃ الاولیا ص ۱۱، و حواشی [2] سیرالاولیا ص ۲۷۸،

ان میں حضرت امیر حسن سجزی، شیخ کمال خجندی، شیخ جام اور شیخ فخرالدین وغیرہ بھی تھے، حضرت شیخ کو مرشد کا حکم بجالانا پڑا، اور سات سو ہمراہیوں کے ساتھ دولت آباد روانہ ہو گئے، یہ گویا دکن میں روحانی سپاہیوں کی فوج کشی تھی، رخصت کرتے وقت مرشد نے کچھ نصیحتیں کیں، جن میں دو یہ تھیں کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا، اور اپنی والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنے کو رحمتِ حق تصور کرنا۔

دولت آباد پہنچکر یہاں تقریباً اٹھائیس انتیس سال قیام فرمایا، اور یہیں واصل بحق ہوئے، اس مدت میں اپنے عادات و اطوار، معاملات وعبادات، اور کشف وکرامات کی بنا پر عوام و خواص، امرار و سلاطین کے قلوب پر فرمانروائی کرتے رہے،

اشاعت اسلام | حضرت شیخ اور ان کے ہمراہیوں کی مساعیِ جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت شیخ کے ذکر میں سفینۃ الاولیا میں ہے،

"از مریدان سلطان المشائخ اند وحضرت شیخ ایشاں را بہ طرف برہان پور دولت آباد بجہت رواج اسلام و ارشاد ساکنان آنحدود فرستادند و شیخ حسن دہلی را با بعضی از مریدان خود با ایشاں ہمراہ کردند، و از برکت قدوم ایشاں اکثرے از اں جماعہ بشرف اسلام مشرف گشتہ ومرید و معتقد گشتند" (ص ۱۷۲)

رشد و ہدایت | عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا، اور جوق درجوق حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، صرف حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی، ان مریدوں کو جو مذہبی اور روحانی تعلیمات دیں، ان کی تفصیل تو آگے آئے گی، جب ہم حضرت شیخ کے مریدوں کی ایسی تصانیف کا ذکر کریں گے، جو خاص ان کی فرمایش سے لکھی گئیں، یہاں پر اجمالی طور سے ہم ان تعلیمات کو پیش کرتے ہیں،

جن سے حضرت شیخ نے اپنے مریدوں کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کی،

طلب حق | ایک مسافر حضرت شیخ کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ میں آپ کے پاس دو چیزوں کے واسطے آیا ہوں، ایک تو دین حاصل کرنے کے لئے کیونکہ آپ پیشوائے دین، سر ولایت اور صاحب کشف و کرامت ہیں دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لئے کیونکہ سلاطین اور امراء آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، ایک خدا تم کو دونوں چیزیں پہنچا دیگا، خدا کو حاصل کر لو، ساری چیزیں خود بخود حاصل ہو جائیں گی،

کمال انسان | مولانا وجیہ الدین یوسف نے حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا، کہ میں جس قدر نفس کے عیوب کو دور کرتا ہوں اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہیں، حضرت شیخ نے فرمایا، یہ ایک انسان کا کمال ہے، کیونکہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے،

دنیا کی حقیقت | ایک موقع پر مریدوں کو مخاطب کرکے فرمایا، دنیا سایہ کے مانند ہے جب آدمی سایہ کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے، اور جب پیٹھ پھیرتا ہے، تو پیچھے پیچھے آتا ہے، ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھکو مشرق سے مغرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو،

فضیلت محبت | دل کی ماہیت یہ بتائی کہ یہ ایک ظرف کے مانند ہے، جب تک ظرف خالی ہے، ہوا سے پر رہتا ہے، اور جب اس میں کوئی چیز رکھدی جاتی ہے تو ہوا سے خالی ہو جاتا ہے، اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پر ہوتا ہے، لیکن جب اس میں محبت بھر جاتی ہے تو خواہش نفسانی دور ہو جاتی ہے، اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے،

راحت رسانی | معتقدوں کو تلقین کی کہ لوگوں کی راحت رسانی میں کوشاں رہیں،

اس سلسلہ میں فرمایا، ایک درخت خود تو دھوپ میں کھڑا رہتا ہے، لیکن دوسروں کو سایہ دیتا ہے، لکڑی خود تو جلتی ہے، لیکن اوروں کو آرام پہنچاتی ہے، اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے، اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے، لیکن دوسروں کو فائدہ اور آرام پہونچائے،

عیب جوئی، | لوگوں کی عیب جوئی کے سلسلہ میں مریدوں کو بتایا کہ اگر تمھارا کوئی عیب ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم میں وہ عیب ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس سے باز آؤ، اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو تم نے مجھ پر کرم کیا، کہ میرا عیب مجھ کو بتا دیا، اور اگر تم میں یہ عیب نہیں ہے، تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے، اور مجھ کو بھی بد کلامی سے محفوظ رکھے،

بخل و سخاوت | فرمایا ایک سخی ہوتا ہے، اور ایک بخیل، سخی وہ ہے جو مہان کو دوست رکھتا ہے، اور بخیل وہ ہے، جو دولت کو مہان رکھتا ہے،

مہان نوازی | مہان نوازی کے متعلق یہ تعلیم دی کہ جب کوئی مسافر مقیم کے پاس پہنچے تو مقیم کو مسافر کے سامنے دو قسم کا گرم پانی پیش کرنا چاہئے، ایک گرم پانی ہاتھ اور منھ دھونے کے لئے اور دوسرا گرم شوربا،

عدل و احسان | عدل و احسان کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہئے، اور احسان بھی، عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالہ کے ساتھ لقمہ کا انصاف کرے یعنی برابر برابر کھائے، اور احسان یہ ہے، کہ ہم پیالہ کے ساتھ اپنا لقمہ چھوڑتا اٹھائے، اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو، اس سے ایثار کرے،

طہارت باطن | ایک موقع پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے،

وہاں فرشتۂ رحمت داخل نہیں ہوتا، اسی سلسلہ میں یہ صوفیانہ نکتہ بتایا کہ نفس کتا ہے، اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے، ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی، خدا کی محبت کے لئے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے

اہل وعیال کے حقوق | بیوی اور بچوں کے حقوق کے بجالانے کی بھی تاکید کی، اور فرمایا بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں، جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں ہی سے بہلانا چاہئے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے[1]،

شیخ کے اقوال کی مقبولیت | حضرت شیخ کی زبان مبارک سے جو کوئی بات نکل جاتی، اسکو عام طور سے لوگ بہت ہی حسن عقیدت سے سنتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، ایک نوجوان سپاہی میدانِ جنگ میں گیا، تو وہ بالکل نڈر ہو کر معرکہ کارزار میں پیش پیش رہتا، لوگوں نے اس سے احتیاط کرنے کو کہا تو اس نے کہا، میں جوانی میں مر نہیں سکتا، کیونکہ حضرت شیخ برہان الدین نے فرمایا ہے، کہ جب تک تو بڈھا نہ ہوگا نہ مریگا[2]،

شیخ کی شیریں کلامی | حضرت شیخ اپنی مجلسوں میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں جو کچھ فرماتے اس میں بڑی شیرینی، فصاحت، بلاغت اور تاثیر ہوتی، اس لئے سامعین مجلسوں سے اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفا پاتے، سیر الاولیاء میں ہے :-

"ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز و صفائی محاورۂ وتعریب او عاشق جمال ولایت گشتے۔" (ص ۲۸۹)

مستفیدین، | حضرت شیخ کی صحبتِ کیمیا اثر سے جن بزرگوں نے روحانی کمالات حاصل کئے

---

[1] یہ تعلیمات روضۃ الاولیاء اور نفائس الانفاس کے ملفوظات سے جمع کی گئی ہیں،

[2] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۸،

ان میں بعض کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں،

۱۔ حضرت سید زین الدین، نام سید داؤد حسین، لقب سید زین الدین اور وطن شیراز تھا، شیراز سے دہلی آئے، اور دہلی سے دولت آباد منتقل ہوئے، بڑے جید عالم تھے، اسلئے دولت آباد میں علمار اور طلبہ کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا ایک مسجد میں تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے، اپنے علم کے غرور میں صوفیہ اور مشائخ کے قائل نہ تھے اور ان پر طنز و تشنیع کیا کرتے، ایک روز ان کا ایک شاگرد حضرت شیخ برہان الدین کے پاس مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے گیا، درس کے بعد محفل سماع تھی، اس میں بھی شریک ہو گیا، مولانا سید زین الدین کو معلوم ہوا تو اس پر برہم ہوئے، کہ ناچ گانے کی محفل میں کیوں شرکت کی، اسی برہمی میں شاگرد سے کہا کہ اگر شیخ برہان الدین صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں تو ان سے میرے چند سوالوں کو حل کرا کے لاؤ، اس کے بعد ان سوالوں کو کاغذ پر لکھ کر شاگرد کے حوالہ کیا، یہ بعض علمی سوالات تھے، جن کا جواب مولانا کے اساتذہ بھی نہ دے سکتے تھے اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے باوجود خود ان کے حل کرنے سے قاصر اور معذور تھے، انکو لکھ رکھا تھا، کہ بیت اللہ جاکر حرمین کے علمار سے حل کرائیں گے، جب شاگرد یہ سوالات لے کر حضرت شیخ برہان الدین کے پاس پہنچا تو شیخ نے ان کے کئی کئی جوابات لکھے، اور جب ان کو مولانا زین الدین نے پڑھا تو ان کے علم کا سارا غرور جاتا رہا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، اور حضرت شیخ کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کی، مولانا رکن الدین کاشانی کو لے کر حضرت شیخ کی قیامگاہ پر پہنچے، اور جب سامنا ہوا، تو دوڑ کر پیشانی قدموں پر جھکا دی، شیخ نے فرمایا، ہاں ہاں داؤد حسین یہ رسم شریعت میں جائز نہیں مولانا نے کہا، جب تک میں اس رسم کو شریعت کے خلاف جانتا تھا

تھا، نعمتِ باطنی سے محروم تھا، پھر یہ شعر پڑھا:۔

دست از طلب ندارم تا کار من برآید　　　یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اور اسی وقت بیعت کی، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا، اور مرشد کی صحبتِ بابرکت میں رہنے لگے، ایک روز مرشد نے کہا، داؤد صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کوئی کتاب پڑھو، عرض کیا، جس کتاب کا حکم ہو وہی پڑھوں، مرشد نے فرمایا مرصاد العباد پڑھو، مولانا زین الدین مرصاد العباد پڑھ چکے تھے، اور شاگردوں کو بھی پڑھا چکے تھے، لیکن مرشد کے حکم سے اس کو از سرِ نو پڑھنا شروع کیا، تین بار اس کو ختم کیا، اور ہر بار کہتے، واللہ یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی[1]، رفتہ رفتہ مولانا زین الدین نے درویشی میں بڑی فضیلت حاصل کی، خواص و عوام و سلاطین ان کے بہت معتقد رہے، سلطان محمد شاہ بہمنی، ان ہی کے ہاتھوں پر اپنے اعمالِ قبیحہ سے تائب ہوا، اور ان ہی کے رشد و ہدایت سے اپنی مملکت میں شریعت کو رواج دیا، شراب فروشی کی دوکانیں بند کرائیں، چوروں اور رہزنوں کا استیصال کیا[2]، خاندیس کے والی نصیر خاں فاروقی نے بھی حضرت سید زین الدین سے فیوض و برکات حاصل کئے اور ان کے نام پر ایک شہر زین آباد آباد کیا،

ایک بار حضرت شیخ زین الدین دہلی تشریف لے گئے، تو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی میں مستقل اقامت کے لئے اصرار کیا، لیکن ارشاد فرمایا، کہ میں اپنے شیخ کے آستانہ ہی پر مرنا چاہتا ہوں[3]، مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے، اہل دکن ان کو جلیل القدر اولیاء میں شمار کرتے ہیں، حضرت شیخ برہان الدین نے

---

[1] روضۃ الاولیاء مولفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اور روضۃ الاقطاب مولفہ محمد روشن علی میں مولانا زین الدین کے مفصل حالات ملیں گے، [2-3] روضۃ الاولیاء ص ۱۰۰-۱۰۶

ان کو زین الدین کا لقب عطا کیا تھا،

حضرت شیخ برہان الدینؒ کی صحبت میں حضرت فرید الدین ادیب بھی روحانی طور پر درجۂ کمال کو پہنچے، جب اٹھارہ سال کے تھے تو بیعت کی، اور رفتہ رفتہ مرشد کی نظر عنایت سے تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہوئے، مشہور تھا کہ ان کا گھر انوار الٰہی سے منور رہتا ہے جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن کی ہر رگ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے حضرت شیخ برہان الدینؒ فرماتے، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا لائے تو کہوں گا کہ فرید کو لایا ہوں، حضرت فرید الدینؒ بھی مرشد کا بڑا ادب کرتے، اور اسی ادب کے لئے فرید الدین ادیب مشہور ہوئے، وفات سے کچھ دنوں پہلے ایک روز روتے دکھائی دیے، رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، شیخ نے ارشاد فرمایا ہے، کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہ پر بیٹھے گا، لیکن یہ کس کی طاقت ہے کہ شیخ کی جگہ پر بیٹھے، اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ شیخ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھا لے، آخر ایسا ہی ہوا، اپنے مرشد سے تیرہ دن پہلے ۲۹ محرم ۷۳۸ھ میں وفات پائی[1]، مزار شریف خلد آباد میں ہے،

حضرت فخر الدین دولت آباد کے جلیل القدر امراء میں تھے، حضرت شیخ دولت آباد تشریف لائے تو کچھ دنوں ان ہی کے یہاں قیام فرمایا، حضرت فخر الدین نے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر امارت میں درویشی کی شان پیدا کی، اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، شاہی دربار کی طلب پر دہلی گئے، اور وہاں سے مرشد کے حکم سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت شیخ نے ان کو خرقۂ خلافت اور ارادت کا اجازت نامہ بھیجا، لیکن قاصد اس وقت دہلی پہنچا جب حضرت شیخ کا وصال ہو چکا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو روضۃ الاولیا ص ۴۲-۱۶،

تھا، حضرت فخرالدین اجازت نامہ پڑھکر روتے اور کہتے کہ افسوس میری عمر دنیا داروں میں گذری، اب یہ شب ہجر کیسے تمام ہوگی، اور صبح مراد کیونکر حاصل ہوگی، اسی وقت تمام املاک چھوڑکر دولت آباد آئے، اور بقیہ عمر شیخ کے طریقہ پر گذاری، حضرت فخرالدین پہلے خلیفہ ہیں، جن کو حضرت شیخ نے مرید کرنے کی اجازت دی شیخ کے حکم کے بموجب بہت سے سالکان طریقت کو داخل بیعت کیا۔[1]

حضرت کاکا سعد بخت (یا شاد بخت) شیراز کے رہنے والے تھے، وطن مالوف سے دہلی اور وہاں سے دولت آباد آئے، حضرت شیخ جب دولت آباد پہنچے تو انہی کے دولت کدہ پر قیام فرمایا، اس کے بعد حضرت فخرالدین کے یہاں منتقل ہوگئے، حضرت کاکا ارادت کے بعد اپنی تمام زندگی مرشد کی خدمت گذاری اور غمخواری میں گذار دی، حضرت شیخ کے باورچیخانہ کے وہی نگراں رہے، حضرت شیخ بھی ان سے بہت خوش رہتے، اور فرماتے کہ کاکا نیک اور پاک لوگوں میں ہیں، اسی لئے وہ منظور الاولیاء اور مقبول الاتقیاء کہلائے، مرشد کی وفات کے بعد بھی نو سال تک مزار مبارک کی تولیت کی، شیخ کے پائیں میں مدفون ہیں۔[2]

حضرت رکن الدین کاشانی، حضرت حماد کاشانی اور حضرت مجد الدین تینوں بھائی تھے، حضرت شیخ کی نظر کیمیا اثر سے سلوک کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے، اور ممتاز خلیفہ ہوئے انکی تصانیف کا ذکر آگے آئے گا،

قتلغ خاں دبیر اور رفیع الدین دولت آباد کے یکے بعد دیگرے صوبہ دار ہوئے، اور دونوں حضرت شیخ کی صحبت سے فیض یاب ہوا کرتے تھے،

حضرت شیخ سے سلاطین کی عقیدت:- نصیر الدین فاروقی نے دریائے تاپتی کے کنارے حضرت شیخ ہی

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۶۷-۷۵ [2] روضۃ الاولیاء ص ۴۳-۴۲،

کے اسم مبارک پر ایک شہر برہان پور آباد کیا۔ روضۃ الاولیا میں ہے کہ ملوک زمانہ میں سے کسی نے حضرت شیخ سے درخواست کی کہ اس کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرزند عطا فرمائے، حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کو ایک نہیں چار فرزند عطا ہوں گے، لیکن وہ چارو اس کے کام کے نہ ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے چار لڑکے، خواجہ خیر الدین خواجہ قبول، خواجہ عبد الرحمٰن اور خواجہ جلدک ہوئے، اور چاروں نے حضرت شیخ کی خدمت میں زندگی گزاری، حضرت شیخ فرماتے یہ میرے غلام بھی ہیں اور فرزند بھی[1]،

سلطان محمد تغلق کو بھی حضرت شیخ سے عقیدت تھی، ایک روز دولت آباد میں جامع قطبی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کی ملاقات کے لئے روانہ ہوا، حضرت شیخ اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں کی ملاقات وصحبت کو پسند نہیں کرتے تھے، جب اپنی قیام گاہ کی طرف شاہی سواری کے آنے کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو معلوم نہیں سلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستہ سے واپس چلا گیا، سلطان نے ایک موقع پر تین ہزار سونے کے ٹنکے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے، ملک نائب باربک یہ رقم لیکر پہونچا تو انھوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن سلطان نے ملک نائب باربک کو یہ کہہ کر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لئے نہیں بلکہ ان کے خدمتگزاروں کے لئے ہے، حضرت شیخ نے یہ رقم لے لی، اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو لاؤ، خادم نے بیس ٹنکے لاکر پیش کئے، فرمایا انکو سلطان کے تین ہزار ٹنکے میں ملاکر فقراء میں تقسیم کردو، اور ایسا ہی کیا گیا[2]،

ذوق سماع | سماع سے بڑا شغف رکھتے تھے، اور جب وجد میں آتے تو ان پر غیر معمولی

---

[1] روضۃ الاولیا ص ۱۰۸، [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۲۷،

کیفیت طاری ہوجاتی، سیر الاولیا میں ہے:۔

"در سماع غلو تمام بود و ذوق بسیار داو را و یاران او را در رقص طرزے علیحدہ بود

چنانکہ اصحاب ایں بزرگ را میان یاراں بر ہائی گفتندے" (ص ۲۷۹)

ریاضت | رشد و ہدایت کی مشغولیت کے باوجود عبادت و مجاہدہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے، اور یہ معمول پچیس[۲۵] سال تک رہا، مصلیٰ ہی اوڑھنا بچھونا ہوتا، تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، اشراق کی نماز کے بعد صلوٰۃ التحفہ اور اسکے بعد چاشت کی نماز پڑھتے، پھر کلام پاک کے تین پاروں کی تلاوت فرماتے، جس کے بعد قبرستان کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے، وہاں کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے، زیارت کے بعد قیلولہ کرتے، اس ریاضت کے باوجود فرماتے یہ کیا نماز اور سجدہ ہے، جو ہم کرتے ہیں، سجدہ وہ ہے جو نباتات کرتے ہیں، کہ جب سے اگتے ہیں، ان کا سر سجدہ میں ہوتا ہے، یہانتک کہ خشک ہوجاتے ہیں، کبھی فرماتے، اے نفس میں کہتا تھا کہ تجھ کو خوب پامال کروں گا، ایک مدت ہوگئی، لیکن کچھ نہ کرسکا۔[۱]

غذا | اوپر ذکر آیا ہے کہ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، افطار کبھی صرف پانی کبھی صرف سرکہ اور کبھی صرف دہی سے فرماتے، ہفتہ میں صرف ڈیڑھ دن آدھا پیٹ کھاتے تھے، لوبیا اور نانِ جو پسند تھی، ایک دفعہ حضرت کاکا سعد بخت نے مغز بادام اور مصری پیش کی، چند دانے کھاکر فرمایا، کاکا اس میں کسی قسم کی لذت محسوس نہیں ہوتی، حضرت کاکا بولے ایک وہ وقت تھا کہ شوق سے لوبیا اور جو کی روٹی تناول فرماتے، اب مصری کے ساتھ

---

[۱] روضۃ الاولیا ص ۱۰

مغز بادام پسند نہیں، فرمایا سچ کہتا ہوں، جو لذت و حلاوت جو کی روٹی اور لوبیا میں پاتا تھا، اب کسی کھانے میں نہیں پاتا، وہ مجاہدے کا وقت اور محبوب سے فراق کا دور تھا اب وصالِ الٰہی کا زمانہ ہے، اس بادام اور اس مصری میں کیا لذت مل سکتی ہے[1]،

لباس و اسباب عمامہ، کرتا، عبا اور تہ بند زیب تن فرماتے، وفات کے وقت ذاتی ملک میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، گھر میں جو کچھ ہوتا راہ خدا میں دیدیتے، ایک مصلے پر چھ سال نماز پڑھی، کبھی اس پر سو رہتے، اور کبھی اسی کو اوڑھ لیتے[2]،

علالت وفات سے پہلے تین سال تک مسلسل علیل رہے، لیکن علالت کے زمانے میں بھی رشد و ہدایت اور عبادت و ریاضت کا سلسلہ جاری رکھا، علاج کرانے کے قائل نہ تھے، فرماتے طبیبی ذکر حبیبی یعنی میرے دوست کی یاد میرا طبیب ہے، کبھی رویا کرتے، لیکن مریدوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں، ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے باز رہتا ہوں تو روتا ہوں، آخر زمانہ میں مریدوں نے دہلی لے جانا چاہا، لیکن جہاں مرقد مبارک ہے، اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، میں اس مقام سے جا نہیں سکتا،

وفات آخر وقت میں ایک روز مریدوں کو بلا کر نصیحتیں کیں، اور ان میں سے ہر ایک کو دستِ مبارک سے کچھ کپڑے عنایت کئے، وفات کے روز اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی تسبیح منگوائی، اس کو سامنے رکھا اور اپنی دستار گلے میں ڈال کر کہنے لگے، مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں میں ایک نہ تھا، نیک زندگی بھی بسر نہیں کی، اپنا انصاف خود کرتا ہوں، پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید بیعت کی اور زار زار رونے لگے، چاشت کے وقت خادم خاص سے کہا کہ باورچی خانہ میں

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۲۵۔ [2] ایضاً ص ۰ ، نیز دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۰۹ ، ۱۲۲،

دوستوں کو لے جاکر کھانا کھلادو، وہاں کچھ باقی نہ رہے، اور جب یاران طریقت کھانا کھاچکے تو حضرت شیخ نے مرشد کا خرقہ اور تبرکات لانے کو کہا، اور اسی وقت روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی،[1] نفائس الانفاس میں وفات کی تاریخ صفر ۷۳۸ھ لکھی ہوئی ہے، مرقد مبارک خلد آباد میں ہے،

درجہ و مقام | تذکروں میں حضرت شیخ کے اسم مبارک کے ساتھ اسد الاولیاء والعارفین، قطب عالم، مظہر الوہیت، طیر لامکان، قطب المدار، بایزید ثانی وغیرہ القاب لکھے جاتے ہیں۔

ملفوظات | حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کے تین مجموعوں کے نام معلوم ہوسکے ہیں

(۱) حصول الوصول، اس کو حضرت شیخ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا،

(۲) ہدایت القلوب، اس کو ایک دوسرے مرید شیخ حسین نے قلمبند کیا،

(۳) نفائس الانفاس، اس کو ایک تیسرے مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا،

(۴) مولانا حمید شاعر قلندر نے بھی غالباً ملفوظات کا کوئی مجموعہ تیار کیا تھا،

راقم کو ان ملفوظات میں صرف نفائس الانفاس کا ایک کرم خوردہ اور بدخط قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، اس کی ابتداء رمضان المبارک ۷۳۲ھ سے کی گئی ہے، اور صفر ۷۳۸ھ تک کے ملفوظات درج کرکے ختم کر دیا گیا ہے، یہی تاریخ حضرت شیخ برہان الدین کی وفات کی ہے، ان ملفوظات کو فوائد الفواد کے طرز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مرتب خواجہ رکن عماد کاشانی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی، اس لئے

---

[1] روضۃ الاولیاء ص ۲۹-۲۸،

نفائس الانفاس کے دیباچہ میں مرشد کے لیے یہ القاب استعمال کرتے ہیں :۔ (ص ۳)

"ختم المشائخ والعاشقین، ملجار الاوتاد والمجتہدین، برہان الحق والشرع والدین حجۃ الاسلام والدین، زبدۃ الاتقیا، زین الاولیا، کاشف اسرار المعانی، شارح رموز السبع المثانی، علم الہدیٰ، علامت الوریٰ غوث الثقلین..... الثانی فین الجنید فی زمانہ والفضل فی اوانہ الشبلی فی عبادتہ، والنوری فی زہادتہ، کہف الصدق والیقین، ملاذ الاقطاب والمحققین محمد محمود ناصر المدعو الغریب بیت

غریب است ایں محب حق بدنیا حبیب اللہ فی الدنیا غریب

نفائس الانفاس کا پیش نظر قلمی نسخہ ۱۰۸ صفحے پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کی تمام تر وہی تعلیمات ہیں جن کو ہم گذشتہ صفحات میں بزرگان چشت کے ملفوظات سے پیش کر چکے ہیں، اور جستہ جستہ حضرت شیخ برہان الدین غریب کے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں بھی ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے، لیکن یہاں پر ہم حضرت شیخ کی کچھ روحانی تعلیمات کو ان کے خلفار کی تصانیف کی مدد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

شمائل الاتقیار | نفائس الانفاس کے مرتب خواجہ رکن الدین بن عماد الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے شمائل الاتقیا لکھی، جو اب تک فن تصوف میں ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب چار قسموں میں تقسیم ہے، پہلی قسم اصحاب طریقت کے افعال دوسری قسم ارباب حقیقت کے احوال، تیسری قسم وجود باری تعالیٰ کے اوصاف اور اور چوتھی قسم بندوں کے فضائل پر ہے، کل ۱۰ بیانات (یعنی ابواب) ہیں، اس کتاب کی تالیف میں فاضل مؤلف نے تقریباً دو سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے جس سے ان کے علمی تبحر اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، دیباچہ میں ان تمام

کتابوں کے نام درج ہیں، تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو لیکن مؤلف نے ان مسائل پر کوئی مرتب اور مدلل بحث نہیں کی ہے، بلکہ ہر مسئلہ پر شروع میں اپنی رائے کا اظہار کرکے کلام پاک کی آیات، تفاسیر کی تشریحات، احادیث نبویؐ، صحابۂ کرام، تابعین عظام، بزرگان علم طریقت و حقیقت کے اقوال اور مختلف ارباب تصانیف کی رائیں نقل کر دی ہیں، اس کا سبب خود بتایا ہے کہ

"اگر کسے را در روایتے نزاع افتد و در مقدمہ و کلمہ شبہہ بر خاطر گذرد در کتب

وسیع مذکور نظر فرماید تا بہ تحقیق و تیقن انجامد"

شمائل الاتقیا کے اس طرز تالیف سے رہروان سلوک کو تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفوں کے خیالات کی روشنی میں علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے میں بڑی آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اہل نظر نے اس کو جامع، مفصل اور دلچسپ تصنیف بتایا ہے[1]،

خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی کی کچھ اور تصانیف اور رسائل کے نام یہ ہیں، رسالہ غریب، رموز الوالہین، اذکار المذکور، تفسیر رموز، لیکن یہ سب ناپید ہیں، البتہ ان کے اقتباسات کثرت سے شمائل الاتقیا میں ملتے ہیں،

رسالہ غریب | رسالہ غریب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو حضرت خواجہ غریب نے بزرگان چشت سے پائی تھیں، ان تعلیمات کو خاص خاص عنوانات کے تحت ہم قلمبند کرتے ہیں،

نماز | ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضا سے ہے، اور باطن کی نماز طریقہ

---

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس ص ۱۰۱۴ و فہرست کتب خانہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ،

کے رو سے دل کا تفکر ہے، اور قلب و روح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے، اور وہ حقیقت کی نماز ہے، خواص ظاہر میں تو کعبہ کی طرف رخ کرتے ہیں، لیکن ان کی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے، سجدۂ جسم تو خضوع ہے، اور سجدۂ دل خشوع، سجدہ میں پیشانی اگر زمین پر ہے، اور دل ہر طرف دوڑ رہا ہے تو ایسا سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا، بلکہ مردود ہو جاتا ہے، حضور دل کے ساتھ تھوڑی سی نماز بے حضوری کی بہت سے نمازوں سے افضل ہے، نماز پڑھنے والے، اگر اپنی نماز کی بربادی سے واقف ہو جاتے ہیں، یعنی ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوئی، تو پھر ان کو دعا مانگنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے[۱]،

تلاوت قرآن پاک تلاوتِ قرآن مجید کے وقت اگر عذاب و رحمت کی آیت آئے تو اسوقت تلاوت کرنے والے تامل اور تفکر کریں، اگر حق تعالیٰ کی صفات کی آیات آئیں تو وہ تواضع و عزت کریں، اور جب حق تعالیٰ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کفار کی جسارت کا ذکر ہو، تو اس کو آہستہ اور شرم کے ساتھ پڑھیں، تلاوت کے وقت یہ خیال رہے، کہ خود خداوند تعالیٰ ان سے کچھ کہہ رہا ہے، خداوند تعالیٰ کی تجلی کلام پاک کے حروف میں تبدیل کر دی گئی ہے، اسی وجہ سے آنکھ اور دل اس تجلی کی تاب لا سکتے ہیں۔ ورنہ زمین اور آسمان بھی اس کی تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے[۲]،

روزہ روزہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، روزے سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں، اور خداوند تعالیٰ کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں، ہر عبادت و اطاعت کی جزا تو بہشت ہے، لیکن روزے کی جزا خود حق تعالیٰ ہے، روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریان میں ہے[۳]،

---

[۱] رسائل غریب در شمائل الاتقیا ص ۹۰، ۹۶ [۲] یہ باتیں رسالہ غریب اور رموز الوالہین دونوں سے لی گئی ہیں، دیکھو شمائل الاتقیا ص ۹۶-۹۵ [۳] ایضاً ص ۸۲

زکوٰۃ | اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص و عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے، وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے، اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے، انبیار کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت نبوت کی وجہ سے خلق اللہ کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں، برگزیدہ اولیار اللہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیۂ دل و تجلیۂ روح کے ذریعہ سے عشق، محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں، مشائخ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے ہیں، علمار کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک، احادیث نبویؐ اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، اور اغنیار کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دینار میں پانچ دینار غربا کو دیدیتے ہیں[1]

حج | عام حاجیوں کا حج دینی و دنیاوی مقاصد کے لیے ہوتا ہے، وہ خانہ کعبہ کا طواف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں لیکن عاشقانِ خدا کا حج ربِ کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے، وہ احرام اس لئے باندھتے ہیں کہ اسرار الوہیت معلوم کریں، ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے، لیکن ایک عاشق خدا حج میں اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے، کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصود اصلی و مطلوب کلی نظر آتا ہے[2]،

عبادت | بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے، اور عبادت سے منھ موڑنا کفر ہے[3]،

شریعت، طریقت و حقیقت | اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے، دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے، اور ما سوار اللہ کی باتوں کو دفع

---

[1] رموز الواصلین در شمائل الاتقیار ص ۹۲ [2] ایضاً ص ۸۰،

[3] رسالہ غریب در شمائل الاتقیار ص ۱۶۲

کرکے روح میں تجلی پیدا کر" حقیقت ہے۔ (رسالہ غریب در شمائل الاتقیا ص ۹۸)

سلوک ملکوتی | سلوک ملکوتی یہ ہے کہ اخلاق نبوی اور افعال نبوی کی متابعت کی جائے،
اخلاق و اعمال نبوی کے اتباع کے بعد احوال مصطفوی کی متابعت ضروری ہے، اور اسی سے
انوار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں، جس کے بعد سالک عالم جبروت میں پہونچ کر صفات خداوندی
سے حظ اٹھاتا ہے، (ایضاً ص ۱۱۳، ۱۱۶)

ذکر | ذکر چار قسم کا ہوتا ہے، (۱) لسانی جس سے دل پر اثر ہوتا ہے، (۲) قلبی جس سے
تمام اعضا متاثر ہوتے ہیں، (۳) طبعی یعنی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے میں بھی ہر عضو سے
ذکر ہو، اور کان میں جو آواز پڑے وہ بھی ذکر ہو (۴) مستولی یعنی ذکر کا ایسا استیلا
ہو کہ نہ ذکر رہے، نہ ذاکر، بلکہ صرف مذکور رہے،

جمع و تفرقہ | تفرقہ فصل پیدا کرتا ہے، اور جمع سے وصل ہوتا ہے، مجنون کے باطن کی جمعیت
لیلیٰ سے تھی، اس لئے وہ جملہ موجودات کو لیلیٰ کی صورت میں دیکھتا تھا، اسی طرح جو
دل حق تعالیٰ میں جمع ہے، وہ تمام مخلوقات کے اندیشہ سے متفرق یعنی علیحدہ رہتا ہے۔
اور جب وہ تمام تکوینی قوتوں سے رخ پھیر لیتا ہے، تو اس کا رخ حق کی طرف ہو جاتا ہے
تفرقہ کسب سے حاصل ہوتا ہے، اور جمع عطیۂ الٰہی ہے، اولیاء اللہ اسرار باطن کو جمع رکھتے
ہیں، اور معاملات ظاہر سے متفرق یعنی علیحدہ رہتے ہیں،

علم الیقین و عین الیقین | دنیا میں علم الیقین کی تمیز حضور قلب کی حالت میں ہوتی ہے، اور
جب ایک سالک حضور سے غیبت میں ہوتا ہے، تو حالت تمیز سکر میں بدل جاتی ہے
اور عین الیقین ظاہر ہوتا ہے، ایک سالک کو پہلے علم الیقین حاصل ہوتا ہے، علم الیقین
سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اہل یقین دوزخ

کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں، اور اسی یقین کی بدولت پانی کو زمین، زمین کو پانی، سرد کو گرم اور گرم کو سرد بنا سکتے ہیں[۱]،

موت موت تین قسم کی ہوتی ہے، صوری، معنوی، اور حقیقی، صوری تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے، اور یہ شرعی موت ہے، جس کو موت صغریٰ کہتے ہیں، معنوی یہ کہ ایک مرید کسی غیر شیخ سے کچھ التجا کرے، یہ موت طریقت اور موت کبریٰ ہے، اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی غیر حق سے کچھ التجا کرے، اور یہ موت اکبر ہے[۲]،

رضا و صبر رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہت پیدا نہ ہو، لیکن اگر اس سے کراہت پیدا ہو اور اس کا اظہار نہ کرے، تو یہ صبر ہے، یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا رضا ہے، اور کراہت کے ساتھ برداشت کرنا صبر ہے[۳]،

حضور حضور سے مراد حق تعالیٰ کو دیکھنا ہے، نہ کہ اس سے گفتگو کرنا ہے، حضور میں گفتگو کرنا بے ادبی ہے، اور بے ادب اس مقام تک پہنچ نہیں سکتا، اگر گفتگو ہو تو صرف سننے کے لئے ہو، اور سننا صرف جاننے کے لئے ہو، اور جاننا تمام چیزوں سے فارغ ہونے کے لئے ہو، اس کا طالب اگر سو سال تک مشغول رہے، اور ایک لحظہ کے لئے بھی غائب ہو جائے تو اس سے جو چیز کھو جاتی ہے وہ پھر واپس نہیں ہو سکتی، حضورِ دل کے لئے مراقبہ لازمی ہے، اور مراقبہ بغیر حضور کے ممکن نہیں، اسی طرح مراقبہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہو سکتا[۴]،

رویت رویت خدا تین قسم کی ہوتی ہے، یقینی، مشاہدہ اور عیانی، یقینی تو یہ ہے کہ عوام میں سے ہر مومن یہ یقین رکھتا ہے، کہ حق تعالیٰ کی ایک حقیقت ہے، جو نظر آئے گی، خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں، اور عیانی یہ ہے کہ قیامت

---

[۱] رسالہ غوثیہ و شمائل الاتقیاء ص ۴۲۰، اور رموز الوالہین ص ۲۵۳، [۲] رسالہ غوثیہ و شمائل الاتقیاء ص ۲۷۱، [۳] شمائل الاتقیاء ص ۲۳۹، [۴] ایضاً ص ۲۴۵

کے روز آنکھوں سے دیکھیں گے[1]

رموز الوالہین | حضرت خواجہ رکن الدین کی ایک تصنیف رموز الوالہین بھی ہے، اس کی تعلیمات یہ ہیں :۔

فقر | فقر عشق ہے، فقیر راہ طریقت وحقیقت کا عاشق یعنی عاشق لقاء اللہ ہے، اس عشق میں اس کو کسی اور چیز کی آرزو نہیں ہوتی، اور جب لقاء اللہ میں اس کو استغراق ہو جاتا ہے، تو صفت بقا سے موصوف ہوتا ہے، اور وہ جمال اللہ کے انوار کی تجلی پاتا ہے، اور "ہویت" کی صفت سے مخصوص ہو جاتا ہے، اسی کے بعد فقر کا درجہ ختم ہو جاتا ہے[2]

صحو و سکر | ہر صحو میں سکر اور ہر سکر میں صحو ہے، جب سالک صحو میں ہوتا ہے تو ایک ایسے مقام میں پہنچتا ہے، جہاں وہ حیران رہتا ہے اسی کے بعد وہ سکر میں آجاتا ہے، اور جب اس مقام میں اس کی حیرانی دور ہو جاتی ہے تو صحو میں چلا آتا ہے، اس کے بعد پھر کوئی بلند تر مقام پر اس کی نظر پڑتی ہے، تو پھر سکر میں ہو جاتا ہے، اس مقام خاص میں کبھی سکر میں اور کبھی صحو میں ہوتا ہے، یہ احوال ذوق سے پیدا ہوتے ہیں[3]

تلوین و تمکین | سالک جب فکر کرتا ہے تو دو مقام آتے ہیں، تلوین اور تمکین، مقام تلوین میں صفات سلبی اور مقام تمکین میں صفات ثبوتی پیدا ہوتی ہیں، جس کے بعد نفسانی خواہشات بالکل نہیں رہتی ہیں[4]

جلال و جمال | حق تعالیٰ جب کسی پر عنایت کرتا ہے، تو پہلے اس پر اپنے جلال کا قہر نازل کرتا ہے، اگر وہ اس جلال کا متحمل ہوتا ہے، اور اس جلال میں لطف محسوس کرکے اس کی زیادتی کے لئے دعا کرتا ہے، تو گویا اس میں اصلی محبت حقیقی

---

[1] رسالہ غریب در شمائل الاتقیاء ص ۴۴۳ [2] رموز الوالہین در شمائل الاتقیاء ص ۱۰ [3] ایضاً ص ۵۰ [4] ایضاً ص ۵۲

عشق کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے، اور جب جلال میں اس کو لذت محسوس ہوتی رہتی ہے تو وہ جمال حق تعالیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، انبیا جمال سے جلال کی طرف آتے ہیں، لیکن اولیا جلال سے جمال کی طرف جاتے ہیں[1]

حضرت غریب کے مریدوں کی تصانیف | خواجہ رکن الدین کے ۲ بھائی، خواجہ حماد الدین اور خواجہ مجد الدین بھی صاحبِ تصنیف تھے، اول الذکر کی تصنیفات کے نام یہ ہیں،

(۱) حصول الوصول (۲) اسرار الطریقت (۳) احسن الاقوال (ملفوظات حضرت خواجہ برہان الدین غریب)

موخر الذکر کی دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں، غرائب الکرامات و بقیۃ الغرائب ان دونوں میں حضرت برہان الغریب کے خوارق عادات و کرامات کا ذکر ہے،

---

[1] رموز الواصلین در شمائل اتقیا (ص ۳۷۶) در مذہب محققان جلال جمال واحد و صمد نیز از صفات ذاتی است و زائد بر ذات است اتحاداً تغیراً،

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ

نام و وطن اسم گرامی ضیاء الدین تھا، بدایوں کے رہنے والے تھے، اصلی وطن نخشب (بخارا) تھا، اسی مناسبت سے اپنی شاعری میں نخشبی تخلص کرتے تھے، گو زندگی گوشۂ تنہائی میں گذاری لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی،

ارادت اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی[1]، اخبار الاخیار میں ہے:۔

"چنیں شنیدہ شدہ است کہ وی مرید شیخ فرید است کہ نبیرہ و خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری است و اللہ اعلم"

خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"از عظمائے مشائخ و اکابر خلفائے شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی است، از مشاہیر اولیائے ہندوستان است در شہر بداؤں بزاویہ خمول بکار خود مشغول بودی و از صحبت خلق متفرد با عتقاد و انکار کسے کارے ندارد"

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، لیکن اخبار الاخیار میں ہے۔

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۹، خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۵۱،

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے (۱) ضیاء سنامی جو منکر شیخ تھے (۲) ضیاء برنی جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے (۳) ضیاء نخشبی جو شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد (ص ۹۰)

عزلت نشینی | حضرت ضیاء الدین نخشبی نے خواص وعوام دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی فقرانہ زندگی زاویۂ خمول میں گذاری، اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھا، اس لئے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی،

سال وفات | اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے،

مرقد بدایوں ہی میں ہے،

تصانیف | متعدد تصانیف چھوڑیں، خزینۃ الاصفیا میں ان کے نام یہ ہیں (۱) سلک السلوک (۲) عشرہ مبشرہ (۳) کلیات وجزئیات (۴) شرح دعاے سریانی (۵) طوطی نامہ[1]، ان تمام تصانیف پر خزینۃ الاصفیاء کے مصنف اپنی راے کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

"ایں ہمہ کتب مملو از قطعات رنگین و دلچسپ کہ بیک طریق و یک طرز واقع شدہ اند" (ق ۲۸۱)

ان میں سے سلک السلوک اور طوطی نامہ بہت مقبول ہوئیں

سلک السلوک پر ایک نظر | سلک السلوک فن معرفت وسلوک میں ایک اہم تصنیف ہے، اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات میں بیان کیا گیا ہے، ہر مسئلہ ایک علحدہ سلک یعنی باب میں ہے، کل ۱۵۱ سلک ہیں، شروع میں تصوف کی اصطلاحات

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۵۱

کی تشریح ہے، پھر صوفیانہ رموز و نکات کی تصریح و توضیح حکایتوں کے پیرایہ میں کی گئی ہے مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یادِ حق ضرور کرنی چاہئے، تو لکھتے ہیں:۔

"ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی، جب رات ہوئی، لونڈی سے کہا اے کنیزک، میرا بچھونا درست کر دے کہ میں سو رہوں، لونڈی نے کہا اے مولیٰ! کیا تمھارا بھی مولیٰ ہے، خواجہ نے کہا ہاں، لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے، خواجہ نے کہا نہیں، لونڈی نے کہا تمھیں شرم نہیں آتی، تمھارا مولیٰ تو جاگے اور تم سو رہو"

اسی طرح یہ تلقین کرنی چاہتے ہیں کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے، تو رقمطراز ہیں:۔

"ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لئے باہر نکلتے تھے، جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کون سا ہے، ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسوں مسجد جاتے ہو گئے، لیکن راستہ یاد نہیں، انھوں نے کہا میں جانتا ہوں، مگر محکوم ہو کے چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے، چاہئے کہ اپنی ذات کو دوسروں کے طفیل میں کیجئے"

یہ اندازِ بیان اور بھی دلپذیر اور موثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے، مثلاً

"سنو سنو ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمھاری قوم میں جتنے نیک ہیں ان کو بدوں سے الگ کرو، موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی، بہت سے لوگ باہر آئے، حکم ہوا، ان میں سے نیکوں کو چن لو، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے، فرمان ہوا، موسیٰ ان میں سے بھی چنو، چنانچہ ستر میں سے سات چنے، پھر حکم ہوا کہ ان میں سے چنو، تب ان تین سے ین چنے، حکم آیا، اے موسیٰ میرے نزدیک یہ تینوں

سب سے بڑے ہیں، کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے، اے عزیز! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے، کہ عبادت کرے اور فخر کرے، شریعت میں مدعا علیہ کو قید کرتے ہیں، لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے"

ایک حکایت اور ملاحظہ ہو:۔

"سنو سنو، ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار، اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا، دیکھ کر کہا یہ آسان ہے، لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے"

ایک اور حکایت ہدیۂ ناظرین ہے:۔

"سنو سنو، ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدیں، دینار کو گھر میں تولا، جب بازار گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے، لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہیں، فرمایا جب گھر کی چیزیں ٹھیک نہیں ہوئی تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا"

ان دلچسپ حکایتوں میں اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے جا بجا ان کو اپنے قطعات سے بھی مزین کرتے ہیں، مثلاً

"سنو سنو وہب بن منبہ کہتے تھے، کہ کعب احبارؓ مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے، پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے، فرمایا میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگ ہوں گے، کہ جب وہ مسجد میں سجدے کریں گے اور انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والوں کو خدا بخش دیگا، میں اسی سبب سے سب کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تاکہ ان کے سجدے سے میرا کام بن جائے" قطعہ

تختی در میان بہ میں خود را   قطرہ را چہ بیلے می خوانی

ہمہ کس در طفیل تو گردد　　گر تو خود را طفیل کس دانی

"ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا، بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچکر فریاد کی، اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجئے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائیگا بوڑھی عورت نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے بولی اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیرے قدرت میں ہے لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے، کیا تو نے اس کو سنا، ہمیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دیگا، بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں بڑی نرمی پیدا ہوئی، اور اس کے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، اس کو ایک خلعت دیا، اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا، اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ ھذا عطاء اللہ تعالیٰ علی رغم خلیفۃ و مقامہ و محلہ (یہ خلیفہ اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ

نخشی حکم خلق چیزے نیست　　مرد ایں رہ کجاست در عالم
در جہاں گفت ہیچ کس نشود　　حکم حکم خداست در عالم

"سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، ستر سال عبادت کی، ایک دن کسی حاجت روائی کے لئے دعا مانگی لیکن دعا قبول نہیں ہوئی، اپنے نفس سے برہم ہوا، کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی، حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے" قطعہ

نخشبی در عتابِ خود می باش — ورنہ خود باطن تو خون گردد
ہر کہ با نفس خود عتابے کردد — از عتاب ہمہ مصئون گردد[1]

مولانا عبد الحق محدث دہلویؒ سلک السلوک کو بڑی شیریں و رنگین کتاب بتاتے ہیں، اخبار الاخیار میں رقم طراز ہیں:-

"سلک السلوک بو نعایت کتاب شیریں و رنگین است بزبانی لطیف موثر مشتمل برحکایات مشائخ و کلمات ایشاں و اکثر تصنیفات وی مملوست بقطعہائے کہ ہمہ یک طریقہ یک نہج واقعند" (ص ۹۸-۹۷)

نخشبی کے قطعات کے کچھ اور نمونے یہ ہیں، اُن میں ہر قسم کی اخلاقی اور روحانی تعلیمات ہیں،

نخشبی تا نظر بخود نہ کنی — مثل ایں کار مرد رہ نکند
ہر کرا سوئے خود نگہ باشد — ہیچ کس سوئے او نگہ نکند

نخشبی تا تواں حلال طلب — کہ رہِ شبہ خارہا دارد
نان بے شبہ را کجا یابند — لقمۂ پاک کارہا دارد

نخشبی باں بفقر خوش می باش — گرچہ کس در غنا نباشد خوش
فقر آں جاں خوش اند از فقر — کہ کسے در غنا نباشد خوش

نخشبی علم با عمل نیکوست — بر تو باد کہ کار چند کنی
ہم چنیں داں کہ تو نمی دانی — ہم بدانستن از بسند کنی

---

[1] یہ تمام حکایتیں دار المصنفین اعظم گڈھ کے قلمی نسخہ سلک السلوک سے لی گئی ہیں، اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۰-۹۸ میں ان حکایتوں کے بہت سے اقتباسات ملیں گے،

نخشبی مفلس است در دنیا | مفلس از مال و نشان باشد
ہر کہ بینی تو نگر عقبی | او بدنیا چو مفلسان باشد

نخشبی از ہمہ ہمہ مطلب | آب حیوان نہ ہر سبو دارد
ہمہ از آں کس طلب کہ او ہمہ ہست | ہر چہ خواہی ہمہ ہمہ دارد

جزئیات وکلیات | اس میں صوفیانہ طریقہ پر جسم کے چالیس اعضاء اور ان کے متعلقات مثلاً موئے سر، دماغ، پیشانی، ابرو، پلک، مژہ، چشم، انسان العین، رخسار، گوش، زلف، خط، لب، دہان، دندان، زبان، زنخ، خال، گلو، گردن، پشت، استخوان، بازو، رگ، خون، دست، انگشت، ناخن، سینہ، دل، روح، پہلو، شکم، کمر، زانو، ساق، پاے وغیرہ کے اوصاف بتائے گئے ہیں، اسی مناسبت سے اس کتاب کا نام چہل ناموس بھی ہے اور ناموس اکبر سے بھی موسوم ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ دار المصنفین کے کتب خانے میں ہے، ہر عضو کے ذکر کے ساتھ اشعار اور غزلیں درج ہیں جو معیاری نہیں کہی جاسکتی ہیں، مثلاً زلف پر ایک غزل یہ ہے:-

ہست مشک بوے عنبر زلف | کہ بود ... در دست تو ہر زلف
تاکہ نشانہ ات زبانہ ... | ... پادشہ سر زلف
اندر اں عارضش چو خورشیدست | خود چہ گوئیم کہ ہست در خور زلف
آنچہ گوئیم تا کہ داور زلف | ہر چہ ہست ہمی کنی بر زلف
دل پریشاں شدہ بہ زلف او | مردمی کن یکے بہ ... در زلف
نخشبی را بکشد ... خود | یکے کز عالم خوب دیگر زلف

شرح دعاے سریانی | یہ زبور کی ایک سورہ کی شرح ہے، اس سورہ کو حضرت عبداللہ

ابن عباسؓ نے عربی میں نظم کیا، اسی عربی نظم کی شرح نخشبی نے فارسی میں لکھی ہے،

گلریز | ایک عشقیہ کہانی ہے جو مقفی عبارت میں لکھی گئی ہے، یہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہو گئی ہے،

طوطی نامہ | سنسکرت میں قصوں کی ایک مشہور کتاب کوکا سپتی ہے، نخشبی نے اسی کتاب کو سامنے رکھ کر فارسی میں اس کے سارے قصے لکھے، ۱۷۹۲ء میں ام جرانس نے اسکا ترجمہ انگریزی میں کیا، ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا، اس کے خلاصے بھی لکھے گئے جن کے ترجمے مختلف زبانوں میں ہوتے رہے،

عشرہ مبشرہ | اس کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکیں لیکن نام سے اس کی نوعیت ظاہر ہےؔ،

ۃ مولانا ضیاء الدین نخشبی سے متعلق مزید تفصیلات کے لئے تاریخی مقالات از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۱۴-۹۷، دیکھئے،

حضرت شیخ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ

نام و نسب اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، والد ماجد شیخ محمود یحییٰ اسی شہر میں پیدا ہوئے اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[۱] یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے، جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے[۲]، حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے[۳]

ابتدائی تعلیم نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم و تربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے، کہ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی[۴]

---

[۱] سیر العارفین ص ۹۲ [۲] سیر الاولیاء ص ۲۳۸ [۳] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۵۲ [۴] مجلس چہل و ششم میں ہے، (اردو ترجمہ ص ۹۱)

" جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر انکے طبع رسا اور دقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا کہ (بقیہ حاشیہ ص ۳۵۶ پر)

لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں مولانا عبدالکریم شیروانی علامہ زمان سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا۔ بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے۔ (جلد ۲ ص ۴۰)

ترک تجرید پچیس ۲۵ سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے اگرہ و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرانوردی میں بھی نماز با جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے (سیر العارفین جلد دوم ص ۴۰)

بیعت سیر العارفین اور مرآۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۲ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی قیامگاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بالا خانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلاکر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کی بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے شیخؒ میں سچی طلب محسوس کرکے ان کی جانب

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰۹) ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے، کہ یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاء سن کر ان کی عیادت کو تشریف لائے، وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے، تو کہا شیخ نظام میری عیادت کو آئے تھے مجھ کو دیکھو کس طرح مدد پہنچا کہ سلب مرض کر گئے، (خیر المجالس فارسی، علی گڈھ اڈیشن ص ۱۵۰-۱۵۱)

توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمہارا یہ کیا حال ہے، ؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمھیں فارغ البالی ہو جاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے ؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا، تو اس کو کیا جواب دوگے، میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا.

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو
ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست ہے وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمھیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو،[1]

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی سنا تو دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہو گئی، اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش ان کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے، اور محبوب رکھتے[2]،

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، ان کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین کریا

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۸-۲۴۰ [2] سیر العارفین ص ۹۲،

ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے، تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے لگے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑیگا اس لئے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور کپڑے اتار کر ان کو دیدیئے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کرکے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور ان کے لئے دعائے خیر کی[۱]

ریاضت | بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیمون کا عرق پی لیتے[۲]

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے[۳] لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یاد الٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا اسلئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کرکے جنگل میں جاکر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ میں حضرت

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۲۴۲ بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے، لیکن سیر الاولیاء میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے، "در ابتدائے منظر خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود۔۔" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، اگر ماجرا راقم سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے [۲] سیر الاولیاء ص ۲۴۲ اخبار الاخیار ص ۸۰ [۳] سیر العارفین ص ۸۰

محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے اور کسی کو حکم یہ دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء و اولیا کا ہے[1]،

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی، اور آبادی میں رہ کر عبادت وریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:

"سالہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہبند اور کرتہ پہن کر، کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد و مزار میں جا بیٹھوں، پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دل پسند ہیں، وہاں مجھکو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے، سنتا ہوں کہ وہ سب مقاماتِ دلکش خراب و برباد ہو گئے ہیں، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے، تو میں محمود سے کہتا اب تم چاہو مکان جاؤ، چاہو اور کسی مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، درس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے اگر جمع ہو جاتے، نماز با جماعت پڑھتے، اور مجھ کو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل میں گذرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب وعشاء زمین صحرا میں ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے گھر

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۴۸،

آتے، اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے تو گرد چند درختوں کے رسی گھیر دیتے، اور دوپہر میں سو جاتے نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا، اگر ہوا یونہی لے جاتی تو شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے، اسی راحت و آرام میں چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو خلق کے درمیان رہنا یعنی جفا و قفائے خلق گوارا نہ کرتا، تو کہاں رہتا تھا اور کہاں یہ شہر، کسی کی قدر و پہچان نہیں، وہ تو رہتا ہوں، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں، مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں[1]"

حضرت شیخ نصیر الدین مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اودھ سے دہلی آتے رہتے تھے، یہاں ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق اور لذت سے یاد فرماتے ہیں

"جب میں اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب، مولانا شہاب الدین، امیر حسن، امیر خسرو اور دیگر احباب میرا آنا سنتے تو دعا گوئی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے کہ فلاں کو اجازت دعوت

---

[1] دیکھو مجلس پچاسویں خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے، جو مسلم پریس دہلی میں چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس میں بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی، اس لئے اس کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے، خیر المجالس فارسی علی گڑھ اڈیشن ص ۱۷۱-۱۷۰، اس کے اردو ترجمہ میں کہیں کہیں بعض جملے ایسے ہیں جو فارسی اڈیشن میں نہیں ہیں، وہ رہنے دیئے گئے ہیں، جس نسخہ سے اردو ترجمہ کیا گیا ہو اس میں شاید ہوں،

کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے، کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا، دوسرے دن ان کے ہمراہ جاتا، اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس لئے بھی مولانا برہان الدین کے گھر میں رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آجاتا اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہوں، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جا سکتا۔"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہیں،

"ان دنوں میں ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتیں ہوئیں، اور ہر دعوت میں تین تین دن شہروں میں رہنا پڑتا، اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوئی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتا، شاید ان دنوں یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا، فرمان شیخ پہنچا کہ فلاں جا دعوت میں جا، میں نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت میں عرض ہے، اس پر مجھ کو طلب فرمایا، میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے، میں نے عرض داشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق میں آتا ہے، کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھوں، یہاں ہر کوئی دعوت کرتا ہے، اور حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کرتا ہے، مجھکو حکم آتا ہے، کہ دعوت میں جا، صبح سے جاتا ہوں اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر میں شب بھر رہتا ہوں اور دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے اس دن بھی حضرت کی خدمت میں آ نہیں سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روک لیتے ہیں، کہ ذرا ٹھہرو ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہاں آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہیں ہوتی تین

دن مفت دن مفت جاتے ہیں، یہ سن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے، اسے لوٹا دو، اور کہدو کہ یاران شہر کی دعوت کریں، اور ان کو معذور رکھیں" [1]

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطرداری کا بہت خیال رہتا تھا فرماتے ہیں

"ایک بار میں اودھ سے آیا تھا اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنوں میں نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہدیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اور معرض تلف میں پڑا ہے۔ خدمت شیخ میں عرض کردے، مبشر نے خدمت شیخ میں اور بڑھ کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لیجاتا ہوں تو بلا کم و کاست ویسی ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کے مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا، جن یاروں کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہاں سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانکہ مولانا فخر الدین غریب زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو، یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کہ بسبب ضعف جسم روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کھچڑی، روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، یار جمع ہوتے اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھ کو وہ قرص دیا تو میں حیران ہو کہ اس کو کس طرح کھاؤنگا، بیمار نہ ہو جاؤں، یہ قرص تو میرے میں [2] دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشا وہ قرص میں نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا، اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لیکر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھا لیا

---

[1] مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۱-۱۴۲، اردو ترجمہ خیر المجالس فارسی ص ۱۷۰

اور کوئی زحمت نہیں ہوئی۔[1]

قیام دہلی | والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا، مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایہ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے،

"حضرت شیخ نظام الدین اولیا، کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے" (ص ۹۵)

مسند کی جانشینی | جب حضرت محبوبِ الٰہی نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں درجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزوں تھیں، تو ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور وفات کے وقت ان کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، ان کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی،[2] حضرت محبوبِ الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی جہاں ان کی ابدی خوابگاہ ہے،

تنگی معاش | جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے، لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے

---

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم اردو ص ۱۴۲ - ۱۴۱ فارسی ص ۱۸۷ - ۱۸۶، [2] سیر العارفین ص ۹۴،

نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا چند دن متواتر چولہا نہ سلگتا، میرے ۱۰۰ ۲۰ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے، کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیادار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو گھاروے کا لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا،

فارغ البالی | کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت بھرے دنوں کو برابر یاد کیا کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو کی روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے، اور فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور یہ ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر روتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے[1]

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمان اور مریدوں کے لئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے، لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین ان کی خاطر افطار کر لیا، اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی[2]

---

[1] خیر المجالس مجلس شصت و سوئم فارسی ص ۲۱۲-۲۱۳ [2] خیر المجالس مجلس شصت و سوئم ۲۲۲

[3] ایضاً مجلس ہفتاد و یکم فارسی ص ۲۲۳،

تلقین | مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے اور تاکید فرماتے یارو خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا طعام حلال وطیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا، فرمایا ایک دن صحابۂ کرامؓ رضوان اللہ علیہم نے خدمت نبویؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہاں، ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے، آپؐ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو، پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دیگا[1]

ایک بار عید اضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، ان کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا، جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیرالدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامان امارت میں بارگاہ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخہائے زریں دیکھ کر سوچنے لگا، کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں، حضرت ابوسعیدؒ نے اس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے زمین میں گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا، (مجلس ۴۲ فارسی ص ۲۱۳)

---

[1] خیرالمجالس پنجاہ و ہشتم فارسی ص ۱۹۹،

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدین کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی، اور فرمایا، ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے[1]، بادشاہ نے ان کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں، لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح، فرمایا اس دن دو گروہ ہوں گے ایک پالودہ اور ایک آلودہ "فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر" کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، تو وہ بہشت میں جائیں گے اور جو آلودہ معصیت ہیں، ان کو آتش دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لیجائیں گے، بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ اے درویش آپ کی باتوں سے میرا دل ہل گیا[2]،

چراغ دہلی کا لقب رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے انکی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے

---

[1] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیداروں نے چور سمجھ کر پکڑ لیا، اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا، [2] مجلس ہشتادم فارسی ص ۲۳۱،

والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا، اس کو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا، اور اسی لقب سے مشہور ہوئے،[۱]

رشد و ہدایت | مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے اور حضرت چراغ دہلیؒ حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے،

ایک مرتبہ ایک صاحبِ علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزودی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلیؒ نے ارشاد فرمایا، جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے، اور سر منڈائے آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بری ہو، اور جہاں معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راہِ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے،[۲]

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے، جو نسباً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہیئے، اور تمھارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آلِ رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا، اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول[۱]

---

[۱] سیر العارفین جلد دوم ص ۱۰۶ [۲] خیر المجالس مجلس پانزدہم فارسی متن

نے منع کیا، اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہئے مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم میں دونگا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ میں دونگا تو اس کے ایک دام میں برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی، کہ کہاں سے بڑھا[1]

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہانے سے آئے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو، عالم نے کہا سہانے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں اور وہاں کی عورتیں بھی بیبی سے بیعت رکھتی ہیں، اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب میں مشغول رہنا، اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے، لیکن جو دوسروں کو کلام پاک پڑھائے، اس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے[2]

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلیؒ نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا، آج میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی مجھکو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے، یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر چراغ دہلیؒ نے مریدوں کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا، مہمانوں کی تعظیم و تکریم سے ان کے دلوں میں یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے،[3]

---

[1] خیر المجالس بست و ششم فارسی ص ۸۹، [2] مجلس ۶۳ و ودم اردو ص ۵۱، فارسی ص ۱۱۱

[3] مجلس ۶۳ و ہفتم اردو ص ۲۰۰، فارسی ص ۱۲۴

ایک مرتبہ ایک خاتون آئیں اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلیؒ نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انگشت شہادت ڈبوئی اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لیجاؤ، ان سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلاں کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں، اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام اور لونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں، اور اپنوں اور بیگانوں سے اخلاق سے ملتی رہیں[1]،

ایک مرتبہ ایک کاشت کار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو۔ اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہوں، فرمایا لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشت کار صاحب حال گذرے ہیں، اس کے بعد ایک کاشت کار کی حکایت بیان فرمائی، جس میں یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہئے، اسی سلسلہ میں فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہیں، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز رد ہے نہیں، اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے، کہ اس نے عبادت خدا میں اور کو بھی شریک کیا[2]،

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا، کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہئے کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منھ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کرے، کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ

---

[1] مجلس ہفتم فارسی ص ۱۳۴ [2] مجلس چہل و ہشتم فارسی ص ۱۵۷

سے مطلع نہ ہو، پھر بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے،
فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری
لوں ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ، وہ میں ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبانؓ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کیا، ایک روز وہ
گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا خود اتر کر اٹھایا کہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس
میں ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو منع کیا ہو، وہ امر کیا اوروں
کیلئے بھی لازم ہو جاتا ہے حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے[1]،

ایک درویش آیا، اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا،
تحمل سے کام لو، اگر جفا کرے تو بھی معاف کر دو، کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[2]،

ایک جوان عرب آیا، اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلیؒ نے دست مبارک
سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی، اور اس میں نئی رکھی، اور جب رکھ لی، تو حاضرین سے
پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا، دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا
چاہئے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث ہے ایسی جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور
رکھنا مناسب ہے[3]،

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا کیا کام کرتے
ہو، عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، شیخ احمد نہروالہ رحمۃ اللہ
علیہ بھی نور بافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگہ پر کام کرتے ہوئے، ان پر ایسا حال طاری

[1] مجلس چہل و نہم فارسی ص ۱۴۳، [2] مجلس پنجاہ و دوم فارسی ص ۱۴۷، [3] مجلس پنجاہ و دوم ،

ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں، اور فرمایا، کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جنگلی جو اُن، پہاڑی میوے وغیرہ لاکر شہر میں بیچتے ہیں اور کھانا مول لیکر واپس جاتے ہیں[1]،

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں[2]، اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ سزا وار متابعت ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول نے فرمایا ہے، اس کی متابعت کرے اور جس سے ممانعت کی، اس کو ترک کر دے[3]،

تارکِ نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اسکی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ تنبیہ لے، نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہو جاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کیلئے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوئے، لیکن ان کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے ان سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ میں صد گونہ تاثیر

---

[1] مجلس نود و نہم فارسی ص ۱۰۶ [2] مجلس سی و نہم فارسی ص ۱۳۲ [3] مجلس ہشتاد و دوم فارسی ص ۲۲۶، نیز دیکھو مجلس ہشتاد و ہفتم فارسی ص ۲۵۸،

اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، اسی وقت میں نے جان لیا تھا کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لیجائیگی، وہ قصور یہ تھا کہ راستے میں مجھ سے ایک بار نماز باجماعت فوت ہوگئی، یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کرکے حضرت چراغ دہلیؒ اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رکے تو فرمایا، جو لوگ جماعت میں بالکل نہیں جاتے، ان کا کیا حال ہوگا وہ کتنی نعمتوں سے محروم رہتے ہونگے اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگوں کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل میں خیال کیا کہ خداوندا! مجھ میں نہ کچھ طاعت ہے اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگوں کا ازدحام کیوں رہتا ہے، آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھکو یہ مقبولیت عطا کی،[1]

نماز کے متعلق فرمایا، یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی، اس طرح دل کا کعبہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے، تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی،[2]

شاہی ملازمین کی اصلاح | حضرت چراغ دہلیؒ شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے، لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو سچی طلب ہوتی، اس کی اخلاقی، مذہبی اور روحانی حالت سنوارنے میں دریغ بھی نہ کرتے تھے،

خیر المجالس مجلس ہفتادوہشتم فارسی (ص ۲۴۲) میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا،

---

[1] مجلس شستم فارسی ص ۳۳-۳۲ [2] مجلس ہشتادوششم فارسی ص ۲۵۵،

وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھا، حضرت چراغ دہلیؒ نے اسکو مرید کیا، اور فرمایا نماز باجماعت پڑھا کرو، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے، اس کی روزی بڑھتی ہے، میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے وہ نہ کریں، پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کرو کہ تمہارے پائگاہ کے گھوڑے، تمہارے خدمتگار، تمہارے دینار و درم، یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لئے کرنا چاہئے، جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھے، اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے اور ہم سے پہلے چل دیئے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو، جواب دیا قرآن مجید پڑھاتا ہوں، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا، اگر کوئی گھربار اہ میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لئے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے، اور اسی کے بعد حضرت سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا،

مراد اہل طریقت بلباس ظاہر نیست کمر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا، کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام عرض کیا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زدوکوب کیا جاتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ میں کام کرنے والے صرف خدائے تعالیٰ کے لئے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات میں جنید و شبلی ہوتے تھے[۱]

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا، اگر طلب دنیا میں نیت اچھی ہو تو فی الحقیقت طلب آخرت ہے[1]،

سیر الاولیاء (ص ۲۴۲) میں ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت میں داخل ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد کسی الزام میں موقوف کردیئے گئے، ان پر سخت وقت پڑا، عزیزوں اور دوستوں کی نظریں ان سے بدل گئیں، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لئے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی میں مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں پہنچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا،

دنیا چہ مقدرست، کم کوشی بہ ۔۔۔ رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ

چیزے نمی خرند، نہ فروشی بہ ۔۔۔ گفتت تو نمی کنند خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا بیان ہے کہ میرے دل میں جو بات تھی، اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ میں ظاہر کردیا، اور میں نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدومؒ نے جو کچھ فرمایا ہے، وہی بندہ کے دل میں ہے، خواجہ قوام الدین کا بھی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی،

رجوع خلق سے ریاضت میں خلل | رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھا گیا کہ حضرت چراغ دہلیؒ کو ریاضت و مجاہدہ میں اگلی سے محنت شاقہ کرنے کے لئے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کرکے فرمایا، اب مجھکو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی

[1] مجلس ہشتادو پنجم، فارسی ص ۲۵۴،

میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آکر جگا دیتے ہیں، کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا، ہرچند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے، لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے، لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا

ایں دلوہی کہ در چہ انداختہ ام　　نو امید نیم کہ بہ بر آید روزے[1]

حضرت چراغ دہلیؒ کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے، اور اس کے ساتھ حضرت سنائی کا یہ شعر پڑھتے،

مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی　　ازیں آئین بے دینی پشیمانی پشیمانی[2]

شاہی دربار سے تعلقات معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلیؒ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے،[3]

"ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانۂ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں، مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ، تب بادشاہ نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید

---

[1] خیر المجالس مجلس دوازدہم فارسی ص ۴۰ [2] اخبار الاخیار ص ۸۷، [3] یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، جلد ۳ فارسی ص ۹۴-۹۵،

کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے سے کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید کے ہے، اس درمیان میں سلطان نے طعام طلب فرمایا، اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ نہ کھاویں گے، تو ان کو ایذا پہنچاؤں، جب دسترخوان بچھایا گیا حضرت شیخ بکراہت تام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجئے جس پر میں عمل کروں، شیخ نے فرمایا کہ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو، بعد اس کے سلطان نے ایک بدرہ زرسفید کا دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کئے، مقصود اس کا یہ تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھائیں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثنا میں خواجہ نظام الدین دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اس نے حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھالیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے رکھدیں، حضرت شیخ سلطان کی مسجد سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور زر نقد خادم کے سپرد کیا، اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ مقرب نظام الدین پر ازحد غیظ وغضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ لے گیا، اور لال ہو کر کہا، اے پینک[1] تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف شیخ کے سامنے اٹھاکر ان کی کفشیں میرے سامنے لاکر درست کر کے رکھدیں، خواجہ نظام الدینؒ گمیانہ قد تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا منظور نظر تھا، اور شعر گوئی میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا

---

[1] فارسی۔ اے دیرک کوتاہ،

تو وہ آپ کے ڈیرے ہی میں پڑا رہتا، اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے، اور کفش کا درست کر کے رکھنا یہ میرا ہیں فخر تھا، واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرما دیں گے تو میں نہایت خوشنود اور راضی ہوں گا، اس واسطے کہ آپ کی تنگ صحبت سے مجھ کو قیامت تک کے واسطے خلاصی ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا، اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لئے سلطان کو ان کا جواب جو اوپر نقل کیا گیا ہے، ان کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے یہ روایت اس لئے بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے، کہ یہ تمام باتیں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ایک دوسرے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی کے حالات میں بھی بیان کی جاتی ہیں، اخبار الاخیار میں ہے،

"جب محمد تغلق نے دلی کے لوگوں کو دیوگیر بھیجا، تو انہی دنوں یہ چاہا کہ ملک ترکستان اور خراسان کی تسخیر کر کے وہاں سے چنگیز خانیوں کو نکال دے، شہر کے صدور و اکابر کو حکم دیا کہ جمع ہوں، اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لئے ایک منبر رکھا، تاکہ اس منبر پر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مریدوں میں اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے، مولانا کو سب سے آگے سلطان کے دربار میں لے گئے، مولانا بارہا فرماتے تھے، میں اپنے سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہوں، میں اس کی موافقت کرنی نہیں چاہتا، جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی تو خواجہ

قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھاکر بغل میں لی لیں، اور کھڑے ہوگئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا اور مولانا فخرالدین زرادی سے باتوں میں مشغول ہوا، اس نے کہا میں یہ چاہتا ہوں کہ چنگیز خانیوں کو نکال دوں، آپ اس کام میں میرا ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا یہ کلمہ تو کلمۂ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لیے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے پیچ و تاب کھایا، اور کہا آپ مجھ کو نصیحت کیجئے، تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا اپنا غیظ و غضب روکو، سلطان نے کہا کون سا غیظ و غضب، مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان کو بڑا غصہ آیا، لیکن اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہوچکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک جامہ صوف اور ایک ایک بدرہ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیرالدین محمود اور مولانا شمس الدین یحیٰی اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے ان چیزوں کو ہاتھوں میں لیکر باہر نکلے لیکن مولانا فخرالدین کے جامہ و بدرہ سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے کہ مولانا نہیں لیں گے، اور ان کی ہتک ہوگی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے تو سلطان محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی بدبخت! تونے یہ کیا حرکت کی، کہ فخرالدین زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلادی، خواجہ قطب الدین نے کہا، وہ میرے استاد ہیں، اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں ان کا ادب کرتا، سلطان نے کہا ایسے کفرآمیز عقیدے کو چھوڑ دو، ورنہ تمھارا سر اڑا دونگا، خواجہ قطب الدین نے کہا تعجب ہے کہ میں اپنے قدم

کی خاطر مارا جاؤں "۔ (ص ۹۰-۹۴)

اسی اخبار الاخیار میں محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے کمالات کے باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دم نہ مارتے تھے، ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدینؒ محمودؒ کے لئے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا، کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھایا تو سوال کیا جائیگا، کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا، جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے، لیکن سونے کے پیالے سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے" (ص ۵۷)

تاریخ فرشتہ میں بعض ایسی عجیب و غریب باتیں ہیں، جو اور تذکروں میں نہیں ملیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل و خون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوء ظن تھا چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمتگاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لئے مقرر کیا، شیخ

نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلیؒ کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور اس کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی بات یاد آئی، اور وہ محمودؒ سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہو گئے، قید سے ان کو نجات ملی، اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے اور اس کی موت جلد ہو گئی، جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی" (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلیؒ کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیاء میں حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان کے تعلقات کا ذکر ان مختصر طریقہ پر کرتے ہیں:-

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے قبضہ میں لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہنچائیں، لیکن شیخ نصیر الدین محمود نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھہ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمودؒ کو علما اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بیجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا، ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسکو تخت سلطنت سے اتار کر تختہ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل علیٰ کے درمیان تھا، اسکو

اسی طرح میں نے برداشت کیا، (ص ۲۴۶ - ۲۴۵)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ایذائیں دیں کیونکہ اس کو خود سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدینؒ نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا بھی معتقد تھا، ایک روایت کے مطابق ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، ان کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی، (سیر الاولیا ص ۱۵۴) ایسی حالت میں ان کے جانشین کو ایذا دینا، موجب حیرت ہے، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے لئے زبردستی خانقاہ بنوائی اور ان کو جاگیر دی، اسی طرح حضرت شیخ رکن الدینؒ کی وفات کے بعد ان کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور ان کے لئے کچھ گاؤں وقف کئے، [1]

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگانِ دین آتے تو ان کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا، حضرت برہان الدین غریبؒ سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر گذر چکا ہے، اسی طرح اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منورؒ سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کے معرفت بھیجا، لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا، میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے ان گاؤں کے جو طالب ہوں، ان ہی کو دو، سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی، لیکن سلطان

---

[1] الدر المنظوم لملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ ص ۵۲۵،

ان سے نہ مل سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ با دل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:۔

"چوں سلطان شیخ را دید طاقت نیاورد بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد"

سلطان پر شیخؒ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہوگیا۔ اور عرض کی کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا، پہلے ہانسی کو دیکھو، پھر درویش بچۂ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام مسلمانوں کے لئے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہئے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا، کہا:۔

"آنچناں کہ مقصود شیخ است ہمچناں کنید"

شیخ نے فرمایا مقصود فقرا اور باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ دیکر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھ کر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ ٹنکے لیکر کیا کریگا، شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس ہزار ٹنکے دیکر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار ٹنکے بھیجے گئے، لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا، اور فرمایا، درویش کے لئے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن کافی ہے، لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی بہت اصرار کیا، تو دو ہزار کی رقم لے لی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لئے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقراء میں تقسیم کر دی،

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لئے کیں[1]، جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور پر تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کا تعلقات کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ایسی باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں، جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کیا عجب ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ پائے جاتے ہیں جن کے مصنفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا،

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لئے ٹھٹھ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا،

"چون سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھ رفت حضرت شیخ نصیر الدین را برابر خود برد[2]"

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے،

"خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمہ والغفران را سلطان محمد در ٹھٹھ برابر خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھ بحضرت الٰہی پیوست و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بر بادشاہی نشست، خدمت شیخ نصیر الدین محمود برابر سلطان فیروز گشت[3]"

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۰ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۹ [3] ایضاً ص ۱۸۲

حضرت چراغ دہلیؒ اور سلطان فیروز شاہ

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۵) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے، جنھوں نے ٹھٹھ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا، لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتۃً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے:

"جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ٹھٹھ گیا تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان مسکین بندوں کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرماں روا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤنگا، اور ان پر انصاف و نصفت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلا بھیجا آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لئے چالیس سال کی حکومت کے لئے دعا کریں گے اور آخرکار وہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے، جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی، (ص ۲۹)

حضرت چراغ دہلیؒ اور خانجہاں

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں حضرت چراغ دہلیؒ کا مرید تھا، یہ نیا مسلم ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر

ایمان لایا اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلیؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لئے عبادت وریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمہاری عبادت یہی ہے کہ حاجت مندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خانجہاں نے اوراد و وظائف کے لئے اصرار کیا تو فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے، خانجہاں مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خانجہاں اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لئے جاتا تو پلنگ کے پاس آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی تو فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کے قریب دفن ہوا، تمام خلقِ خدا نے اس کے لئے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ خانجہاں کی خدا ترسی اور عدل پروری کی جلا حضرت چراغ دہلیؒ ہی کی صحبت میں ہوئی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

"خانجہاں وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری اور فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی

ظلم کرتا، اور مال لیکر آتا، تو خانجہاں مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا اور دل وجان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی عامل سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی مار پیٹ سے بری کرا دیتا، خانجہاں کی وفات پر تمام خلقت خدا نے ماتم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں[1]،

حضرت چراغ دہلیؒ اور حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات جب حضرت چراغ دہلیؒ سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھہ سے واپس ہو رہے تھے، تو انھوں نے حضرت قطب الدین منورؒ کی ملاقات کے لئے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منورؒ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغؒ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو برہنہ پا دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منورؒ نے حضرت چراغؒ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغؒ نے شیخ منورؒ کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لائے، اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کر کے بہت روئے، اس کے بعد محفلِ سماع منعقد ہوئی، جس نے دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منورؒ نے حضرت چراغ دہلیؒ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں، حضرت چراغؒ نے حضرت منورؒ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، امامت آپ کے لئے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم

[1] تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۴۲۳ ھ ۔ ۴۲۲ ،

دونوں بھائیوں کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو چاشت کے وقت خلافت ملی اور مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت اس سے مشرف فرمایا، اس لیۓ امامت کے لۓ بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لئے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفانِ حق نماز ادا کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ فرشِ زمین پر قران السعدین ہے[1]،

دونوں بزرگانِ دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منورؒ کے یہاں جب حضرت چراغ دہلیؒ کا کوئی مرید آتا، تو فرماتے، آؤ میرے قریب بیٹھو، تم میرے برادر زادہ ہو، پھر اس پر بیحد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ دہلیؒ کی قدمبوسی کے لۓ آتا تو آپ اس کو اپنی آغوشِ شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے[2]،

ذوقِ سماع | خواجگانِ چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا۔

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم بر بے دلاں گفتی نہ خواہم راند ہم راندی

مولانا مغیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کر کے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے تو یہ کفر ہے، اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھوں نے حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۸۰-۸۱، [2] ایضاً ص ۸۴،

رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک اور مجلس میں حضرت چراغؒ کو ان شعروں پر بڑی بے قراری ہوئی،

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم عالی علمش بر سر افلاک زدیم
از بہر یکے مغ بچہ می خوارہ صد بار کلاہ توبہ بر خاک زدیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا مغیث کو بلایا، جب وہ سامنے آئے تو فرمایا۔

"ہاں مولانا ابو یسی این جا چہ جہل بود"[1]

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا، جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے،[2]

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوبؒ الٰہی کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا، تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا، یہ خلافِ سنت ہے، حضرت محبوبؒ الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں،[3]

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں حضرت چراغ دہلیؒ سے مزامیر، دف، رباب اور رقص کے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا، مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی

---

[1] جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز، و اخبار الاخیار ص ۷۷، [2] مفتاح العاشقین ص ۲۵ [3] اخبار الاخیار ص ۷۷،

طریقت سے گرے، تو کم از کم شریعت میں رہے، اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی اوّل تو سماع ہی میں علماء کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں[1]، سماع کے متعلق فرمایا:-

"دردے دردمنداں است"

اور سماع میں ذوق درد دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے[2]،

قاتلانہ حملہ ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قلندر جس کا نام تراب تھا وہاں پہنچا، اور چھری سے پے درپے حملے کئے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن ان کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھکر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص عبد المقتدر، شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلاکر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمہارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا[3]، ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا، و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہوگیا،

وصال اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک اور خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے، ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی،

---

[1] خیر المجالس مجلس ہشتم فارسی ص ۲۴۲، واخبار الاخیار ص ۷۰، [2] پوری بحث کے لئے دیکھو مفتاح العاشقین مجلس ہشتم [3] سیر العارفین ص ۹۶،

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ، جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے، لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی، کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقہ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبیں نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کرکے اپنی گردن میں ڈالیں کہ میرے لئے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے[۵]، مزار اقدس دہلی میں ہے،

لطافت طبع | طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی لطافت تھی حضرت گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکا بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا،

تجرد | مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے،

---

۵ سیر العارفین ص ۹۰،

بزرگی | خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقم طراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابوحنیفہ دقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاؒ کی جگہ پر تھے[1]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین، ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[2]،

لطائف اشرفی میں ہے :- (ص ۳۶۲ ج ۱)

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ ہرچند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخوخیت و ارشاد بر جادۂ شریعت و انقیاد بودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بداں رتبہ ہیچ کس از خلفاء نتواند رسید، وآں مقدار آثار ولایت و کرامت و انوار ہدایت و عظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست، از ہیچ کس ظاہر نہ شد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ صاحب ولایتے مقاومت ایشاں نتوانست۔"

سیر العارفین میں ہے کہ

"وہ مبارز نبرد جہاد اکبر، وہ شاہ شہود اطہر اظہر، و صنوبر ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ تشبیہ، وہ عامل تنقیح و توضیح وہ برگزیدہ معبود تھے، وہ مشائخ کبار میں ممتاز و مستثنیٰ اور مجردانِ روزگار میں اولی الابصار تھے[3]"

مولانا عبد الحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بہ بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ

---

[1] خیر المجالس مجلس دوم فارسی ص ۱۲ [2] مفتاح العاشقین، تمہید [3] سیر العارفین ص ۹۲،

فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا۔[1]

سفینۃ الاولیاء (ص ۱۷۱) میں ہے کہ خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہونگی، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

"صاحب الاسرار زمرۃ الابرار و عابد عظیم و زاہد کریم بود" (ص ۳۵۳)

ملفوظات | حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے، (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ، ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی، اس میں ۷۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں تمام صوفیانہ رموز و نکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کئے گئے ہیں، اس لئے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گذشتہ صفحات میں اس کے تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلمبند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیۂ ناظرین ہیں،

جذب و سلوک | فرمایا سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقۂ ذکر و فکر کی تعلیم دے سکے، اور جہاں ایک سالک کو وقفہ عارض ہو، وہاں مرشد دست گیری کرے، ایک سالک متدارک بہ جذبہ، اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم و عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے سلوک پھر بعد میں جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال میں خون جگر پیتا ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے اس کو نفس شیطان معصیت میں آلودہ کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے، اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے جو پہلے جذبہ اور آخر میں سلوک

---

[1] اخبار الاخیار ص ۷۷،

حاصل کرتاہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونوں کو اس کے یہاں دخل نہیں، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونوں کی متابعت کی جا سکتی ہے، لیکن مجذوب مطلق اور سالک نا متدارک جذبہ اتباع کے لائق نہیں ہوتے، حضرت چراغ دہلیؒ کے نزدیک سالک متدارک بہ جذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے، جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے، لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہیں بڑھنے پاتا، ایسی حالت میں مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے[1]،

حال وقال | فرمایا ایک بندی تلاوتِ کلام پاک، نماز اور ذکر میں وقت صرف کرتا ہے، اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحبِ وقت کہلاتاہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس میں انوار نازل ہوتے ہیں، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے، اور دل سے اعضا میں سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال میں دوام نہیں ہوتا، اگر اس کو دوام حاصل ہوجاتاہے تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو مبتدی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتاہے، وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے[2]، اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتاہے،

صحت نفس | حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لئے مخالفت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا

صحتِ نفس و قوتِ یک روزہ ۔۔۔ بہتر از تاج و تخت فیروزہ[3]

---

[1] خیر المجالس مجلس دہم فارسی ص ۴۳ [2] ایضاً مجلس دہم [3] ایضاً مجلس سی و نہم فارسی ص ۱۳۲،

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے،

"تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق و الشرع و الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز تاریخ سیزدہم ماہ صفر ۸۸۰ھ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر"

۸۸۰ھ کتابت و طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ دہلی کا وصال ۷۵۷ھ میں ہوا،

مفتاح العاشقین میں صرف دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ان میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں،

غسل کی قسمیں فرمایا ایک مرید کے لئے تین قسموں کا غسل ضروری ہے، (۱) غسلِ شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا (۲) غسلِ طریقت یعنی تجرد اختیار کرنا (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا، (ص۴)

چار عالم فرمایا ایک مرید کو راہ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے، اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت،

عالم ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال صرف تسبیح، تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے، جہاں صرف شوق، ذوق، محبت اشتیاق، طلب، وجد، سکر، صحو، مجد اور محو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے، جو بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت عالم

ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت "نظر رحمان کی صفت ہے"

تجلیۂ روح | ایک دوسری جگہ فرمایا، کہ سالک جب تک تزکیہ تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اس میں روشنی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیۂ نفس ہوتا ہے، اور اسکے لئے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصولِ طریقت سے تصفیۂ دل ہوتا ہے، اس کے لئے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے حصولِ حقیقت سے تجلیۂ روح ہوتا ہے،

اس کے لئے روزے رکھنا، اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہوتا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں:۔

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سر (۵) گوہر روح (۶) گوہر معرفت (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جس کے بعد گوہر عشق روشن ہو جاتا ہے، اس میں شوق و اشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بیخودی، رہتی ہے، اس کے بعد گوہر محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہب الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے، جس سے گوہر سر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے، جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا، پھر گوہر معرفت اور آخر میں گوہر فقر روشن ہوتے ہیں، گوہر معرفت کے

روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے، خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لئے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے، تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے،

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے تو انوار تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے، اور دل میں خدا کی قدرت سے چون وچگوں کا تماشا دیکھتا ہے، اور قدرت خداوندی میں جو چیزیں ہیں، وہ اس کی "روزی" ہوتی ہیں، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہئے، کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہو جائے، (ص ۱۲)

محبت کی قسمیں | ایک مجلس میں خاصۂ محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی، اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لئے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لئے قناعت پسندی، اور نفس شیطان سے بچنے کے لئے عبادت گذاری ضروری ہے

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لئے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے، اور محبت میں صادق وہی ہے، کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے،

خلفاء | حضرت چراغ دہلیؒ کے جلیل القدر خلفا میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے،

"حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہٗ کے جلیل القدر

خلفار میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے ان کا شمار منفرد اولیار
میں کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے ظاہر و باطن کے جو احوال لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر
عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے، تو اپنے زمانہ
کے بڑے کامل تھے، ان کی تصنیف بحر المعانی ہے جس میں حقائق توحید، علوم
قوم اور اسرار معرفت بیان کئے گئے ہیں، طرز بیاں متانہ ہے، اسی کتاب میں دو اور
کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے
خدا ہی جانتا ہے کہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف
ہیں، ایک رسالہ روح کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب
نام کی بھی ایک تصنیف ہے، اس میں اہل بیت و رسالت کا نسب نامہ ہے جس میں
اپنے نسب کو بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعویٰ کثیر ہیں، اور ان کے بیانات سے ان کے
دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی
کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہو گا، اپنے
آباء و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند
میں اقامت گزیں ہوئے، اور یہیں مدفون ہے، (ص ۱۲۸)

حضرت سید محمدؒ کے مزید حالات اور ان کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات
مذکورہ بالا تذکرہ میں ملیں گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۳۳-۱۲۸)

حضرت چراغ دہلیؒ کے بعض اور خلفار کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) گجرات
بھیجے گئے، یہاں اطراف و جوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا

مزار دہلی ہی میں ہے، شیخ دانیال (سترکھ) شیخ صدالدین علم طب میں ان کی ایک تصنیف فصیح و متین مشہور ہے، دہلی میں مدفون ہیں، خواجہ معین الدین خورد (مرگہا) شیخ سراج الدین (پاک پٹن، شیخ یوسف حسینی (علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض انتساب تحفۃ النصائح مشہور ہے) حضرت شیخ عبد المقتدر (مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کیے ہیں' مزار جون پور میں ہے حضرت شیخ سعد اللہ کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی) شیخ احمد تھانیسری (کالپی) شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ) شیخ اقوام الدین (لکھنؤ)

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

ولادت و نسب | حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ قدس سرہٗ العزیز کی ولادت باسعادت ۲۹ر شعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بمقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) ہوئی، پیدائش کی تاریخ شرف آگیں ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی بکر بن ابی الفتح بن ابی القاسم بن ابی الصائم بن ابی ذر ابن ابی لیث بن ابی سہمہ بن ابی الدین بن ابی سعید (یا ابو مسعود) بن ابی ذرین زبیر المکی بن ابی الصعب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف، والدہ ماجدہ کا نسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے،

خاندان | حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا، یہ خاندان اپنے زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا، منیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی، حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں[1]،

تعلیم | بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی، اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور

---

[1] مناقب الاصفیا (مرتبہ شاہ شعیب فردوسی) اور مونس القلوب ملفوظات حضرت مخدوم احمد لنگر دریا میں حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیری کے حالات سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوسکتے ہیں، پھر سیرۃ الشرف میں ان کے مفصل حالات ہیں، ان تینوں کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے،

دوسری کتابیں درس میں ہیں، مفتاح اللغات کو حفظ کیا تھا[1]، سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے ان کو مولانا شرف الدین ابو توامہ کی معیت میں مزید تعلیم کے لئے سنارگانوں بھیجا، مولانا ابو توامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے، بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رخ کیا، اثنائے سفر میں منیر میں بھی قیام کیا، وہیں حضرت شیخ یحییٰ ان کے علمی تبحر سے متاثر ہوئے،

مولانا شرف الدین ابو توامہ کے اوصاف کا ذکر خود حضرت مخدوم الملک خوان پرنعمت میں فرماتے ہیں۔

"مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علما میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہہ نہ تھا، آپ ریشمی سربند اور ازار بند استعمال کرتے تھے، آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علمار کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہئے، اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے وقت سربند کاندھے پر لٹکاتے، اور اس کو ہاتھ میں لیکر مشغول رہتے، یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی، اس کے بعد سربند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے" (ص ۱۵، مطبوعہ مطبع احمدی)

حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی، اس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے، مناقب الاصفیا (مطبوعہ مطبع نور الآفاق کلکتہ) میں ہے،

"در تحصیل علوم دینی باقصی الغایۃ کوشید، ہمہ روز در علم مشغول بود، و در

---

[1] معدن المعانی ص ۳۴۴ مطبوعہ شرف الاخبار، بہار، اسی سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ کاش ان کتابوں کے بجائے کلام پاک حفظ کرتا،

مشغولی ریاضت و مجاہدہ داشت، روزہائے طی داشتے (ص ۱۳۱)

ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علم و تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"احکام مذہب این طائفہ (صوفیہ) در کتب و تصانیف ایشاں سالہا از مطالعہ کردہ شدہ است"[۱]

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کی رسم ادا ہوئی جن سے حضرت شاہ ذکی الدین پیدا ہوئے، اور انہی سے نسل چلی،

تلاش مرشد: سنارگاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا، تو ان میں والد بزرگوار کے انتقال کی خبر بھی، اور والد کی یاد میں بے چین ہوکر وطن کی طرف مراجعت کی، گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ ایسی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چھوٹے بھائی کی محبت میں بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ ہوگئے اس وقت دہلی اور نواحِ دہلی بزرگانِ دین کے مرکز ہو رہے تھے، دہلی پہنچکر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام زاہدوں، عابدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں بھی پہنچے، لطائف اشرفی میں ہے:

"جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ و فرعیہ کی تکمیل کرچکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اور ارادت و ارشاد کے لئے استدعا کی، (حضرت سلطان المشائخ نے)

---

[۱] مکتوبات دوصدی (مکتوب ۸)

عالم غیبی اور قضا کاری سے استفسار فرمایا، اور استغراق میں سر جھکا کر فرمایا
برادرم شرف الدین تمہاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے تم
ان ہی کے پاس جاؤ، وہ تمہارے منتظر ہیں،

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک سلطان الاولیاء کی خدمت میں گئے، وہاں کے علمی مذاکرے میں حصہ لیا، تو ان سے متاثر ہو کر سلطان الاولیاء نے فرمایا،

"درسمر نیست نصیب دام ماست"

اور بیعت نہیں لی، بلکہ پان کا ایک بیڑا دیکر اعزاز و اکرام سے رخصت کر دیا (مناقب الاصفیاء ص ۲۴۲)

(*) جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملک حضرت شیخ نجیب الدین کے حضور میں پہنچے، تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی، اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا لیکن حضرت شیخ نجیب الدینؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا "درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں، تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں، (اخبار الاخیار ص ۱۰۹) اور فوراً بیعت لی، کچھ نصیحتیں لکھکر رخصت کیا، رخصت کرتے وقت فرمایا تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا، حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی اجازت نہیں ملی، مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انھوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں،

وصایائے مرشد | وہ وصیتیں یہ ہیں:-

۱؎ لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ص (۷۷، ۳) میں نجیب الدین کے بجائے نجم الدین صغری مرقوم ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے،

بہت غور یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے، انسانی حرکات و سکنات، اقوال اور افعال ہی سے خودی پیدا ہوتی ہے، کھانا، سونا، بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا، دیکھنا وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضا ہے، لیکن یہ تمام باتیں بقدر ضرورت ہونی چاہئیں، اگر ضرورت سے زیادہ ہوں تو حق سے دوری ہو جاتی ہے، اس لئے دن رات اسی فکر میں رہنا چاہئے کہ خودی میں سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے، یہاں تک کہ اللہ کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارا ہو جائے اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی ہے تو حجاب باقی ہے، جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے، دوسرے کام میں مشغول ہونا صحیح نہیں، کیونکہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام میں مشغول ہونا شیطنت ہے، اس لئے کسی حال میں دوسرے کام کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہئے، مجاہدہ و ریاضت بس اسی طرح ہونی چاہئے، کہ خودی بالکل جاتی رہے، اور انتہائی درجہ کا تقویٰ حاصل ہو، اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے، کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہیں، اگرچہ آدھی رات، جاڑے کا موسم اور ٹھنڈا پانی ہی کیوں نہ ہو، وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال میں فوت نہ ہونی چاہئے، کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزوں کی بقا ہوتی ہے، حیات، عقل اور قوت، کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہئے، جب تک حیات اور عقل میں خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی جو کچھ مل جائے، ضرورت کے مطابق کھا لیا جائے، نان خورش (جیسے سالن وغیرہ) کی فکر نہ کرے، اسی طرح

پانی پینا بھی ترک کر دے، یہاں تک کہ جب اس کو معلوم ہو کہ زندگی یا عقل میں خلل پڑے گا، اس وقت تھوڑا سا پانی جو صرف اس قدر ہو جس سے حلق تر ہو سکے، پی لے تاکہ پیاس بجھ جائے، لیکن قوت کے کم ہونے کی وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پئے اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے، اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا، اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھے، رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے، اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتاب کے مطالعہ سے نیند کو دور کرے، اس کام کا تمام تر دارومدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے، بلکہ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر رات دن گذارے، کسی شخص سے بات چیت نہ کرے، البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے، لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے، بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو، کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں، لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے، اور صرف ضروری بات کہے، اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی چارہ نہ ہو تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے، لیکن خود کوئی بات نہ کہے، کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے، اور ایک خالی گوشے میں بیٹھا رہے، اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے، اپنے کام کے لئے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے، اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے، ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے، بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے، کسی بات نہ سنے، اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے، اور دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے، کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے،

تو اس کی فکر نہ کرے، ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھالے، اور پانی پی لے، کوئی چیز اس لئے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے، کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہوتا ہے، دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لئے جائے، اور اگر قلتِ طعام کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو تو بہتر ہے، لیکن اس سے زیادہ نہ جائے، اور وقت ضائع نہ کرے، اگرچہ اس کی ضرورت محسوس ہو، اور وضو مشکوک ہو، یہاں تک کہ اس کی عادت ہو جائے، اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن لباسچہ کُینہ (شاید آستین والا لبادہ مراد ہو) خرقہ کے اوپر پہنے، اور اس پر دن رات میں کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، کسی کے آنے جانے، بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو، اور نہ کوئی اعتراض کرے، یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے، خواہ سر پر آگ ہی کیوں نہ برسے، لیکن چون و چرا نہ کرے، اور نہ اپنے میں کیست و کیفیت ظاہر ہونے دے، یہاں تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے، سماع کے وقت جہاں تک ممکن ہو، آبدیدہ نہ ہو، اور جسم کو حرکت نہ دے، یہاں تک کہ مغلوب ہو جائے، اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے۔ لیکن سماع میں احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتیں ہیں، ان کا چھپانا بہت اہم باتوں میں سے ہے، قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو، اور یہی وہ مقام عظیم ہے جو بڑی مشقت، بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے تم اپنی طرف سے کوشش کرو، خدا عطا کرے گا، برسوں کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے، اور اگر یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ

اس کا اجر دیتا ہے؛

کار نازک تنانِ رعنا نیست — سنگ زیرین آسیا بودن[1]

شجرۂ شیوخ | حضرت نجیب الدین فردوسی سے حضرت مخدوم الملک سے بیعت ہونے کے بعد شجرۂ بیعت یہ قرار پاتا ہے:۔

شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی، خواجہ بدر الدین سمرقندی، خواجہ سیف الدین باخرزی، خواجہ نجم الدین کبریٰ، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب، خواجہ وجیہ الدین ابوحفص، خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوری، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، سیدنا امام علی رضاؓ، سیدنا امام موسیٰ کاظمؓ، سیدنا امام جعفر صادقؓ، سیدنا امام محمد باقرؓ، سیدنا امام زین العابدینؓ، سیدنا امام حسینؓ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ (یہ شجرہ بیعت شاہ حکیم قسیم الدین فردوسی نے بہار شریف سے معدن المعانی جلد اول، باب بست و دوم کے حوالہ سے لکھا ہے)

خواجہ نجم الدین کبریٰ کو خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب نے خلافت دیتے وقت فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو، (شما مشائخ فردوس اید) اسی وقت سے اس سلسلہ کا نام فردوسیہ ہوگیا۔

صحرا نوردی | بیعت کے بعد کی کیفیت حضرت مخدوم الملک خود تحریر فرماتے ہیں،

"من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دلِ من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد"

بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے تھے کہ راستہ ہی میں مرشد کے وصال کی

---

[1] وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی، مطبوعہ مطبع مفید عام، آگرہ ۱۳۲۱ھ،

خبر ملی لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں، اس لئے واپس نہ ہوئے، جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی جھنکار سے دل میں ہوک اٹھی، جذب کی کیفیت طاری ہوگئی، اور گریبان چاک کر کے جنگل ہی میں غائب ہوگئے، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ساتھ تھے، ہر طرف ان کو تلاش کیا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا،

مناقب الاصفیا کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال[1] رہے، اس کے بعد راجگیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گذاری، عام روایت ہے کہ ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، ایک بار ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے ہوئے دکھائی دیئے، چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں، لیکن ان کو اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی، (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۴)

نفس کشی اس ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے، جب کبھی اشتہا کا غلبہ ہوتا، تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے، ایک بار علی الصباح نہانے کی ضرورت پیش آگئی، غسل فرمانے کے لئے پانی کے قریب گئے، جاڑے کا موسم تھا، غیر معمولی سردی تھی، پانی بہت ٹھنڈا تھا، دل میں خیال آیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لیں، لیکن پھر خیال ہوا کہ شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے، چنانچہ پانی میں اتر گئے، لیکن سردی کی وجہ سے بیہوش ہو گئے، آفتاب طلوع ہوا تو اس کی تمازت سے ہوش آیا، لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی، بڑا رنج ہوا، اور فرمایا "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا"[2] کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا تھا، ایک بار حجام کے استرے سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو خون کے بجائے پانی بہنے لگا،[3]

---

[1] مناقب الاصفیا، ص ۱۳۶، [2] مونس القلوب، بحوالہ سیرۃ الشرف۔

راہگیری کی صحرانوردی کے زمانہ میں دامنِ کوہ کے پاس ایک شخص کھانا کھا رہا تھا، اس کے ملازمین مورچھل ہلا رہے تھے، حضرت مخدوم الملک کی نظر پڑی تو اس کے کھانے کو مباح سمجھ کر اس سے اجازت لی، اور اس کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے، اس کے ملازموں نے اس کو حضرت مخدوم الملک کے ساتھ کھانے پر ملامت کی، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں، مجھ کو اس ملامت میں مزا ملا، میں پہاڑ پر چڑھ گیا، اور تین دن اور رات مجھ پر وجد طاری رہا، (مونس القلوب قلمی ص ۸۴)

اسی زمانہ میں ایک گئو سالہ کے پاس سے گذر ہوا، ایک گائے بھلی معلوم ہوئی، اس کو دیکھنے لگے، کسی سبب سے وہ گر کر مرگئی، چرواہے نے بڑھ کر غصہ میں حضرت مخدوم الملک کو ایک لاٹھی ماردی، فرماتے ہیں اس لاٹھی کی مار میں مجھے عجیب ذوق اور مزہ ملا[1]،

اسی زمانہ میں بعض ہندوؤں اور جوگیوں سے روحانی معرکے بھی ہوئے جنھوں نے مغلوب ہوکر حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا[2]،

بہار شریف کی اقامت: جب انوار الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آبادی کی طرف رخ فرمایا، بعض طالبانِ حق جنگل ہی میں آکر مستفید ہونے لگے تھے، جب لوگوں کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا، تو جمعہ کی نماز کے لئے بہار شریف کی جامع مسجد میں تشریف لانے لگے، رفتہ

---

[1] اجوبہ کا کوبہ بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۱، [2] حضرت مخدوم الملک کے خاندان والوں سے اس عاجز راقم کو گھر اعزہ لگاؤ رکھنے کا شرف حاصل ہے، اس لئے اس خانوادہ کے بزرگوں سے حضرت مخدوم الملک کی زندگی کے بہت سے واقعات سننے میں آئے جن کو ہم جگہ کی قلت کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہیں،

رفتہ لوگوں کے اصرار سے اسی قصبہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی، جہاں تقریباً ۶۰ سال تک اپنے سرچشمۂ فیض سے عوام و خواص کو سیراب کرتے رہے،

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے اور اس کے، اخراجات کے لئے پر جگیر ان کے حوالہ کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی دیا جائے، مجد الملک نے اسکی تعمیل کی، اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور جاگیر کی جاگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی، خانقاہ کی تعمیر کے بعد سلطان کا بھیجا ہوا مصلاے بلغاری بچھایا گیا، اور اس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا، تو ارشاد فرمایا" میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائے کہ مصلے کے لائق ہوں"، اس وقت مجلس کے ایک درویش نے کہا" مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلے کی وجہ سے کون جانتا ہے، ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوتِ باطنی کی وجہ سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا، اور قوت پکڑے گا"، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملک اپنے لئے بار سمجھتے رہے، آخر اس کی گرانی برداشت نہ فرما سکے، اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی، اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے، درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی، تو اس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دونگا، لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے

تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا ایک غرض لیکر آیا ہوں، اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں، سلطان نے بسر و چشم منظور کیا، حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دی، اور فرمایا، خدا کے لئے اس کو واپس لے لیجئے یہ میرے کام کی نہیں، سلطان اور اس کے تمام امرا ششدر رہ گئے، سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی، اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لئے ایک بڑی رقم پیش کی، اس کو قبول تو فرمایا لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقرار و مساکین میں تقسیم کر دیا، اور درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی

رشد و ہدایت | اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا، جس کا کچھ مجموعہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے، اور آج تک معدن فیوض اور مخزن برکات ہے، خانقاہ میں سالکان راہ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں، بعض اوقات علما، فقہا، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے، اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور رد و قدح بھی ہوتی حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی، معدن المعانی کے دیباچہ میں ہے:-

"ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا، ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا جس کا تعلق طریقت شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا، حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے، ان کا بیان دلپذیر اور ان کے اشارے کنایے بے نظیر

لـه مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص۳۵-۳۶،

ہوتے، ہر بیان میں سینکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفۂ لاریب اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات، اور ہر مفہوم میں بے شمار حالات اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات، اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجائش دنیا میں نہیں۔"

مولانا مظفر بلخی شروع میں جب حضرت مخدوم الملک کی مجلس میں شریک ہوئے، تو مختلف مسائل پر نہایت تیز اور تند لہجے میں مناظرے کرتے، مگر حضرت مخدوم الملک ٹھنڈے طریقے پر ان کی ہر بات کا جواب دیتے، یہاں تک کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ زندگی بھر ادنیٰ غلام بنے رہے، حضرت مخدوم الملک کو بھی ان سے بڑی محبت ہوگئی تھی، اور ان کو دو سو خطوط لکھے جن میں ایسے اسرار تھے کہ ان کے سوا کسی اور کو بتانا پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ آگے آئیگا۔

مولانا زین بدر عربی کی ابتدائی زندگی رندی و بادہ خواری میں گذری، لیکن حضرت مخدوم الملک کی صحبت کیمیا اثر سے اُن میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے مقربین خاص میں ہوگئے، اور ان کے بہت سے ملفوظات مرتب کئے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے،

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے تقریباً ایک لاکھ مرید تھے، جو مجلسوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے، ان کو مکتوبات کے ذریعہ سے تعلیم دی جاتی تھی، ان تعلیمات کا خلاصہ آیندہ صفحات میں پیش کیا جائیگا، حضرت مخدوم الملک نے خواص و عوام دونوں کو سدھارنے کی کوشش فرمائی،

Firoz

سلطان وقت کو تلقین | سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفرآبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے تلف کر دیا گیا ہے حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی، اور اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے، شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیئے ہیں، پورا متن یہ ہے :-

"حضرت بلال موذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالتماب علیہ السلام کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں کہ میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا باہر جاکر دیکھو، جب میں باہر آیا، تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا محمدؐ یہاں ہیں، میں نے کہا ہاں، وہ گھر کے اندر آیا، اور کہا، یا محمدؐ تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں، اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو اگر تم رسول برحق ہو تو اس کو دیکھو کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا، تم پر کس نے ظلم کیا ہے، اس نے کہا ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت آپ کے قیلولہ کا تھا، اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلالؓ نے) عرض کی، یا رسول اللہ! قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا، لیکن آپؐ نہ رکے، اور اسی طرح خشمگیں ابوجہل کے دروازہ پر پہنچکر اسکو کھٹکھٹایا، ابوجہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات و عزیٰ کی قسم کھاکر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اس کو جاکر مار ڈالوں گا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت

رسالت مآبؐ کھڑے ہیں، بولا "کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیج دیا، پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کردو، ابوجہل نے کہا، "اگر اسی کے لئے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا، مال واپس کردیتا" پیغمبرؐ نے فرمایا باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا، اور اس کے حوالہ کیا، نصرانی سے پیغمبرؐ نے فرمایا، اب تو تمہارا مال تمہارے پاس پہنچ گیا، اس نے کہا لیکن ایک ادنی تھیلا رہ گیا ہے، پیغمبرؐ نے (ابوجہل سے) فرمایا تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا اے محمدؐ! تم داپس جاؤ، میں اسکو پہنچا دونگا، حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا، میں اسوقت تک واپس نہ جاؤنگا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کردوگے، ابوجہل گھر کے اندر گیا، اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا اور بولا "وہ تو مجھکو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں، اور اسی کو اس کے بدلہ میں دیتا ہوں"، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، اے نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا، اس نے کہا اے محمدؐ! یہ بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا، تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا، جب تک میں قیمت لیکر تمھارے حوالے نہ کرتا۔

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا، اور بہشت میں جگہ دیگا، اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے، اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو

کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لئے تہتّر مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سدھرتا ہے، اور بقیہ بہتر درجوں کے لئے عقبیٰ میں ملتی ہے،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کارواں شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کارواں شہر سے باہر ٹھہرا ہے، چلو ہم اس کی پاسبانی کریں، ایسا نہ ہو کہ کارواں والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھالے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے، حق تعالیٰ نے پیغمبر کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے، "رحماء بینہم" وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے، اور ان کے لئے غم کھاتے رہے،

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم و مکرم، مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے، اور آپ کی بارگاہ کا عدل و انصاف دنیا میں ظاہر ہو چکا ہے اور انصاف کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، عاقبت بخیر ہو۔[1]

حضرت مخدوم الملک کے خاندان کی روایت ہے کہ ایک بار سلطان فیروز شاہ تغلق حضرت مخدوم الملک کی ملاقات کے لئے ان کی خانقاہ میں بہار شریف بھی آیا، آپ نے اسکا استقبال کیا، آگے چلنے کو فرمایا تو فیروز شاہ تغلق نے کہا

در پیش روم طریق حاجب ۔۔۔ در پس بروم چنین ست واجب

تو مخدوم الملک نے فرمایا۔

---

[1] سہ صدی مکتوبات ص ۴۹۳، ۴۹۲

اگر پیش روی چراغ راہی ور پس روی جہان پناہی

امرا کو تلقین | مندرجہ بالا مکتوب کے بعد ہی ایک دوسرا مکتوب سلطان محمد تغلق کے داداد داؤد ملک کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا ہے، جس میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی ہے، اور وہ یہ ہے :-

" لاالہ الاہو، شرف منیری جو کہ علمار کے آستانے کا کتا ہے، نہایت خجلت شرمندگی اور معذرت کے ساتھ آستانہ صدر کی خدمت میں سلام و تحیت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس سیاہ رو کتے کی مدح کیا ہے، جو صدر نے اس کی درجات کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے، البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا گیا کہ تجھ میں ایک برائی ہے، پوچھا وہ کیا، کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے، جواب دیا کہ میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا ہوں، یہی حال میرا ہے، میری کیا حیثیت کہ صدر میرے معتقد ہوں، اور مجھ کو ملک المشائخ قطب الاولیار لکھیں، افسوس ہے، کہ اس بدبخت کا کام خاکساری، نگونساری بت پرستی، اور زنارداری میں اہل شقاوت و لعنت سے زیادہ نہیں بڑھا، پھر بھی اس بدبخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے، کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص شہر میں نیک نام تھا، بزرگ نے کہا کہ اگر مجھ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا، لوگوں نے پوچھا کیوں، تو انھوں نے کہا کہ جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا، لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا، اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے، تو دنیا میں اس بدبخت سے زیادہ مشہور شیطان ہے،

اے صدر بزرگوار اسلام ایسا دین نہیں ہے، جو ہر گندے اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے، (لایمسہ الا المطہرون، (یعنی اس کو چھو نہیں سکتے مگر پاکیزہ لوگ) یہ آیت دنیا کی حامل ہے، وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون (ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر بحالت شرک) اس آیت نے ایک جہان کو توحید سے ہٹا دیا ہے، دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے جو لوگ کہ دین پناہ ہیں، اور اس کی ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو عدم بنا دے جس کا کوئی وجود نہیں ہے بعض لوگ زنار باندھکر آتش خانہ میں آتے ہیں، اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں۔

از عقل نمی خرید دیوانہ شدم — از علم نمی شنید لب بربستم

اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار

تو اس کا مطلب یہی ہے۔ اگر آج کوئی اپنی رسم و عادت کو اسلام کہتا ہے تو یہ بالکل الگ چیز ہے، اس کا جواب یہ ہے،

فردا کہ کند خمار کا مشب مستی

اور جب موت کے دروازہ پر فکشفنا عنک غطائک (پس آج کے دن ہم نے تمھاری آنکھوں کا پردہ اٹھا لیا) کا کشف ہوتا ہے، تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا تھا، یا زنار، اخلاص یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا بتخانہ میں، اسی لئے کہا گیا ہے

سوف تری اذا انجلی الغبار — افرس تحتک ام حمار

یعنی جب غبار دور ہوگا تو تم دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر (مکتوبات صدی ص ۱۴۳-۱۴۴)

حضرت مخدوم الملک نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی، اس کی تفصیل معدن المعانی (ص ۲۱۰-۲۱۲) میں اس طرح درج ہے :-

"مبارک قصوری نے زمین بوس ہو کر کہنا شروع کیا، کہ جب میں اپنے پیر کا مرید ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمہاری کیا خواہش ہے، تم ملک زادے ہو، تمہاری طبیعت چاکری کی طرف مائل ہے، یا خداوند تعالیٰ سے مشغولیت کی طرف، میں نے عرض کی، اب تو میں آپ کی خدمت میں ہوں، جیسا فرمائیں ویسا کروں فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ ہر چیز کو ترک کر دیا جائے، میں نے بھی اس کو قبول کر لیا، اور میری طبیعت میں بھی یہی بات ہے، حضرت مخدوم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو ترک کر دینا بہتر ہے اگر اسمیں استقامت ہو، لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کے ترک کرنے اور ان سے باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے، اور اور اس قسم کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں، ترک اسی وقت بہتر ہے کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی جانب التفات نہ ہو، ایسی حالت میں کام میں استقامت اور سچائی ہوتی ہے، تم ملک زادے ہو، اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو، ان کی صحبت میں جا کر تم میں پھر تبدیلی پیدا ہوئی، تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا، ہم زاہد اور عابد ہیں، لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے ثابت ہوتے ہیں نفس کے ایسے بہت سے دعوے ہیں، دعویٰ بغیر امتحان کے قابل اعتماد نہیں، مبارک نے عرض کی، حضرت مخدوم! میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی

نہیں رہی ہے، حضرت نے فرمایا، یہ نفس کا فریب ہے، یہ اسی طرح دھوکا دیتا ہے جس سے ایک شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف رخ کر لیا ہے لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ، نفس کی صفت کذب ہے، اور دل کی صفت صدق، نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا ہے، دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے، اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے، اگر اس کا فرمان دینے والا دل ہوتا ہے، اور اعضا اسی کو عمل میں لاتے ہیں جو دل کہتا ہے، اور چونکہ دل کی صفت صدق ہے، تو عمل میں کذب کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی اس کی وجہ نفس ہے، نفس دل پر قابو پالیتا ہے، اور اس کی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے، پھر وہ جو کچھ کرتا ہے دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، اسی لئے دل اور عمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر ایک دیو بیٹھ گیا، اور وہ جو حکم دیتا تھا، لوگ اس کو بجا لاتے تھے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ دیو ہے، یا حضرت سلیمانؑ، حالانکہ دیو حضرت سلیمانؑ کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا، نفس کی صفت کا یہی حال ہے،

ترا بر مملکت زاں نیست فرماں ۔۔۔ کہ دیوت ہست بر جائے سلیماں

اگر آدمی بدست انگشتری باز ۔۔۔ بفرماں آیدت دیو و پری باز

اہل معرفت نفس کی تلبیس سے واقف رہتے ہیں، دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں ہوتی، اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوئی، اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے، اور اگر پایا، اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں، بسط حاصل ہوا، حالانکہ قبض و بسط

دل کے احوال ہیں جو نفس ہی کا نتیجہ ہے، مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے اور مراد کے پالینے سے نشاط طاری ہوتا ہے، اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے، اس کو خراب کر دیتے ہیں، اگر ان کا دل پھر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہوگیا، شیخ معز الدین نے پوچھا کہ کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے ؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا، جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے، ہر مقام پر اس کا فریب جاری رہتا ہے، ارباب بصیرت نفس کی تلبیس سے کسی مقام پر غافل نہیں رہتے خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرماں بردار ہوگیا ہو، (معدن المعانی ص ۲۱۲-۲۱۰ مطبوعہ مطبع شرف الاخبار، بہار)

امرا میں قاضی شمس الدین حاکم چوسہ نے حضرت مخدوم الملک سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، آپ کے مکتوب کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر قاضی شمس الدین ہی کے نام مکاتیب ہیں، ان میں عرفان و تصوف کا شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہوگا جس کی وضاحت نہ کی گئی ہو، باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو بھی سنوارنے کی تلقین ہے، مثلاً پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :۔

"برادرم شمس الدین! خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو، کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد اے برادر! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو، اور اس کو ایک اہم کام سمجھو، اس کام کو تم نے چھوڑ دیا، یا اس سے غافل ہوگئے، تو پھر بلائیں پیش آئیں گی، نعوذ باللہ منھا، اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں

جو صفات ہیں، ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے، وہی قیامت کے روز صورت بن کر ظاہر ہوتی ہے"، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۰۳)۔

ایک مکتوب میں قاضی شمس الدین ہی کو تحریر فرماتے ہیں

"یہ ضروری ہے کہ کپڑا، جسم، اور لقمہ پاک اور حلال ہو، حواس خمسہ بھی معصیت سے پاک ہوں، دل بھی اوصاف ذمیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو، پہلے کی پاکی سے مرید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور تیسرے کی (یعنی دل کی) پاکی حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور مرید پر توبہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے، اور وہ حقیقتاً تائب ہوتا ہے"، (ایضاً ص ۸۷-۳۸۶)

ایک مکتوب میں طمع و نفاق سے بچنے کی تلقین روحانی طریقے سے فرماتے ہیں:-

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صدیقوں کے رتبہ کی طمع رکھنا دید اروں کی پہچان نہیں، تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہیں ہوتا، خالص نیت کا راز اظہار عبودیت میں ہے، نہ کہ طمع میں، طمع اور چیز ہے، اظہار عبودیت اور چیز، یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتی ہے، لیکن ہم تم ایسے ہیں، کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہیں، ع

زہے عشق اور زرشوت دوست خواہی داشت جاناں را (ایضاً ص ۲۰۵)

سعادت و شقاوت کے متعلق رقمطراز ہیں،

"برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہیں، سعادت اور شقاوت، ایک کی کنجی طاعت ہے، اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے، جو کہ

ازل سے السعید من سعد فی بطن امہ کے مصداق ہیں، (یعنی سعید وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں سعید ہوئے،) ان کے ہاتھ میں سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی، اور جو ازل سے الشقی من شقی فی بطن امہ کے مصداق ہیں (یعنی شقی وہ ہیں جو ماں کے پیٹ ہی میں شقی ہوئے) ان کے ہاتھ میں شقاوت کی کنجی یعنی معصیت دی گئی، اور آج ہر شخص اپنے ہاتھوں میں دیکھ سکتا ہے، کہ کون سی کنجی اس کے پاس ہے، اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے، سعید و شقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہیں، نہ کہ علمائے دنیا، لیکن بندہ کی تمام عزت اور دولت اسی میں ہے کہ وہ طاعت و عبادت میں مشغول رہے۔" (ایضاً ص ۲۱۵)

معاملات کی تعلیم دیتے ہیں،

"برادرم شمس الدین! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن میں نہیں، بے جا ہے، ہر خواہش جو شریعت میں نہیں باطل ہے، ہر دلیل جو دین کی تائید میں لائی جائے لیکن دینی نہیں ہو محض باطل ہے، اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہیں ہے مردود ہے، (ص ۲۵۵)

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں، امرا، ملوک، اصحاب منصب، ارباب قدر و منزلت کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں، لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے، ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں، اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نماز بہت پڑھتا ہے، نفل روزے بھی رکھتا ہے، فرمایا، بے چارے نے اپنے کام

کو تو کھو دیا ہے لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے، لوگوں نے اُن بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے، تو فرمایا، اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کر کھلوائے، طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے، اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے، حاجتمندوں کی دستگیری کرے، نفل نماز اور نفل روزے تو درویشوں کا کام ہے" (مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۹)

اسی طرح اور بھی تعلیمات ہیں جن میں سے کچھ آیندہ صفحات میں پیش کی جائیں گی، اور دوسرے امراء جنھوں نے حضرت مخدوم الملک سے تعلیم و تربیت پائی، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، قاضی صدر الدین، ملک مفرح، ملک معز الدین، شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ، ان امراء کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان میں کہیں درویشانہ عجز و انکسار ہے، کہیں عالمانہ وقار و سنجیدگی، کہیں بزرگانہ محبت و شفقت ہے، اور کہیں مرشدانہ زجر و توبیخ، یہ مکتوبات آج بھی فیوض و برکات کے سرچشمے ہیں،

درویشانہ زندگی ارباب حکومت اور اصحابِ دولت سے تعلقات کے باوجود حضرت مخدوم الملکؒ کی زندگی میں درویشانہ شان ہمیشہ قائم رہی، مرشد کی ہدایت کے مطابق خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی تناول فرماتے، دن کے وقت گھر میں چولھا نہ جلتا، اپنی والدہ ماجدہ کو روزمرہ کے خرچ کے لئے ایک مقرر رقم دیتے، لیکن ان سے یہ شرط تھی کہ دن کے وقت گھر میں دھواں نہ ہو، ایک بار گھر میں کوئی عزیز مہمان آیا، والدہ ماجدہ نے مہمان کی خاطر مرغ اور روٹی پکانی شروع کی جس کی خبر حضرت مخدوم الملکؒ کو نہیں ہوئی، گھر میں دھواں اٹھتے دیکھا تو خادم خاص کو بلا کر دریافت کیا جب معلوم ہوا کہ مرغ اور روٹی پک رہی ہے تو والدہ ماجدہ کے پاس

پہنچے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا منہ کالا کر کے آپ سے شرط کی تھی، لیکن آپ اس کی پابند نہ ہوسکیں، ماں نے بیٹے کی خاطر ساری چیزیں مہمان کو دیدیں کہ کہیں اور جا کر پکوالو۔[1] ایک مرتبہ ایک شخص فالودہ لے آیا، حضرت مخدوم الملک نے اسکو سونگھ کر چھوڑ دیا، اور فرمایا کہ خیریت ہوئی، اگر کھا لیتا تو اس فالودہ نے تو میرا کام ہی تمام کر دیا تھا[2]، حضرت مخدوم الملک کا عمل اس اصول پر تھا کہ کھانا اس طرح کھایا جائے، جس طرح دوا کھائی جاتی ہے،

لباس میں بھی سادگی تھی، تہ بند، مرزئی، کرتہ اور چادر کے علاوہ عمامہ بھی سر مبارک پر باندھتے تھے۔ لباس کا رنگ عموماً صندلی ہوتا، لباس کے کچھ تبرکات خانقاہ شریف میں موجود ہیں،

خشیت الٰہی و حب اللہ | عذاب الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے، لیکن اس خوف کے ساتھ حب اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہوگئی تھی، ایک بار ایک مرید مولانا نظام الدین نے اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھے :-

اے قوم بہ حج رفتہ کجائید کجائید — معشوق ہمیں جاست بیائید بیائید
آنانکہ طلب گار خدائید خدائید — حاجت بطلب نیست شمائید شمائید

حضرت مخدوم الملک بھی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے، شعر سن کر ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہوگیا[3]

اتباع سنت | لیکن حب اللہ میں اتباع سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا فرماتے

---

[1] مونس القلوب قلمی ص ۲۶۴، نیز دیکھو سیرۃ الشرف ص ۱۱۶-۱۱۵، [2] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۶ [3] مونس القلوب قلمی ص ۱۸۴ و سیرۃ الشرف ص ۱۲۴،

تھے کہ "با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار" [1]

با شرع بہ ہوش باش و با خدا دیوانہ | با عشق آشنا باش و با عقل بیگانہ

خدمت خلق اللہ | حق تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے، خلق اللہ کی خدمت کو بہت بڑی دولت تصور فرماتے تھے، ارشاد ہے کہ

"مسلمانوں کا کام انجام دینا اور انکے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے، یہ کام پیغمبروں کا ہے، انھوں نے مسلمانوں کے کام کئے، اور ان کی بلائیں اپنے سر لیتے رہے"

ملک خضر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"اس تاریک دنیا میں قلم زبان، مال اور جاہ سے جہانتک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ، صوم و صلوٰۃ و نوافل اپنی جگہ پر اچھی ضرور ہیں، لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں،

حضرت مخدوم الملک کا عمل بھی اس پر رہا، ہمارے شریعت میں صرف اسی لئے اقامت کی کہ خواص و عوام کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنواریں، اور اس کے لئے درس و تدریس پند و موعظت اور تقریر و تحریر وغیرہ تمام ذرائع اختیار فرمائے، اس سلسلہ میں جو تعلیمات دیں ان کی تفصیل آگے آئے گی،

دل جوئی و پردہ پوشی | خلق اللہ کی دلجوئی اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال میں رکھتے، اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا، تو فوراً افطار کر لیتے، اور فرماتے کہ نفل روزہ کی تو قضا ہے، لیکن شکستگی دل کی قضا نہیں،

ایک روز ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا، لوگوں نے حضرت مخدوم سے کہا، کہ

---

[1] مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۲،

شراب خوار ہے، فرمایا، ہر وقت نہ پیتا ہوگا، لوگوں نے کہا ہر وقت پیتا ہے، فرمایا ماہ رمضان المبارک میں نہیں پیتا ہوگا، اور اس کی اقتدا کرلی[1]۔

عجز و انکسار | عالم تھے لیکن اپنے کو "سگ گرگین آستانہ علما[2]" سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن اپنے آپ کو مدبر (ذلیل) اور مخذول[3] (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے، اپنے متعلق فرماتے کہ "ہیچ نہ شد"، پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ ایک بار علی الصباح سرد پانی میں غسل کرتے وقت بیہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو فجر کی نماز کا وقت جاچکا تھا، انتہائی رنجیدہ ہوکر اپنے آپ سے مخاطب ہوکر فرمایا، کہ جتنا مجاہدہ میں نے کیا ہے، اگر پہاڑ نے کیا ہوتا تو وہ پانی ہو جاتا، لیکن افسوس شرف الدین کچھ نہ ہوا، تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بلند تر اور بہتر تصور فرماتے، ایک بار حضرت سید جلال بخاری کی خدمت میں ایک کفش بھیجی، جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش بردار ہوں، لیکن حضرت سید جلال بخاری نے اس کے بدلہ میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[4]، مناقب الاصفیاء میں ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری دہلی کی طرف منہ کر کے سینہ ملتے اور فرماتے :۔

"بوئے عشق از طرف بہار می آید" (ص ۱۴۱)

احترام اولیاء اللہ | تمام اولیاء اللہ کا بڑا احترام کرتے، ایک بار ان کی مجلس میں حلاج کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس زمانے میں اتنے ہم مشرب تھے، لیکن کوئی ان کو باز نہ رکھ سکا، اگر میں ہوتا تو ان کو قتل نہ ہونے دیتا، اور مقام فردیت سے زوجیت میں لے آتا، مناقب الاصفیاء کے مولف نے اس اصطلاح کی تشریح اس طرح کی ہے :۔

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۴۱ [2] مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۴، [3] ایضاً [4] مونس القلوب قلمی (سیرۃ الشرف ص ۱۵۱)

"از ترویج مراد وے ترقی کنانیدن است از مقام مرید بمقام زوجیت کہ مصطلح صوفیاں ست و نہایے مقام منتہیاں" (ص ۱۳۰)

ایک بار ان کی مجلس میں قاضی زاہد نے پوچھا کہ آپ مردانِ خدا کی جو صفت بیان فرماتے ہیں، اس کے مطابق ہندوستان میں کوئی مردِ خدا ہے کہ نہیں، جواب میں فرمایا، وہ مردِ خدا پانی پت کا دیوانہ ہے، (مراد حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ تھے) قاضی زاہد نے کہا کہ ہندوستان میں اتنے بزرگانِ دین ہیں، پھر ان میں حضرت بو علی قلندرؒ پانی پتی ہی کو کیوں مخصوص فرمایا؟ حضرت مخدوم الملک نے جواب میں فرمایا، زاہد! تم نے مردانِ خدا کے بارہ میں سوال کیا تھا نہ کہ بزرگانِ دین کے متعلق" (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۱)

شیخ عز کاکوی اور احمد بہاری دونوں سے حضرت مخدوم الملک کو بڑا لگاؤ تھا، دونوں توحید وجودی کے قائل تھے، اور عالم جذب میں رہتے تھے، اور وہ کچھ ایسی باتیں کرتے جو علما کو پسند نہ ہوتیں لیکن حضرت مخدوم الملک ان دونوں کو توحید کے اسرار و رموز کا واقف کار، اور ترک و تجرید کا حامل سمجھتے تھے، اور ان کی باتوں کو عالم دیوانگی پر محمول کرتے تھے، وہ دونوں دہلی پہونچے تو ان کی سخنان فراخ، اہل دہلی کو پسند نہ آئیں، سلطان فیروز شاہ کو توجہ دلائی گئی تو اس نے علما کا ایک محضر طلب کیا، اور ان دونوں کے معاملات پیش کئے، علما نے ان کے قتل کا فتویٰ دیا، اور جب ان کے قتل کی خبر حضرت مخدوم الملک کو ملی، تو فرمایا جس شہر میں ایسے بزرگوں کا خون بہایا جائے، تعجب ہے، اگر وہ آباد رہے، حضرت مخدوم الملکؒ کی یہ بات فیروز شاہ تک پہنچی تو اس نے علما اور اکابر کو پھر جمع کیا، اور ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے فتویٰ سے دونوں کا قتل ہوا، پھر شیخ شرف الدین منیری ایسا کیوں کہتے ہیں، علما نے کہا کہ ان کو دہلی بلا کر پوچھا جائے کہ انھوں نے ایسا کیوں کہا

سلطان فیروز شاہ نے ان کی طلبی کا ایک فرمان بھیجا، لیکن اسی اثنا میں حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کا ایک خادم کچھ تبرکات لے کر سلطان کے پاس آیا، آیندہ باب میں ذکر آئے گا، کہ سلطان ان کا بڑا معتقد تھا، سلطان نے خادم سے کہا کہ حضرت مخدوم (یعنی حضرت سید جلال الدین بخاریؒ) نے بہت دنوں کے بعد یاد فرمایا ہے، خادم نے جواب دیا کہ ان کو آج کل شیخ شرف الدین منیری کے مکتوبات مل گئے ہیں، وہ خلوت میں ان کے مطالعہ میں ایسے مشغول ہیں کہ کسی سے نہیں ملتے، اور یہی سبب ہے کہ اتنے دن ہوگئے، یہ سن کر سلطان حضرت مخدوم الملک کی عظمت سے متاثر ہوکر فرمان بھیجے پر پشیمان ہوا، اور اس فرمان کو منسوخ کرنے کے لئے دوسرا قاصد بھیجا، (مناقب الاصفیا، ص ۱۳۸)

تربیت مرید

شیخ مظفر بلخیؒ حضرت مخدوم الملک کے بڑے محبوب خلیفہ تھے، مناقب الاصفیا کے مرتب نے ان کو سلطان جہانِ تجرید، قہرمانِ ایوانِ تفرید، خورشید آسمان در راحت و برخاست لکھا ہے، ان کو اپنی نوجوانی کے زمانے میں اپنے علم کا بڑا پندار تھا، ان کے والد بزرگوار سید شمس الدین بلخ کے شاہی خاندان سے تھے، تغلق سلاطین کے دور میں ہندوستان آئے، دہلی سے بہار شریف آئے، اور شیخ احمد چرم پوشؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، ان کے تین لڑکے شیخ مظفر الدین، شیخ معز الدین، اور شیخ قمر الدین تھے، ان میں موخر الذکر دونوں شیخ احمد چرم پوشؒ کے مرید ہوگئے، شیخ مظفر الدین حضرت مخدوم الملکؒ سے بیعت ہوئے، وہ جب پہلی دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اپنے علم میں سرشار ہوکر حضرت مخدوم الملکؒ کے سامنے کچھ علمی مشکلات پیش کیں، حضرت مخدوم الملکؒ ان کا جواب دیتے تو وہ کہتے لا نسلم

دیں تسلیم نہیں کرتا) حضرت مخدوم الملک اپنی ناگواری کا اظہار کرنے کے بجائے ان سے اور بھی اخلاق سے پیش آتے رہے، اور شافی جوابات دیکر ان کو مطمئن کیا، پھر تو ان کو بڑی شرمندگی ہوئی، حضرت مخدوم الملک کے اخلاق کے سامنے جھک کر ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے، جب وہ مرید ہوگئے تو حضرت مخدوم الملکؒ نے ان کو از سر نو تعلیم حاصل کرنے کو کہا، اور فرمایا کہ اب تک تم نے جو علم حاصل کیا تھا، وہ جاہ و منزلت کی خاطر تھا، جو راہ طریقت میں کام نہ آئیگا، اب اس راہ کے لئے پھر سے علم حاصل کرو، تحقیق میں لگ جاؤ، یہاں تک کہ کمال کا پھل پاکر راہ سلوک میں ترقی حاصل کرو، مرید نے مرشد کی نصیحت پر عمل کیا، اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، پیدل چلنے سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، آگے بڑھنے کی طاقت نہ رہی تو ایک درخت کا سہارا لے کر اس کے نیچے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر میں ایک ملک زادہ جو حضرت مخدوم الملکؒ کے مریدوں میں سے تھا، وہاں آگیا، وہ گھوڑے پر سوار تھا، شیخ مظفر کو دیکھ کر ان کے پاس آیا، شیخ مظفر نے اس سے اپنا حال کہا تو اس نے از راہ عنایت ایک گھوڑا عطا کیا، جس پر سوار ہوکر وہ دہلی پہنچے، دو سال تک وہاں تعلیم پاتے رہے، فیروز شاہ تغلق نے ان کو درس و تدریس کے مشغلہ میں بھی لگا دیا، ایک روز درس دے رہے تھے کہ مطربوں کو کچھ گاتے ہوئے سنا، تو ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، بالا خانے سے کود پڑے، مگر خدا تعالیٰ نے ان کو بچا لیا، اسی حالت میں اپنے گھر کو لٹوا دیا، اور دہلی سے چل کھڑے ہوئے، مرشد کے پاس پہنچے، تو علم کا سارا غرور ختم ہو چکا تھا، پھر بھی حضرت مخدوم الملک کو محسوس ہوا کہ ابھی تک ان کے اس علم میں جو عزت کی خاطر حاصل کیا گیا تھا، کچھ شائبہ باقی رہ گیا ہے، اور جب تک وہ اپنے کو جاہلوں میں شمار نہ کریں گے

آفت جاہ سے محفوظ نہ ہو سکیں گے، اسی لئے حکم دیا کہ وہ خانقاہ کے فقیروں کی خدمت کیا کریں، مرشد کا حکم بجا لانے میں ان کو خوشی ہوئی، خانقاہ کے فقراء جو کچھ انکو کرنے کو کہتے انجام دیتے، عزت اور ذلت کی طرف التفات نہ کرتے، ان کے کپڑے پھٹ جاتے، تو ان میں پیوند لگا لیتے، یا گرہیں ڈال دیتے۔ ایک روز حضرت مخدوم الملکؒ نے دیکھا کہ ان کے کپڑے تار تار ہو گئے ہیں، اور ان کی صورت سے عاجزی ظاہر ہو رہی ہے، پھر بھی خوش تھے، اور زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے،

خوشم بدولت خواری و ملک تنہائی   کہ التفات کسے را بروزگارم نیست

یہ دیکھ کر حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا اب ان کو لطیف اور بیش قیمت کپڑے دیئے جائیں، ان کے رہنے کی جگہ بھی لطیف اور ہوا دار ہو، اور سونے کے کپڑے بھی لطیف اور نرم ہوں، کھانے بھی لطیف ملتے رہیں، اور ایسا ہی کیا گیا، لیکن شیخ مظفر خداوند تعالیٰ کی محبت اور طلب میں ایسے سرشار ہو چکے تھے کہ یہ ساری چیزیں ان کی نظروں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگیں، ان پر فقر کا راز روشن ہو چکا تھا، ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتے، اور زبان حال سے یہ کہتے دکھائی دیتے،

جان آدم چوں بسر فقر سوخت   ہشت جنت را بیک گندم فروخت

ایک دن وہ دہلیز پر ہاتھ اونچا کئے ہوئے کھڑے تھے، حضرت مخدوم الملکؒ کی نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ ان کے بدن میں گوشت نہیں رہا ہے۔ کھال ہڈی سے چپک گئی ہے، پہلو نکل پڑا ہے، یہ دیکھ کر انھوں نے اپنے ایک مرید قاضی زاہد کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب یہ سیدھی راہ پر آ گئے ہیں، لا نسلم کہتے ہوئے آئے تھے، اور اب طرح طرح کے انعام پا گئے ہیں، شیخ مظفر بلخی نے راہ سلوک کی مختلف منزلیں

طے کرلیں تو حضرت مخدوم الملکؒ ان کو تن شرف الدین اور جان شرف الدین کہا کرتے تھے، اور جب وہ حضرت مخدوم الملکؒ سے ملنے کو آتے تو وہ ان کا استقبال دروازہ تک جا کر کرتے، اور ان کے مریدین کہتے کہ ماہ آتا ہے، شاہ آتا ہے،

شیخ مظفر بلخی بڑے صاحب کرامت بزرگ ہوئے لیکن حضرت مخدوم الملکؒ انکو کرامت کے صادر کرنے سے باز رکھتے رہے، اور جب ان سے کوئی کرامت صادر ہوتی تو فرماتے:۔

"در آں مقدار کہ تو بکرامت خود مشغول گشتی از کرم خود اعراض نمودی"

یعنی جتنا تم اپنی کرامت میں مشغول ہونے ہو اتنی ہی تم نے کرامت دینے والے سے روگردانی کی (مناقب الاصفیا، ص ۱۵۱-۱۴۷)

ذوق سماع — حضرت مخدوم الملکؒ کے مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں، اس لئے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک کو وجد آتا تو خلوت میں چلے جاتے، اور دروازہ بند کر لیتے وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی،

سماع کی حلت و حرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۴۷۱-۴۶۱) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نود و سوم ص ۲۶۴-۲۷۱) میں مستقل بحثیں ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو، اور احوال شریف یعنی مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے، اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، سماع حلال بھی، حرام بھی اور مکروہ بھی ہے اور مباح بھی، اور سماع کے سننے سے دل حق کی طرف مائل ہوا تو یہ حلال ہے، اور اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف توجہ ہو تو یہ مکروہ ہے، اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو لیکن حق کی طرف زیادہ جھکاؤ ہو تو یہ مباح ہے۔ (معدن المعانی ص ۴۶۳-۴۶۴)

سماع اہل حق کے لئے مستحب، اہل زہد کے لئے مباح اور اہل نفس کے لئے مکروہ ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۶۷)

سماع اگر طلب منفعت کے لئے ہے تو یہ مذموم ہے، اور اگر طلب حقیقت کے لئے ہے، تو یہ محمود ہے، (معدن المعانی ص ۴۶۷)

مجلس سماع کے لئے تین شرطیں ضروری ہیں، مکان، اخوان اور زمان، مکان یعنی جہاں مجلس سماع ہوتی ہو، وہ مشائخ کی جگہ ہو، اور پاکیزہ کشادہ، اور روشن ہو، اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں، وہ درویش یا درویش کے دوست ہوں، اہل تمیز، صحبت یافتہ، اور مرتاض ہوں، زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں سے خالی ہو،

مجلس سماع کے آداب کی پابندی بھی ضروری ہے، مثلاً سر کار دو زانو بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں، پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، آپس میں گفتگو نہ کریں، قوال کی خوش گوئی کی داد نہ دیں، اشعار کو بہترین طریقہ پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل رکھیں، الخ الخ (مکتوبات سہ صدی ص ۲۷۱۔۲۷۰)

وصال ۷۸۲ھ میں ۶ رشوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشاء عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اس روز صبح کی نماز ہی کے وقت سے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی، مریدوں کو پاس بلاتے کسی کو گلے لگاتے، کسی سے مصافحہ فرماتے، کسی کی داڑھی کا بوسہ دیتے، کسی کو آغوش میں لیتے، کسی کو دعائیں دیتے، کسی کو خاص خاص وصیتیں کرتے، بار بار کلام پاک کی آیتیں اور کلمے پڑھتے، اور کہتے کہ کل تم سے پوچھیں

کہ کیا لائے ہو تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا یہ شعر بھی پڑھا

خدایا رحمتت دریائے عام است   وزانجا قطرۂ ما را تمام است[1]

مغرب کے وقت وضو کرکے نماز ادا کی نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، پھر مناجات کی دعائیں پڑھیں، آخر میں امت محمدی کے لئے دعا کر رہے تھے کہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کر دی[2]، تاریخ وصال "پرشرف" (۸۲۷ھ) ہے، وصیت کی تھی کہ جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے، جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت ہو، اور حافظ قرأت سبعہ ہو، جنازہ رکھا ہوا تھا، کہ عین اس وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کا ورود مسعود ہوا، یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں، اس لئے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت انہی کے حصہ میں آئی، مزار پرانوار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے،

علوے مرتبت | صوفیہ کرام میں مخدوم الملک، مخدوم عالم، سلطان العاشقین سید المتکلمین، برہان المحققین الصالحین تاج الاولیاء، سراج الاولیاء اور یکتائے روزگار کے القاب سے مشہور رہیں[3]،

روحانی سرمایہ | حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کے تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں، لیکن ہم کو صرف حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا ہے،

(الف) **مکتوبات** ۔ (۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست وہشت (۴) فوائد رکنی،

(ب) **ملفوظات** ۔ (۱) معدن المعانی (۲) خوان پرنعمت (۳) مخ المعانی

---

[1] وسیلۃ الشرف ص ۵۹ [2] تفصیل کے لئے دیکھو راحت القلوب وفات نامہ حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ مطبع مفید عام آگرہ [3] مخ المعانی ص ۲، اخبار الاخیار ص ۱۰۹،

(۴) فوائد غیبی (۵) گنج لایخفیٰ (۶) مونس المریدین (۷) راحت القلوب (۸) ملفوظ الصفر (۹) بحر المعانی و کنز المعانی (۱۰) معدن المعانی،

(ج) تصانیف۔ (۱) ارشاد الطالبین (۲) ارشاد السالکین (۳) رسالہ مکیہ در ذکر فردوسیہ (۴) شرح آداب المریدین (۵) فوائد المریدین (۶) اجوبہ (۷) لطائف المعانی (۸) عقائد شرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط (۱۱) اوراد خورد (۱۲) اشارات (۱۳) رسالہ در ہدایت حال (۱۴) مرأۃ المحققین (۱۵) رسالہ وصول اللہ،

مکتوبات صدی۔ یہ حضرت مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں، قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث حضرت مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے، اس لئے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوتی تھی، حضرت مخدوم الملک ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، وصال کے وقت ان کو اپنے پاس بلاکر فرمایا، قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں، متعدد بار میں نے کبھی ان کو فرزندم اور کبھی "برادر" لکھا ہے، انھی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا، انھی کے لئے مجھ کو کہنا اور لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا"۔[1] مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں، یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے، ان کو حضرت مخدوم الملک کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا، مکتوبات صدی کے نسخے چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ مطبع نولکشور میں چھپا ہے، جو بے حد غلط ہے، ایک اور نسخہ مطبع علوی

---

[1] دیباچہ مکتوبات صدی ص ۲ مطبع اسلامی لاہور[2] راحت القلوب و وفات نامہ ص ۲۷-۲۶،

محمد علی بخش خاں نقش بندی میں چھپا ہے،

(۲) مکتوبات دو صدی۔ اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں[۱]، اس کو مولانا زین بدر عربی نے مذکورۂ بالا مکتوبات کے بائیس[۲۲] سال کے بعد سنہ ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا مگر خدا بخش خاں لائبریری کے مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے[۲]، یہ مکتوبات بھی چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے، جس میں مکتوبات صدی کے سو مکتوبات اور مکتوبات دو صدی کے ۱۵۲ مکتوبات کے علاوہ مکتوبات بست وہشت بھی شامل کر دیئے گئے ہیں،

یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں، بلکہ اس زمانہ میں حضرت مخدوم الملکؒ نے مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان ہی کا مجموعہ ہے، اس لئے بعض مباحث میں توارد اور تکرار پیدا ہو گیا ہے،

(۳) انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے، جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں، اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں، ان دونوں کو حضرت مخدوم الملکؒ فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکہ ہوا ہے، کہ وہ دونوں حضرت مخدوم الملک کے صاحبزادے تھے،

(۴) مکتوبات بست وہشت۔ یہ مولانا امام مظفر قدس سرہٗ کے نام ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک نے ان کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے، مگر ان کو وہ (امام مظفر) عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے وفات

---

[۱] دیکھو انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۱۰۰۱، ۱۸۴۴ء، ونیز ایشیاٹک سوسائٹی کیٹلاگ ص ۲۵۵ [۲] دیکھو کیٹلاگ ج ۱۶ ص ۲۲

کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیئے جائیں، مگر اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط کہیں پڑے رہ گئے، جو رفتہ رفتہ بالکل عام ہو گئے، اور اب یہ کتاب کی صورت میں شائع کر دیئے گئے ہیں[۱]،

فوائد رکنی۔ ۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملک نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت میں سفر و حضر میں مطالعہ کے لئے ہدایتیں دی تھیں، یہ خطوط کی صورت میں ہے، اس کے مختلف فوائد ہیں، عشق الٰہی کی بیچارگی، انسان کی برتری، راہِ طریقت میں محنت و ریاضت، مکار و غدار دنیا سے قطع تعلق، تواضع و انکسار، روحانی گرسنگی، اور صوفیۂ کرام کے رموز و اشارات پر مباحث ہیں، ایک جگہ فرماتے ہیں کہ مریدوں کو حضرت ابو بکرؓ اور پیروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلنا چاہیئے،

ایک دوسری جگہ دنیا کو حضرت آدمؑ کا فلیظ کہا ہے،

حضرت مخدوم الملکؒ کی تمام تصانیف میں مکتوبات بہت ہی مقبول ہوئے، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے اس کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ سبحان اللہ! شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ہم لوگوں کے صد سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ کر دکھا دیا ہے، (مناقب الاصفیا، ص ۱۴۰) حضرت سید جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشتؒ سے ان کے آخر عمر میں کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا شغل رہتا ہے، تو فرمایا کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں، یہ سُن کر ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے ان مکتوبات کو کیسا پایا تو فرمایا کہ ان مکتوبات کے بعض مقام کو اب

---

[۱] دیکھو دیباچہ مکتوبات بست و ہشت ص ۲۔۳ مطبع اسلامی لاہور،

میں سمجھا ہوں، (مناقب الاصفیا ص ۱۴۰)

ابو الفضل آئین اکبری میں رقمطراز ہے۔

ساله و فراوان تصنیف اردو یادگار، از آن میان مکتوبات او در سرشتگی نفس آزمون دارد (ج ۳ ص ۱۷۲)

مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

"او را تصانیف عالی ست، از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور و لطیف ترین تصانیف است، بیاری از آداب طریقت، و اسرار حقیقت در آنجا رنہ رواج یافتہ (اخبار الاخیار ص ۱۰۹)

مکتوبات کی تعلیمات پر مباحث آگے آئیں گے، اس سے پہلے حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

(۱) معدن المعانی۔ اس کو حضرت مخدوم الملک کے مرید خاص مولانا زین بدر عربی نے دو جلدوں میں مرتب کیا، اس میں ۷۴۹ھ سے ۷۵۱ھ تک کے ملفوظات ہیں، جن میں نہ صرف خالص صوفیانہ رموز و نکات ہیں بلکہ حدیث، اور علم کلام پر بھی مباحث ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے مسائل حل کیے جاتے تھے، بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت اور امر و نواہی، اور عبادت اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی، ان ہی تعلیمات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت شریعت اور تصوف دو الگ چیزیں نہ تھیں، بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے،

اس مجموعہ میں ایک خاص بات یہ پائی جاتی ہے کہ حضرت مخدوم الملک

جو کچھ فرماتے تھے، اس کے آخر میں اشعار پڑھ کر اس کو دل پذیر اور پُراثر بنا دیتے
تھے، مثلاً ایک جگہ فرمایا، طالب دنیا، دنیا کے اسباب کو فراہم کرنے میں لگا رہتا ہے
طالب عقبیٰ احکام شرع کے سامنے رکھتا ہے، اور اس کی ظاہری پابندی کرتا رہتا
ہے، تاکہ اس کو عقبیٰ حاصل ہو، لیکن طالب مولیٰ کا جب تک باطن درست نہیں ہوتا
ہے، اپنے مقصد کو حاصل نہیں کرتا ہے، اس کے بعد فرمایا

پاک شو تا ز اہل دین گردی   آن چنان باش تا چنین گردی
گرچہ پاک ست ہر چہ نیست نخست   ہمہ در بند حق حجاب تو است
ہر چہ جز حق بسوز و غارت کن   ہر چہ جز دین از و طہارت کن

طالب مولیٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے باطن کو درست اور صاف کرے
اس کے لیے یہی چیز اصل ہے۔

طالب او ز غسل در گیرد   از جنب حق نماز نپذیرد
تا بجاروب لا نروبی راہ   نرسی در سرای الا اللہ
نشوی در نہاد خود سالار   بہ نماز و بروزہ بسیار
زانکہ ہر چند گرد بر گردی   تو کہ زین ورطہ خواجہ تر گردی

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ اگر خلق کا کوئی معاملہ درست نہ ہو سکے، وہ حق (یعنی خدا) کے ساتھ نہیں ہے تو اسکو
کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوگا، لیکن اگر خلق کا دل ناراض ہو اور حق کے ساتھ ہے تو اسکو کوئی نقصان
نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کسی کو ملک فلک اور ساری دنیا مسلمان سمجھتی ہو لیکن اسکے اور حق کے درمیان معاملات
صحیح نہیں ہیں تو اسکو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے، اور اگر سارا عالم اسکو کافر اور مرتد سمجھے لیکن اسکے اور حق کے
درمیان معاملات درست ہیں، تو اسکو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، اس کے بعد یہ بیت پڑھی

چو راضی شد از بندہ یزدان پاک کرا ہمانگر و زند راضی چہ باک

خلق سے علحدہ رہنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ گوشہ میں بیٹھا ہو، مگر دل خلق کی طرف مائل ہو، اور جاہ و منزلت کا بھی خواہاں ہو، تو یہ گوشہ گیری بے سود ہے، کوئی خلق کے درمیان رہے، لیکن اس کا دل حق کے ساتھ ہو تو اس کو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا۔

اے سنائی کم تنائی گیر بر رہ سنت آشنائی گیر

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ گوشہ گیری کی دو قسمیں ہیں، اگر کوئی گوشہ گیر اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں، تو یہ خواری نفس ہے، اور وہ متواضع ہے، لیکن کوئی گوشہ گیر اس لئے ہو جائے کہ وہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہے تو یہ نفس کا کبر ہے، اور وہ متکبر ہے، اس کے بعد فرمایا:

نفس کافر را بکش مومن بباش چوں بکشتی نفس را ایمن بباش

آدمی زادہ بما نشد مردم گہ پری گاہ دیو گہہ کژدم

دشمنت نفس خاکش دار کعبۂ حق دل است پاکش دار

حضرت مخدوم الملکؒ کا اشعار پڑھ کر کسی نکتہ کو واضح کرنے کی مثالیں ان کے ملفوظات میں بکثرت ملیں گی، جیساکہ آگے بھی ذکر آئیگا، اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ ان کو بکثرت اشعار یاد تھے، جو موقع بموقع برجستہ طور پر استعمال کرتے رہتے تھے، اس سے ان کی قوت حافظہ کا بھی اظہار ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ ان کا ذوق شعری بھی غیر معمولی قسم کا تھا، اور وہ برابر بلند اور پاکیزہ قسم کے شعراء کے دواوین مطالعہ میں رکھتے تھے، تب ہی تو ان کو اتنے اشعار یاد تھے، ممکن ہے، کہ وہ شاعر بھی رہے ہوں، گو کسی تذکرہ میں ان کی یہ حیثیت نظر

سے نہیں گذری،

(۲) خوانِ پُرنعمت (مرتبہ مولانا زین بدر عربی) اس کو معدن المعانی کی تیسری جلد سمجھنا چاہئے، اس میں نماز معکوس، قوت ملکی، تفکر، عبادات، عذاب و راحت قبر، ولایت اولیاء، شب معراج، وصول، خواب کی تعبیر وغیرہ کے علاوہ تصوف کے جزوی نکات اور فقہی و شرعی مسائل بھی ہیں، ۷۹۱ھ میں ختم ہوئی، اس میں ایک جگہ ہے کہ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ کسی مومن کا کام کر دینا اور اس کے لئے کوشش کرنا بڑی دولت ہے، اس کو کار پیغمبر سمجھنا چاہئے، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب میں اپنے پرانے حجرہ میں تھا، تو اس وقت ایک ملک یمنی حاکم تھا، جو لوگوں سے اچھے برتاؤ نہیں کرتا تھا، لوگ میرے پاس آتے اور اس ملک کے پاس مجھ سے سفارش لے جاتے، میں ہر ایک کو سفارش لکھ کر دیتا، ایسے لوگوں کا ہجوم ہوا تو میں ان سے بہت تنگ آگیا، اسی زمانہ میں ایک حبشی شیخ زادہ جو وہاں تھے، میرے پاس آئے، میں نے ان سے کہا کہ سفارش کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا ہے، میں لوگوں سے تنگ آگیا ہوں، یہ سن کر شیخ زادہ نے کہا،

"تنگ می آئید، زینہار تنگ می آیید بلائے خلق را بکشید"

اس کے بعد کچھ اور نصیحتیں کیں، ...... آگے چل کر حضرت مخدوم نے فرمایا کہ مسلمانوں کا کام انجام دینا، ایک بڑا کام ہے، اسی سلسلہ میں یہ گفتگو ہوئی کہ مشایخ بادشاہوں کے دروازے پر جائیں یا نہ جائیں تو حضرت مخدوم نے فرمایا کہ اگر بادشاہ طلب کرے تو ضرور جائیں، اور اگر طلب کرنے پر نہ جائیں تو یہ بدعت ہو گی، البتہ بغیر طلب کے نہ جائیں، لیکن ان کے جانے سے مسلمانوں کا کام انجام پا جائے تو پھر بلا طلب

کے بھی جائیں، (خوان پرنعمت ص ۲۴۲-۲۴۰)

خوان پرنعمت مطبع احمدی پٹنہ میں چھپ گئی تھی (۲۱۲ صفحے پر مشتمل ہے، اس کے آخر میں حضرت مخدوم کی ایک مناجات بھی ہے،

(۳) مخ المعانی۔ اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں بھی مختلف مسائل مثلاً ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، بیعت الرشاب، تلاوت کلام پاک، ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی وغیر کسبی، شب برات، ابیت و تعلیل، نماز تراویح، پیر، مرد کامل، تعبیر خواب، توبہ موسی تصفیہ و تزکیۂ باطن، صلابت امیر المومنین حضرت عمرؓ، ورع صدق، وقوت، مکرر رجوع کدورت ہائے بشریہ وغیرہ وغیرہ پر ملفوظات ہیں، کل ۳۵ مجلسوں کا ذکر ہے، مطبع مفید عام آگرہ میں چھپی تھی، ۱۶۰ صفحے پر مشتمل ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ حضرت مخدوم الملک اپنے ملفوظات کو اشعار سے موثر بناتے تھے، مخ المعانی میں بھی جن مجلسوں کا ذکر ہے، ان میں حضرت مخدوم الملک کی زبان مبارک پر جو اشعار اور رباعیاں آئیں، وہ اور بھی زیادہ دلکش اور موثر ہیں، ان سے بھی ان کے آتش کدۂ عشق کی چنگاریاں اور شعلے بلند ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان میں کئی رباعیاں نخشبی کی بھی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ اس زمانہ میں نخشبی کی رباعیاں بزرگانِ دین میں کیسی مقبول ہوگئی تھیں

فرماتے ہیں کہ قبر میں بھی اندوہ ہوگا جو قیامت کے روز سہارا ہوگا،

در گور برم از سر گیسوے تو تائے | تا سایہ کند بر سر من روز قیامت

محبوب کے جمال کی طلب حبیب کے عشق کا کمال ہے،

عشق ما را کے بود غایت پدید | حسن جانان چون ندارد غایتے

جمال در نظر و شوق ہمچناں باقی　　گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گدا ست

عالم اپنے علم، عارف اپنی معرفت، عاقل اپنی عقل، مطیع اپنی اطاعت، زاہد اپنے زہد، عابد اپنی عبادت میں گم رہتا ہے، یہ مشکل کام ہے، لیکن یہی اصل چیز ہے،

ہمہ خواند بخود صاحبدلاں را　　ہمہ داند ز دریا مبطلاں را

چہ داند مردم گم گشتگاں چیست　　ہمہ داند کہ ایں راز نہاں چیست

دوستی کی راہ میں صدق ہی رہبر ہوتا ہے

خواہ بدستار کوش خواہ بزنار باش　　در طلب دوستی صدق ترا رہبر است

دنیا کی آبادی مردانِ دین سے ہوتی ہے، اور اگر وہ نہیں ہوتے ہیں تو دنیا ویران ہو جاتی ہے، پھر ابلیس برہنہ ہو کر زبان حال سے جو کچھ کہتا ہے وہ نخشبی کی اس رباعی سے ظاہر ہوگا،

خونِ من از زمانہ آب شدہ　　نخشبی بر زمین نماند کسے

مشکل دلہاے ما خراب شدہ　　دیر شد ایں جہاں از اہلِ صلاح

عوام کے لئے دنیا نفس، اور دنیا کے لوگ حجاب ہیں، خواص اگر اپنی عبادت کے ثواب اور اپنی کرامت پر نظر رکھتے ہیں تو یہ ان کے لئے حجاب ہے، اسی لئے نخشبی نے یہ کہا ہے ؎

یار منت منہ دہ بار مداں　　نخشبی ذکر کار خویش مکن

کار می کن و لیک کار مداں　　گر بخواہی کہ کار پیش رود

اگر دل آئینہ کی طرح صاف ہے تو پھر حجاب باقی نہیں رہتا، لیکن زنگ خوردہ دل میں جمالِ دوست نہیں دکھائی دیتا،

سعدیؔ حجاب نیست تو آئینہ صاف دار — زنگار خوردہ کے بہ نماید جمال دوست

دعا کی اہمیت شیخ بخشی کی اس رباعی سے ظاہر فرماتے ہیں،

نخشبی در دعا مکن اہمال — از دعا التماس راندہ شود

بر درے راکہ آسماں بندد — بہ کلید دعا کشادہ شود

عارف کے لئے دنیا آخرت کا حجاب ہے، اور آخرت مولیٰ کا حجاب ہے، اسی لئے وہ پکار اٹھتے ہیں،

دنیاست بلاخانہ وعقبیٰ ہوس آباد — ما فارغ ازیں ہر دو نہ آنیم نہ اینم

محبت میں خاک ہو جانے ہی میں بقا حاصل ہے،

چہ پاک از محبت کہ خاکت کند — کہ باقی شوی گر ہلاکت کند

عاشقِ الٰہی پر عشق، حال اور وجد کی ایک کیفیت طاری رہتی ہے، اور وہ ایک امید میں مست رہ کر اپنی راہیں طے کرتا رہتا ہے،

از ما نہ علم پرس نہ زہد ونہ معرفت — ما اہی ہمی رویم با مید داری

حضرت مخدوم الملکؒ نے فرمایا کہ بعض متصوفین کے نزدیک کفر تین قسم کا ہے، کفر محمدی، کفر ابلیس اور کفر حق، کفر حق کفر حقیقی ہے اس کے بعد عین القضاۃ کے قول کی روشنی میں یہ وضاحت کی، کہ سالک راہ سلوک میں پہلے نور محمدی کی تجلی دیکھتا ہے، اور اس وقت اس کو گمان ہوتا ہے کہ یہی الوہیت کی تجلی ہے، تو یہ مقام کفر محمدی کا ہو جاتا ہے، سالک کو راہ سلوک میں ایسا مقام بھی آتا ہے کہ وہ نور ابلیس کی تجلی دیکھتا ہے اور اس کے جمال و کمال کے کشف کو کشفِ الوہیت سمجھ کر وہ خداوند تعالیٰ سے کہنے لگتا ہے تو ہی مقصود ہے، تو ہی مطلوب ہے، تو یہ کفر ابلیس ہو جاتا ہے، یہ شعر اسی

معنی میں کہا گیا ہے،

اگر گور برم بزلفت ببوئے ایام | گو نی سلسلۂ کفر ہمی جنبانم

کفر حقیقی ذوق ہی سے معلوم ہوتا ہے،

حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنی ایک مجلس خواجہ عطارؒ کی تذکرۃ الاولیا سے یہ روایت بھی بیان کی کہ جب منصور کو دار کے پاس لایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ مردوں کی معراج یہی ہے، پھر فرمایا کہ جب منصور کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا، تو رات کے وقت ان کی طلبی ہوئی وہ قید خانہ میں نہ پائے گئے، دوسری رات کو پھر طلب کیا گیا تو پھر وہاں وہ موجود نہ تھے، اور نہ اور دوسرے قیدی تھے، تیسری رات طلب کئے گئے، تو وہ قیدیوں کے ساتھ موجود تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا تو کہا کہ پہلی رات تو میں اپنے دوست کے ساتھ تھا، اسی لئے لوگوں نے مجھ کو نہ دیکھا، دوسری رات میرا دوست یہاں تھا، اسی لئے نہ میں نظر آیا، اور نہ قیدی دیکھے گئے، آج کی رات میں یہاں ہوں، شرع کا جو حکم ہے وہ بجا لایا جائے، اس وقت تین سو قیدی قید خانہ میں تھے، ان سے کہا میں نے تم لوگوں کو آزاد کیا، تم جاؤ، لوگوں نے کہا کہ آپ خود اپنے آپ کو آزاد کیوں نہیں کرتے ہیں، فرمایا میں تو خدا کی قید میں ہوں، شریعت کا لحاظ رکھتا ہوں، اس کے بعد دیوار کی طرف اشارہ کیا، اس میں رخنہ ہوا، اور تمام قیدی باہر چلے گئے، جب صبح ہوئی تو ان سے پوچھا گیا کہ قیدی کہاں گئے تو بولے میں نے سب کو آزاد کردیا، لوگوں نے پوچھا آپ خود کیوں نہیں چلے گئے، تو کہا کہ میرے دوست کا مجھ پر عتاب ہے، اسی لئے میں یہاں رہ گیا ہوں، تاکہ میں تم تک پہنچ سکوں، جب یہ خبر خلیفہ کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ بڑا فتنہ کھڑا ہوگا، اس لئے ان کو ان کے انجام تک پہنچا دیا گیا،

نخشبی عشق مذہب ست عجب | شد نشن کس بیان چہ خواہد کرد
آنکہ رہ بعزقِ دوست نہد | بر سرِ دشمناں چہ خواہد کرد

نخشبی کی اور رباعیاں نقل کی گئی ہیں وہ یہ ہیں، جن سے عشقِ الٰہی اور معرفت کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں،

نخشبی را وجود گہ بود ست | اندر دلبراں ہلاکش کرد
عشق در من نشان من نگذاشت | بس وجود یکہ وجد فاکش کرد

نخشبی معرفت عجب ملکیست | حشم او ہر بیران عبا داند
زاہداں بادشاہ آخرت اند | عارفاں بادشاہ ہر دو اند

اہلِ فنا کے لئے نام و نشان کچھ بھی نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں سے بے نیاز ہوتے ہیں، ان کا کون و مکاں کچھ اور ہی ہوتا ہے،

مردان رہش زندان بیان گرانذ | مرغان ہوا ایش ز آشیانے دگراند
منگر تو بدیں دیدہ بریشاں کایشاں | بیرون ز دو کون واز جہانے دگراند

اس کو خود بھی اپنی خبر نہیں ہوتی، جیسا کہ اوحدالدین کرمانی نے بھی بیان کیا ہے،

کاشکے دانستم کاندر جہاں کیستم | با چنیں سرگشتہ و حیراں ز بہر چیستم
یا چہام یا در چہام یا از چہام یا بر چہ ام | دوش ازیں غم تا سحر بر خویشتن بگریستم

حضرت مخدوم الملک نے فرمایا کہ شرع کی ایک حد ہے، جس سے کبھی آگے نہ گذرنا چاہئے، اگر کوئی گذرتا ہے تو اس کے لئے درہ ہے، اور تلوار ہے، اگر کوئی خدا کے ساتھ دیوانگی دکھلاتا ہے، تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا علم اس کی عقل کا ساتھ نہیں دے رہا ہے لیکن شرع کے معاملہ میں علم اور عقل کا سوال نہیں اٹھتا ہے، اس کی پابندی ضروری

ہے، اسی لئے کہا گیا، کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

خدا کے ساتھ دیوانگی ہو سکتی ہے،

ہر حیلہ کہ در عقل من آمد کردیم حتا کہ کنوں نوبتِ دیوانگی است

ایک اور موقع پر فرمایا کہ کفر دل کے ساتھ ایمان نہیں ہو سکتا ہے، اسی کیساتھ شرک کے ساتھ توحید نہیں ہو سکتی ہے، کفر دل شرک خفی ہے، ایمان اور توحید کا کمال صحت اس میں ہے کہ یہ شرک خفی اور شرک جلی سے بالکل پاک ہوں، اگر کسی مسلمان کا ایمان اور اس کا عقیدہ توحید ان دونوں چیزوں سے پاک نہیں، تو وہ مسلمان نہیں، اسی لئے اہل بصیرت غایت احتیاط میں کہہ اٹھتے ہیں،

نمی دانم کرا باتم بدیں سیرت گرفتارم نہ من ہندو نہ من مسلم نہ من مرتد نہ بدکارم

(۴) **فوائد علیہ**، اس میں اوائل ماہ شعبان ۷۵۵ھ سے ماہ صفر ۷۵۷ھ تک کی ۴۲ مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جو مباحث آئے ہیں ان کے کچھ عنوانات یہ ہیں، اسمائے باری، حکمت ایثار، اقسام حقوق عباد، شہود و مشہود، خصلت علم، ارکان حج وغیرہ

(۵) **گنج لایخفیٰ** - اس کو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ربیع الاول ۷۶۰ھ سے ذی الحجہ ۷۶۰ھ تک کی مجلسوں کے ملفوظات ۶۳ ورق میں ہیں، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں۔ امام محمد اور امام یوسف کے مکالمے، امام اعظم کی تعریف، شب قدر کی علامتیں، سکرات موت، تکفین میت، فضیلت حضرت ابوبکر صدیقؓ، آگ کی لطافت، تجلی باری تعالیٰ وغیرہ،

(۶) **مونس المریدین** - اس کو مولانا صلاح مخلص داؤد خانی نے مرتب کیا،

اس میں شعبان ۷۴۸ھ سے محرم ۷۵۰ھ تک کی اکیس ۲۱ مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جامع ملفوظات کا بیان ہے کہ یہ رموز الٰہی اور بے انتہا انوار کا خزانہ ہے، اس کے کچھ موضوعات یہ ہیں، جواز محبت مشائخ و علماے حق، نعمت بہشت، تلقین صدق، تعریف سجادہ و صاحب سجادہ، تعریف زہد، مقطعات قرآن، فضیلت تلاوت قرآن، ضخامت توریت، مذمت ظلم، اقسام سفر، ذکر سعادت و شقاوت، نماز لیلۃ الرغائب، بخل و احسان بادشاہ، ذکر روح، دعاے خشک سالی، عذاب فصلی، عذاب قہری، حق العباد، خروج دجال، نفخ صور، تعریف شریعت و حقیقت، وقت و حال تمکین و مقام، ایمان مقلد، ایمان معارف، تکبر و خود بینی، ایفاے عہد، مہمان نوازی، مذمت نفس وغیرہ،

اردو میں اس مجموعہ کا ترجمہ شاہ قسیم الدین احمد نے (بیت الشرف، خانقاہ بہار شریف) نے کیا، ترجمہ بہت ہی صاف سلیس اور رواں ہے، اصل کے مطابق بھی ہے، اس لئے جو صاحب فارسی اچھی طرح نہ جانتے ہوں، ان کو اس ترجمہ سے حضرت مخدوم الملکؒ کی تعلیمات سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی، بلکہ اس کے مطالعہ سے لطف اٹھائیں گے،

اس میں ایک موقع پر (مجلس چہارم) فرمایا کہ صاحب سجادہ وہ ہے، جو شریعت، طریقت اور حقیقت ان تینوں راہوں کو طے کر چکا ہو اور جس نے ان تینوں راہوں کو طے نہیں کیا ہے، وہ صاحب سجادہ نہیں بلکہ اپنی راہ کا شیطان ہے، اگر وہ مصلیٰ پر بیٹھ کر سجادگی کا دعویٰ کرتا ہے تو حاشا و کلا وہ مصلیٰ نہیں بلکہ اس کی راہ کا بت اور زنار ہے،

ماہ رویان تیرہ ہوشانند　　　جاہ جویان دیں فروشانند
ہمہ در علم سامری دارند　　　از برون موسیٰ از درون مارند

سربا ئے دو دل ز یں دارند — کہ دل وعقل شرع و دیں دارند
از رہ شرع و شرط برگشتہ — تشنۂ خونِ یگدگر گشتہ

ایک دوسرے موقع (مجلس پنجم) پر فرمایا کہ ایک قاضی تو وہ ہے جو عالم ہے، اور اپنے علم کے ذریعہ شرع شریعت کو نافذ کرتا ہے، اور اس کے نفاذ میں لالچ یا کسی سے کوئی امید نہیں رکھتا، ایسے قاضی کی جگہ بہشت میں ہوگی، دوسرا قاضی وہ ہے جو عالم تو ہوتا ہے، مگر احکام شرعیہ کو رشوت لیکر نافذ کرتاہے۔

ہر آں قاضی کہ رشوت خوار باشد — مقام وے ہمیشہ نار باشد

تیسرا قاضی وہ ہے جو جاہل ہے، اور امور شرعیہ کو اپنی جہالت کے ساتھ نافذ کرتا ہے،

جہل چوں آتش بود از نہاد — عالمے از وے بسوز داے جواد

ان ہی دو طرح کے قاضیوں کے متعلق حکم ہے کہ قاضیان فی النار،

چراغِ عقل و دانش پیش خود را — و گرنہ درچہ افتی سر نگوں سار

یہ ملفوظات صرف قاضیوں ہی کے لئے نہ تھے، بلکہ تمام حکام وقت پر ان کا اطلاق ہوتا ہے،

ایک مجلس (مجلس دہم) میں فرمایا کہ کچھ دن قبل سنارگاؤں میں ایک بادشاہ تھا، جس کا نام شمس الدین تھا، ایک دن اس نے........ اپنے وزیر ارسلان خاں سے کہا کہ میرے دو بیٹے ہیں ایک حاتم خاں جو بہار میں ہے، اور دوسرا بہادر شاہ جو کامرو میں ہے سچ سچ بتاؤ ان دونوں میں بادشاہت کے لائق کون ہے، وزیر نے جواب دیا دونوں میں سے کوئی بھی نہیں، بادشاہ نے پوچھا سبب؟ وزیر نے

جواب دیا کہ حاتم خاں میں حلم و رحم و کرم ہے، بہادر شاہ میں قہر و جبر و غیرت ہے، نہ اُس میں قہر ہے، نہ اس میں حلم ہے، نہ اُس میں جبر ہے، نہ اس میں کرم ہے، نہ وہ غفور ہے، نہ یہ رحیم ہے، لہذا دونوں ناقص ہیں، اور یہ بات صحیح ثابت ہوئی، دونوں کو جب ان کے علاقہ کی حکومت ملی تو ایک نے اپنے حلم و رحم اور دوسرے نے اپنے قہر و جبر سے سلطنت گنوادی، اسی مجلس میں کسی نے پوچھا کہ اس شعر کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا،

خوبرویاں ہر زماں اسلام غارت می کنند

کافرم گر ہیچ خوبے را مسلماں دیدہ ام

حضرت مخدوم الملک نے فرمایا کہ یہ دیوانوں کی باتیں ہیں، ہوشیاروں کے پڑھنے کے لئے نہیں ہیں، اصل یہ ہے کہ دیوانہ ایک خاص حالت اور خاص وقت میں اپنی دیوانگی میں کچھ کہہ جاتا ہے، وہ عاقلوں کے نزدیک ضرور غلط سمجھی جاتی ہے لیکن خدا کے نزدیک مقبول ہو جاتی ہے، یہ فرما کر، ایک قصہ سنایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بڑی خشک سالی ہوئی لوگوں نے بارش کی دعا کی لیکن بارش نہ ہوئی، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سے پانی چاہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات پڑھی لیکن ندا آئی کہ تمہارے یہاں برخ نامی ایک دیوانہ ہے، اگر وہ دعا کریگا تو پانی برسے گا، حضرت موسیٰؑ برخ کے پاس آئے اور اس سے دعا کرنے کو کہا، برخ نے کہا کہ آپ میرے پیغمبر ہیں، آپ کی موجودگی میں دعا نہیں کر سکتا، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، خدا تعالیٰ کا بھی فرمان ہے، کہ تم دعا کرو، برخ اٹھا اور آسمان کی طرف

رخ کرکے کہا کہ یہ بخالت تونے کہاں سیکھی، ابھی یہ بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ خوب بارش ہوئی، دوسرے دن جب حضرت موسیٰؑ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا، آپ نے دیکھا کل ہم نے آمات کیا کچھ کہا، اس کے بعد حضرت مخدوم الملکؒ نے یہ پڑھا،

لاجرم دیوانہ را اگرچہ خطاست ہرچہ می گوید بگستاخی رواست

خیرو شر چوں زآں بخامی رود گفتہ دیوانہ زیبا می رود

اس کے یہ معنی ہیں کہ دیوانوں کی دیوانگی خطا ضرور ہے، لیکن ان ہی کے لئے زیبا ہے ہر ایک کے لئے موزوں نہیں،

ایک مجلس میں تمکین اور مقام جیسی اصطلاحات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، کہ طالب جب مطلوب تک پہونچ جاتا ہے، اور اس کے ساتھ آرام سے رہتا ہے، تو اس کو تمکین کہتے ہیں اسکی مثال یہ ہے کہ عالم میں دریا اور ندیاں ہر سمت بہتی اور جوش و جنبش میں رہتی ہیں لیکن جب یہ سب سمندر میں پہونچ کر مل جاتی ہیں تو اس پانی میں جوش و خروش نہیں رہتا ہے، بلکہ اس کو قرار آجاتا ہے،

اگرچہ سیل را صد جوش باشد چو در دریا رود خاموش باشد

رود بیک سیل برآرد نفیر بحر سمندر رود شد آرام گیر

مقام وہ ہے کہ جب کسی سے کوئی قصور سرزد ہو تو توبہ و زاری کرے اور کہے کہ اے پروردگار میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا مجھکو بخش دے، کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہ کو نہیں بخش سکتا ہے،

مومن کو چاہئے کہ ہر دم توبہ و استغفار کرتا رہے،

اے پسر گنہگار، در توبہ کشادہ است انواع نعم بہر تو آمادہ نہادہ است

بشتاب سوئے توبہ کہ از ما درگیتی　　　　　در گردن تاخیر بسے واقعہ زادہ است

ایک مجلس میں فرمایا کہ ہم بیچاروں پر دائیہ، اٹھاسی سال گذر رہے ہیں، ہم لوگ اپنے کو مسلمان کہتے اور مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر جس نے یہ کہا ہے ٹھیک کہا ہے

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم

چند خود را تہمت دین مسلمانی نہیم

یعنی بتوں کی راہ میں سجدہ کرتے کرتے پیشانی گھس گئی ہے، اس پر بھی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ دین مسلمانی پر محض تہمت ہے،

(۳) راحت القلوب۔ اسکو بھی مولانا زین بدر عربی نے مرتب کیا، اس میں ۸۲ھ کے بعد اور حضرت مخدوم الملک کی وفات سے کچھ پہلے کی دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ۱۰۰ صفحے کا یہ رسالہ ہے، جو مفید عام پریس آگرہ میں طبع بھی ہو گیا ہے، اس میں رضائے حق، مبدا، معاد، متکلمین، مشائخین، اشراقیین صوفی متشرع خواجہ اویس قرنی، سجدہ آدم صفی اللہ، آداب تلاوت قرآن پاک، نماز جمعہ کی سنت اور فرض رکعتوں، روزۂ عاشورہ، سادات کے اوصاف وغیرہ پر مباحث ہیں، کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی ہے،

حضرت مخدوم الملکؒ کے اور دوسرے ملفوظات جو ان سے منسوب ہیں، ان کے نام یہ ہیں، ملفوظ الصغر، بحر المعانی، کنز المعانی، مغز المعانی (مرتبہ شیخ شہاب الدین عماد) مراۃ المحققین،

تصانیف میں سے کچھ کا ذکر ذیل میں درج ہے،

(۱) ارشاد الطالبین۔ یہ سورہ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اس میں

حضرت مخدوم الملک نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں، انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام برہان العارفین ہے، (ص ۱۰۲۰)

(۲) ارشاد السالکین۔ یہ توحید پر ۸ صفحے کا رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملک نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں، نور عالم لاہوت سے جبروت میں آیا، تو روح ہوا، اور جبروت سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا، اور ملکوت سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار ہوا، نار کثیف ہو کر باد ہوئی، اور باد کثیف ہو کر آب ہوئی اور آب کثیف ہو کر خاک ہوا، یس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں،

(۳) رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ۔ یہ سات صفحے کا ایک رسالہ ہے جس میں اذکار کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں،

(۴) شرح آداب المریدین یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردیؒ کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے، یہ ۷۷۶ھ میں مرتب ہوئی، ضخیم کتاب ہے، اس کو تصوف کا ایک قاموس سمجھنا چاہئے، اس کا بھی اردو ترجمہ شاہ قسیم الدین (خانقاہ بہار شریف) نے کیا ہے،

(۵) فوائد المریدین۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مریدوں کے لئے کلمۂ طیبہ کی فضیلت، نماز با جماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ۔ قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لئے کچھ ہدایتیں ہیں، شاہ قسیم الدین نے اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے، اور اپنے دیباچہ میں بہت صحیح لکھا ہے کہ یہ رسالہ عوام اور خواص کے لئے ایک شمع ہدایت

ہے اور اسکے مطالعہ سے ضلالت اور گمراہی کے سیلاب کو روکا جا سکتا ہے، اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا، اسلامی تہذیب اور اخلاق کا ایک روشن .... بن سکتا ہے،

(۶) اجوبہ ۔ یہ سوالات و جوابات کا ایک مجموعہ ہے، جو زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے مقربین حضرت مخدوم الملکؒ سے وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے، اور وہ جو جوابات مرحمت فرماتے، ان کو اس رسالہ میں جمع کر لیا گیا ہے۔ تصوف کے بہت سے مسائل اس رسالہ میں پائے جاتے ہیں۔

(۷) لطائف المعانی ۔ یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے،

(۸) عقائد شرفی (۹) اوراد کلاں (۱۰) اوراد اوسط اور (۱۱) اوراد خورد کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں، (۱۲) اشارات ۳۷ سوالات کے مذہبی اور صوفیانہ جوابات ہیں (۱۳) رسالہ در ہدایت حال، ہیں ورق کا ایک رسالہ ہے، جس میں راہ طریقت میں داخل ہونے کے شرائط درج ہیں (۱۴) مرآۃ المحققین میں بھی صوفیانہ رموز و نکات ہیں، (۱۵) رسالہ وصول الی اللہ، موضوع نام سے ظاہر ہوگا[1]

تعلیمات | جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات سب سے زیادہ اہم ہیں، اور ان میں تصوف کے تمام رموز و نکات پر مدلل اور محققانہ مباحث ہیں۔

توحید | سہ صدی مکتوبات کا جو مجموعہ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے پہلے مکتوب میں توحید پر بحث ہے، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں، (۱) زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنا، مگر دل سے اس کا انکار کرنا، یہ منافقت

---

[1] ان میں سے بعض تصانیف کے متعلق ڈاکٹر مطیع الاسلام ریڈر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی نے معلومات فراہم کئے،

ہے، (۲) دل سے لا الٰہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں، ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، انکو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے، (۳) مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا، کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے جس کو "مقام ہمہ از اوست" کہتے ہیں، (۴) مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینۂ حیرت ہے، اس کو نظر نہیں آتا ہے، ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا، اس پر فنایت طاری رہتی ہے، اس کو فنا فی التوحید (یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں، فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مرتبہ ہے، جس کا نام "الفنا عن الفنا" ہے، اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق میں اپنی فنایت کی بھی خبر نہیں ہوتی، اور وہ خدا کے جلال و جمال میں کوئی فرق اور تمیز نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے، عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب سالک اپنے کو اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے، اور اس کو خبر نہیں ہوتی ہے، کہ کون اور کیا غرق ہوا،

بود در گم شود کہ توحید ایں بود   گم شدن گم کن کہ تفریق ایں بود

اس مقام تفرید میں پہنچکر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم ورسم، وجود و عدم عبارت و اشارت، عرش و فرش اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی، اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا، یہاں کے سوا اس کا نشان کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا،

اس جگہ حضرت مخدوم الملکؒ نے بطورِ اشتباہ لکھا ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ میں ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ میں ہو، ہر درجہ میں بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے، اسلئے انا الحق سبحانی ما اعظم شانی (میں خدا ہوں، میں پاک ہوں اور میری شان کس قدر بڑی ہے) وغیرہ کہنا کلماتِ کفر ہیں۔[1]

فنافی التوحید کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنی فنائیت، محویت اور استغراق میں آخر کیا دیکھتا ہے کیا محسوس کرتا ہے کیا لطف اٹھاتا ہے،

وہ دل میں نور دیکھتا ہے، اور ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے، جو اس کو پہلے معلوم نہ تھیں، وہ خدا کی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے، اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے، یہ نور، ادراک، تجلی اور وصل کیا ہے؟

نور سالک کے دل سے صفاتِ بشریت کی سیاہیاں اور تاریکیاں دور ہو کر اسمیں جو صفائی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام نور ہے، صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا، اس درخشانی اور تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا ہے جسکو تحریر میں لانا مشکل ہے، اسی لذت، کیفیت اور ذوق کو خداوند تعالیٰ کی ذات وصفات کا نور کہتے ہیں،

ادراک سالک کا دل اس نور خداوندی سے منور ہو جاتا ہے، تو اس کو کشف یعنی ادراک حاصل ہوتا ہے، پہلے معقولات کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے، جس کو کشف نظری کہتے ہیں، کشف نظری سے گذر کر سالک کو کشف دلی حاصل ہوتا ہے، جس کو کشف شہودی بھی کہتے ہیں، اس میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں، اس کشف کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے، جبکہ وہ تخلیقِ عالم کے اسرار، اور اسکی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے

---

[1] مکتوبات سہ صدی ص ۳۰۸،

کشف الہامی کے بعد کشف روحانی پیدا ہوتا ہے، جب کہ اس کی نظروں سے زمان ومکان کا حجاب اُٹھ جاتا ہے۔ ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ بہشت دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے، ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے، ماضی، حال، اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے، ہوا میں اڑ سکتا ہے، ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے، مگر کرامت کوئی قابلِ اعتماد چیز نہیں، اس کا اظہار جائز نہیں، بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے، کیونکہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے[1]

کشف روحی سے کشف خفی پیدا ہوتا ہے، کشف خفی بصفاتِ خداوندی کا واسطہ ہوتا ہے یعنی صفات خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے، اس لیے اس کو کشفِ صفاتی بھی کہتے ہیں، چنانچہ مکاشفاتِ خفی میں سالک کو سمعی صفت کا کشف ہوگا تو وہ اس پر خدا کا کلام ظاہر ہوگا، اگر بصری صفت کا کشف ہوا، تو اس کو مشاہدۂ حق حاصل ہوگا، اور صفتِ جمال مکشوف ہوئی تو اس کو ذوق مشاہدہ نصیب ہوگا، اگر جلال کی صفت ظاہر ہوئی تو حقیقی فنا ظاہر ہوگی، اور اگر صفت قیومی کا کشف ہوا تو حقیقی بقا نصیب ہوگی الخ الخ[2]

تجلی | جب سالک کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو نورِ تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا ہے، تجلی کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تجلی روحانی (۲) تجلی ربانی ۔۔۔ تجلی روحانی میں صفات بشری زائل تو ہو جاتے ہیں، لیکن بالکل فنا نہیں ہوتے، اس میں شک وشبہ باقی رہتا ہے، جس سے بعض اوقات غرور، پندار، عجب وخودی بڑھ جاتی ہے، مگر تجلی ربانی میں ہستی نیستی سے بدل جاتی ہے، اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے، اپنی

---

[1] خوان پرنعمت ص ۲، [2] کشف کی تفصیلات کیلئے دیکھو مکتوبات سہ صدی ص ۴۰-۳۹،

تجلی سے سالک سرفراز کرتا ہے، مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے، تو وہ حضرت خضر وحضرت الیاسؑ کی طرح حیات جاودانی پاتا ہے، اور اگر کلام کی صفت میں تجلی ہوتی ہے، تو وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح خدا سے متکلم ہوتا ہے، اور اگر اخلاق کی صفت میں تجلی پاتا ہے تو اس میں وہ بات پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰؑ میں تھی،[1]

وصل | حق تعالیٰ سے وصل کے معنی ہیں سے ملنا اور پیوستہ ہونا ہے، مگر یہ ملنا ایسا نہیں ہے جیساکہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے یا جوہر کا جوہر سے یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول سے یا شے کا شے سے ہے، بلکہ اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے انقطاع اور دوری ہوتی ہے، جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی، اسی قدر حق تعالیٰ کا تقرب ہوگا، اور حق تعالیٰ سے جس قدر دوری ہوگی اتنا ہی اس سے انفصال اور بعد ہوگا،[2]

حضرت مخدوم الملک نے ان تمام ذرائع پر بھی بحث کی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلی اور وصل حاصل ہوتا ہے، ہم ان ذرائع کو سہولت کے لئے حسب ذیل طریقے سے پیش کرتے ہیں،

(۱) توبہ (۲) صدق ایمان (۳) معرفت (۴) تقوی (۵) مجاہدہ و ریاضت نفس (۶) ترک دنیا،

توبہ | توبہ کے تین مراتب ہیں، (۱) عوام کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، خدا سے نافرمانی کرتے ہیں، اس لئے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں، (۲) خاص لوگوں کی توبہ اس لے ہوتی ہے، کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر ان کو نعمتیں عطا ہوئیں، اس اعتبار سے ان سے خدمت کا حق ادا نہ ہوسکا (۳) خاص الخاص

---

[1] کشف کی تفصیلات کے لئے دیکھو مکتوبات سہ صدی ص ۳۰۴-۱۳، ۲ ایضاً ۳۴۳-۳۶۶ وغیرہ،

لوگوں کی توبہ اس لئے ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ... خیال کیا تو ہی الذی موجود تو صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے،

انسان کی ہلاکت، گناہ سے زیادہ توبہ اور استغفار کے ترک سے ہوتی ہے[1]،

ایمان | ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے، اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے، اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے، اسی کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے، جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً وہ خدا کے غنا کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے، اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اس کو انس پیدا نہیں ہوتا، وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے، تو وہ اپنے افعال اور احوال سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے، کہ کون و مکان اسی کے حاجتمند ہو جاتے ہیں، خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے، تو پھر اسکو اپنے کسی فعل پر اعتماد نہیں رہتا، اور اگر خدا کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہیں ملتا، (مکتوبات سہ صدی ص ۱۱۲)

معرفت | ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے، اور خدا ہی کی ذات و صفات کو تمام چیزوں پر محیط سمجھتا ہے، یہ درجہ نہ عقل اور نہ صرف علم سے بلکہ خدا کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۱۲۳)

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۲۵، و مکتوب دوم ص ۷،

یہ ہدایت طلبِ حق سے پیدا ہوتی ہے، طلبِ حق میں معرفتِ نفس ضروری ہے، کبر، بخل، حسد اور خشم کو معذب اور مقہور کر کے تمام خواہشوں اور لذتوں سے پاک ہو جانا معرفتِ نفس ہے،

تقویٰ | یہ پاکی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ سے مراد اُن تمام چیزوں سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یہ نقصان دو طرح سے ہو سکتا ہے، حرام چیزوں اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزوں کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے (مکتوبات سہ صدی ص ۲۳۴)

مجاہدۂ نفس و ریاضت | اس میلان اور رغبت کی زیادتی کو کچلنے کے لئے حضرت مخدوم الملک نے مجاہدۂ نفس پر زور دیا ہے مجاہدہ ہو الغراء عن النفس لتسلیطات (ارشاد الطالبین ص ۱۲)

مجاہدۂ نفس میں اولین درجہ گرسنگی کا ہے، شکم تمام گناہوں کا منبع و معدن ہے (مکتوبات صدی و مخ المعانی ص ۲۴۲) شکم کی سیری ہی سے نفسانی شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی لئے گرسنگی آگ ہے اور نفسانی شہوت ایندھن، نفسانی شہوت گرسنگی ہی سے جل کر خاک سیاہ ہو جاتی ہے (مخ المعانی ص ۲۴۲) چنانچہ جس شب کو درویش فاقہ کرتا ہے وہ گویا اس کی شبِ معراج ہے، گرسنگی سے اس کا ذہن تیز اور قلب صاف ہو جاتا ہے، (مکتوبات ص ۲۲۸) اور اسی سے اس کو اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہوتی ہے، جو خدائے عزوجل سے آشنائی کا آغاز ہوتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۳۸-۲۵۰)

ترکِ دنیا | اور جب اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے اس کو اپنے سے علیحدہ کر دیتا ہے، اور جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی اس کی طلب نہیں کرتا، اسی کا نام ترکِ دنیا ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۲۱۳)

ترک دنیا کا انحصار زہد پر ہے، زہد کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس پر بندہ کا مقدور ہے، دوسرے وہ جس پر بندہ کا مقدور نہیں، اوّل الذکر زہد تین چیزوں پر مشتمل ہے (۱) اس چیز کی طلب نہ کرنا جو نہ ہو، (۲) اس چیز کو دور کرنا جو ہو، (۳) باطن میں دنیا کی تمام چیزوں کی خواہش کو ترک کر دیا، موخر الذکر زہد سے دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جاتا ہے جو اوّل الذکر زہد پر پابند ہونے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے، (مکتوبات صدی ص۲۱۳)

ترک دنیا کے سلسلہ میں حضرت مخدوم الملک نے جابجا اور بھی بحث کی ہے، ان کے نزدیک دنیا کی چیزوں کی تین قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو صورت اور معنی میں دنیا کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، یہ معصیت کا سرمایہ ہیں، جو ہرگز خدا کے لئے نہیں ہو سکتی ہیں دوسری وہ جو صورت اور معنی میں خدا کے لئے ہوں، لیکن ان سے دنیا کا کام لیا جاتا ہو، مثلاً فکر و ذکر مخالفت شہوت، فکر کر کے کوئی دنیاوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو، یا ذکر کر کے دنیا کے لوگوں کی نظروں میں پارسا بننا چاہتا ہو، یا مخالفت شہوت سے اپنے کو زاہد دکھانا چاہتا ہو، تو یہ بے حد مذموم ہے، تیسری وہ جو ظاہر میں دنیا کی چیزیں ہوں، لیکن باطن میں خدا کے لئے ہوں مثلاً کوئی اس لئے کھاتا، پیتا اور سوتا ہو کہ خدا کی عبادت کے لئے اس کی جسمانی قوت برقرار رہے، یا کوئی مال اس لئے طلب کرتا ہو کہ وہ خلق سے بے نیاز ہو، تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں رات کی طرح چمکتا نظر آئے گا، (ایضاً ص۲۰۹)

ترک دنیا کے سلسلہ میں ترک خلق اللہ کی بھی بحث آتی ہے، حضرت مخدوم الملک کا خیال ہے کہ طالب حق حتی الوسع دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے، وہ دنیا کے لوگوں میں صرف جمعہ کی نماز یا نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے آئے، اگر اس سے بھی

اس کو حق تعالیٰ کی راہ میں خلل پیدا ہو تو وہ کسی پہاڑ یا جنگل میں چلا جائے، جہاں یہ چیزیں اس کے لئے فرض باقی نہ رہتی ہوں مگر طالبانِ حق میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد و ہدایت، پند و نصیحت اور علمی رموز و نکات کے لئے دنیا کے لوگ محتاج ہو رہے ہوں تو اس کے لئے اس کی عزلت نشینی کارِ ثواب نہیں، (مکتوبات سہ صدی ص ۴۴۵) ایسی حالت میں وہ لوگوں کے درمیان میں رہ کر ان سے الگ رہے، یعنی ان کی مدح و ذم سے بیگانہ رہے، اور اپنی مضرت و منفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے' (معدن المعانی ص ۲۲۲)

سالک کی مشغولیت | ترک دنیا، اور ترک خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی مصروفیتیں کیا ہوں، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک ایک سالک کے اشغال کی ترتیب یہ ہونی چاہئے، وہ نماز پڑھے، اگر نماز سے ملول ہو جائے، تو تلاوت کلام پاک کرے اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے، (ایضاً ص ۱۵۶)

ذکر | ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے، اس کی چار قسمیں ہیں، (۱) زبان پر ہو لیکن دل میں نہ ہو (۲) زبان اور دل دونوں میں ہو، مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو، لیکن زبان پر جاری ہو، (۳) زبان اور دل میں برابر ہو، (۴) دل میں ہو اور زبان خاموش ہو (معدن المعانی ص ۱۴۷)

اصل ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر میں مشغول ہو، دل خدا کی طلب میں ہو، روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو، اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو، تاکہ وہ "کل منظورات" کو سن سکے، اور اس کا ہر بال اور ہر رواں زبان

ہو جائے، اس کے بعد ذاکر فنا فی اللہ ہوتا ہے، اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہیں ہوتا، وہ اپنے کو محض خداوند تعالیٰ کا مرزوق، منظور، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے، اور اپنے حزن ومسرت، مرض وصحت اور تنگی وفراخی کو احکم الحاکمین کی محض مشیت تصور کرتا ہے، اور نہ صرف صابر وشاکر اور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے، اور اس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو، اس طرح وہ غیر اللہ سے منقطع ہوکر مقام الا اللہ کو پہنچ جاتا ہے، اور خدا کے جلال وجمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے، اور اس کی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے، اسی کے بعد اس پر اسرارِ غیبی منکشف ہوتی ہے، (ارشاد الطالبین ص ۵ و راحت القلوب ص ۳)

فکر | فکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی آفرینش، زمین، آسمان، ازل اور ابد کے متعلق غور وخوض ہے، فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں، کیونکہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے، اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور ومحدود نہیں، اس لئے اسکے متعلق سوچنا گویا تعلیل وتشبیہ میں اپنے کو ڈالنا ہے، اس لئے سالک کو صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے ساتھ مکوناتِ غیب کے متعلق فکر کرنا چاہئے، اس فکر میں سالک اپنے تعلقات اور تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، اور وہ اپنے ارادوں اور خواہشوں سے باز آتا ہے، اسی کو "کون" سے باہر آنا بھی کہتے ہیں، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک اس قسم کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے، (مکتوبات ص ۱۰۰، معدن المعانی ص ۲۴۷)

مخ المعانی میں حضرت مخدوم الملکؒ نے فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) ازل میں کیا ہوا (۲) ابد میں کیا ہوگا (۳) اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب

ہوا، (ص ۱۴۹)،

سالک کا ظاہری اخلاق حضرت مخدوم الملکؒ کی مذکورہ بالا تعلیمات کا تعلق تو باطن سے ہے، لیکن انھوں نے سالک کو ظاہر کی بھی تعلیم دی ہے، جو حسب ذیل ہے۔

سالک کا جسم، لباس، اور لقمہ طاہر اور حلال ہو تاکہ اس کا دل بھی اوصاف ذمیمہ پاک ہو، (مکتوبات سہ صدی ص ۸۰) معدن المعانی میں سالک کی طہارت کی چار قسمیں قرار دی ہیں،

(۱) طہارت جسم یعنی بدن اور کپڑے پاک ہوں، (۲) طہارت حواس زبان سے جھوٹ بات نہ نکلے، نظر محرمات پر نہ پڑے، کان ایسی آواز نہ سے جس کو نہ سننا چاہئے (۳) طہارت دماغ از تخیلات، خدا کے سوا کسی اور کا تخیل نہ ہو (۴) طہارت دل دل مذمومات اور محمودات سے پاک ہو مذمومات کی پاکی بخل، ریا، حسد، رشک وغیرہ سے آزادی حاصل کرنا ہے، اور محمودات کی پاکی سے مراد ہے کہ سالک کو اپنی عبادت زہد وغیرہ کا خیال نہ ہونے پائے، (معدن المعانی ص ۴۹) چنانچہ سالکؒ اپنی نیت میں پاک ہونا چاہئے، جب اس کی نیت دنیا کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے تو وہ زاہد کہلاتا ہے، اور جب آخرت کے شوائب سے پاک ہو جاتی ہے، تو وہ عارف کہلاتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۴۰)

سالک کو ہر حال میں سعید ہونا چاہئے، کیونکہ سعادت طاعت کی کلید اور شقاوت معصیت ہے، اخلاق حمیدہ میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہو، مثلاً بدخو نہ ہو، بلکہ ہمیشہ تازہ رو اور کم سخن ہو، سلام کہنے میں سبقت کرتا ہو، سخی ہو، غیبت، جھوٹ، فحش کلمہ زبان پر نہ لاتا ہو، دنارت، حقارت، اور طمعت اپنے کو آلودہ نہ کرتا ہو، اپنے ہر فعل

قول اور حال میں خدا کی جانب نگاہ رکھتا ہو، مسلمانوں کے عیب پر پردہ ڈالتا ہو، کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرتا ہو، اگر اس کے پاس کچھ ہو تو وہ دیدیتا ہو، اور کچھ نہ ہو تو دینے کا وعدہ کرتا ہو، کسی حال میں اس کو غصہ نہ آتا ہو (ایضاً ص ۶۲،۲۶) وہ کم بولتا ہو تاکہ دل میں مشغول رہے، اور کم کھاتا ہو تاکہ فکر جاری رکھے، (ایضاً ص ۱۶۵) وہ متواضع ہو، کیونکہ خدا کے بندوں سے تکبر گویا خدا سے منازعت ہے، (معدن المعانی ص ۳۶۲) حالت انبساط و قرب میں نازیبا کلمات و شطحیات منہ سے نہ نکالتا ہو، کیونکہ خدا کی شان میں یہ سراسر گستاخی ہے، (معدن المعانی ص ۲۸۸) نہ کسی حال میں پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرتا ہو (معدن المعانی ص ۱۹۰)

سالک کو پیر کی تعظیم و تکریم ضروری ہے، خدا تک پہنچنے کی علت مشیت حق ہے، پیر اس کا سبب ہے، گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہیں پہنچ سکتا، لیکن پھر بھی سالک کے لئے پیر کا احترام ضروری ہے، اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا چاہئے، (معدن المعانی ص ۱۵۶)

مگر حضرت مخدوم الملک نے تصوف میں دو چیزیں لازمی قرار دی ہیں، ایک علم دوسری شریعت کا اتباع،

علم کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ میں قدم نہیں رکھنا چاہئے، کیونکہ علم کے بغیر یا تو وہ کافر یا مجنون ہو جاتا ہے بعض اولیا رجاہل گذرے ہیں، مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا جس کی مثالیں بہت کم ہیں، (خوان پر نعمت ص ۶-۷)

شریعت کی پابندی اسی طرح شریعت کے بغیر راہ سلوک میں قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے، شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ ایک

سالک کو شریعت سے واقفیت نہیں تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہیں حاصل کرسکتا

اس سلسلہ میں شریعت، طریقت اور حقیقت کو واضح طور سے بتایا ہے، شریعت توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جہاد اور اوامر و نواہی کا نام ہے، اور اوامر و نواہی کی تحقیق و تفحص اور ان کی روشنی میں ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کو طریقت کہتے ہیں، شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے، مثلاً نماز قبلہ رُخ ہو کر پڑھنا شریعت ہے، لیکن نماز میں خدا سے دل لگانا طریقت ہے، نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے، لیکن دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے، مباحات کا اختیار کرنا شریعت ہے، لیکن ان کی تخفیف کر دینا طریقت ہے، راہ شریعت میں مباحات کے اختیار کرنے سے راحت اور آسائش میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، طریقت اسی راحت کی تخفیف اور آسائش کی ممانعت کا نام ہے، لیکن شریعت کے بغیر راہ طریقت پر چلنا، کوٹھے پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنا ہے،

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے، علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے:۔ (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم (۲) خداوند تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم (۳) اس کے فعل اور حکمت کا علم،

یہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے، بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن حضرت مخدوم الملک نے ایسے اعتقاد اور مذہب پر لعنت بھیجی ہے، اور کتاب و سنت اور اجماع امت کی تقلید کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے (مکتوبات صدی ص ۶۴-۷۲-۷۳، ۱۵۰، الخ و معدن المعانی ص ۴۷ جلد ۱)

خلفار | خلفار کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ بتائی جاتی ہے، جن میں سے بہت نمایاں یہ ہیں،
حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت مولانا حسین نوشہ توحید، حضرت مخدوم شعیب، حضرت بہرام بہاری، حضرت مولانا ابراہیم، حضرت مولانا آمول، حضرت مولانا نصیر الدین سمنانی اودھی، حضرت مولانا شمس الدین مشہدی، حضرت مخدوم راستی پھلواروی، حضرت مولانا قاضی شمس الدین، حضرت مولانا قاضی صدر الدین، حضرت قاضی اشرف الدین، حضرت سید علیم الدین گیسو دراز، دانشمند نیناپوری، حضرت شیخ شمس الدین محمود بدایونی، حضرت سید العارفین سید علی ہمدانی،

حضرت سید جلال الدین بخاری

مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ

اسم گرامی و لقب اسم گرامی سید جلال الدین تھا، لیکن عام طور پر مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے لقب سے مشہور ہیں، اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے، کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدینؒ اور حضرت شیخ رکن الدینؒ کے مزاروں پر جاکر مراقبہ کیا، اور مراقبہ میں عیدی طلب کی، تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں مخدوم جہانیاںؒ کا لقب ملا، اور جب وہ دہلی سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں آتے ہیں"[1]

چونکہ سیاحت بہت کی، اس لئے "جہاں گشت" بھی کہلائے، ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے :-

"سیاحت بسیار کردہ و از بسیار از اولیاء رحمت و برکت یافتہ" (ص ۱۳۳)

مرأۃ الاسرار میں ہے :-

"و اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ را دیدہ سلسلہ و چہل یک کردہ و ادیانت"

خاندان حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا تذکرہ نگ

---

[1] سیر العارفین ص ۱۵۶-۱۵۷،

کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں[۱]، وہ بخارا سے بھکر آئے[۲]، اور بھکر سے ملتان آکر حضرت بہاء الدین زکریا سے بیعت کی، اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی پایا[۳]، ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء میں ہے، :-

"از بزرگان صحو است جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بود" (ص ۱۲۱)

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدر الدین کی لڑکی سے عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دی تھی، اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہو گئے، اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی[۴]، اور یہی ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے،

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاریؒ کے تین فرزند تھے، ان ہی میں حضرت سید احمد کبیر تھے، جو حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے والد بزرگوار تھے، تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے[۵]، مخدوم سید جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبداللہ الحسین بن احمد کبیر الدین بن سید جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد[۶] بن محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر[۷] بن عبداللہ[۸] جعفر بن امام علی نقی علیہ السلام[۹]۔

---

۱ اخبار الاخیار ص ۵۵ و حدیقۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۰۰ ۲ سیر العارفین ص ۱۵۵ میں ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے ۳ سیر العارفین ص ۱۵۵ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳ ۴ اخبار الاخیار ص ۵۵ ۵ یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرۃ السادات کے حوالہ سے درج ہے، ۶ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳ میں ہی جعفر بن محمد بن احمد بن محمود ۷ الدر المنظوم کے دیباچہ میں علی الاشعر ہے، جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے ۸ الدر المنظوم کے دیباچہ میں ابو عبداللہ جعفر الکذاب ہے لیکن فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر بن امام علی الہادی ہے،

حضرت سید احمد کبیر، حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے[1]

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرمایا:۔

"والد مخدوم کسی وقت خود سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے، اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے ایک دن میں، ایک رات میں، نہایت زندگ آدمی تھے"[2]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینۂ مبارک سے نعرے نکلتے تھے"[3]

ایک اور موقع پر ہے:۔

"جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے اور زار زار روتے تھے"[4]

حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے[5]

ولادت و طفلی | حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچہ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچہ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں رو کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ

---

[1] الدر المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۵۰۶ [2] ایضاً ص ۲۳۸ [3] ایضاً ص ۶۴۵ [4] ایضاً ص ۵۵۰ [5] تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۶

جمال خنداں رو کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انھوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں، حضرت سید جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھ کر دریافت کیا، میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں، جواب دیا، آپ کے دستِ مبارک سے جو کھجوریں ملیں ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سن کر حضرت شیخ جمال خنداں رو نے فرمایا تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کا نام روشن کروگے[1]

تعلیم | ابتدائی تعلیم اچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی (ج ۱ ص ۳۹۰) میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اچہ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں، ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلے منسلک تھا، اس لئے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے، اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں، جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے ان کو اپنی کشتی پر سوار کر کے اچہ واپس بھیجدیا[2]

اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرأتیں سیکھیں[3]، تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز

---

[1] لطائف اشرفی ص ۲۹۲، سیر العارفین ص ۱۷۵، [2] الدر المنظوم ص ۵۰۶-۵۰۵، [3] ایضاً ص ۴۰۲، الدر المنظوم (۵۰۶) میں ہے کہ ایک محدث و فقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں،

تک جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ مکہ عبد اللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں[۱]، دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لئے، شیخ مدینہ عبد اللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے، اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبویؐ اور عوارف ان سے پڑھتے رہے[۲]، وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں، کہ شیخ عبد اللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا میں ان سے ایک روز عرض کیا، اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، آپ میرے مخدوم اور استاد ہیں، لیکن انھوں نے فرمایا تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمھارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہو،

حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت اور محبت کا ذکر بار با فرماتے ہیں، رمضان شریف میں مسجد نبویؐ میں اعتکاف کرتے تو شیخ مدینہ افطار کے وقت ان کے لئے دو قرص لاتے، اور جب وہ مسجد نبویؐ کے احترام کی خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے، اے فرزند رسول اللہ! تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاؤگے تو کمزور ہو جاؤ گے، انکے پاس واپس کیونکر جا سکو گے، زیادہ کھانے سے تمھارا دین کمزور نہ ہو جائیگا بلکہ قوی ہو گا،

شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کی بنا پر مسجد نبویؐ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت حاصل کی[۳]،

---

[۱] الدر المنظوم ص ۶-۲۷۵ [۲] ایضاً ص ۲۷۸ [۳] الدر المنظوم ص ۴۰۲ - ۴۰۳،

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبد اللہ مطری سے عوارف کا درس اس خاص نسخہ سے لیا، جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ عبد اللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ کہ عبد اللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ اس کو حضرت جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ شیخ کہ نے ایک حاجی کے ذریعہ اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیجدیا، جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے[۱]

عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شوما رہ (عراق) میں جاکر پڑھا، یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے، جب حضرت سید جلال الدین ان کی خدمت میں پہنچے، تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی،[۲]

حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے مرتب سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے، کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے[۳]، دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ

"جامع است میان علم و ولایت (اخبار الاخیار ص ۱۴۲)

"سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہٗ از محتشان روزگار و عارفان صاحب اسرار بود و در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا و نظیرے نداشت (مرآۃ الاسرار قلمی)

علوم و فنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد و ہدایت کے زمانہ میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک[۴]، کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک[۵]) کبھی احادیث نبوی (مثلاً صحاح ستہ

۱؎ الدر المنظوم (قلمی) ص ۴۸، ۲؎ ایضاً ص ۷۲، ۳؎ ایضاً ص ۱۲-۱۳، ۴؎ ایضاً ص ۴۴، ۷۵-۷۶، ۵؎ ایضاً ص ۷۶

مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح) فقہ میں کبھی ہدایہ[1]، کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ وغیرہ، کبھی قصیدہ لامیہ[2]، کبھی مختلف[3] اوراد اور کبھی شرح بود و نو اسمار کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے؛

بیعت و خلافت شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاء الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہاں آکر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤں رکھ کر آسانی سے اتر جائیں، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی منہ میں دبا کر اپنے مشفق مرید سے فرمایا: نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہے لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمہارا تصرف حد بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہہ کر حضرت جلال الدین کو دست مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگا لیا[4]؛

لطائف اشرفی (ج ا ص ۳۹۱) میں ہے:۔

”حضرت شیخ اشرف الدین مشہدی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیاں خلافت و اجازت از صد و چہل و چند اولیا ر[5] شیخ و مشائخ اہل ارشاد خرقہ معنعن و سلسلہ با حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت و تصوف از ایشاں گرفتہ اند“[6]

---

[1] الدر المنظوم ص ۴۲-۲۶۱ [2] ایضاً ص ۶۹۳-۶۷۸، ۵۹۵ [3] ایضاً ص ۴۳۸، ۴۱۲-۴۰۲ [4] ایضاً ص ۵۰۶، ۲۶۲

[5] ایضاً ص ۴۰۰ [6] سیر العارفین ص ۱۵۸

مراۃ الاسرار میں سید جلال بخاری کے ذکر میں ہے کہ

" اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ چہل دیک کردہ را دریافت و ہم در کتاب مذکور شیخ را جو قتال نقل می کند کہ او از سی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد و نعمت یافتہ و خرقۂ اجازت از دست ایشاں پوشیدہ بود "[1]

مذکورۂ بالا تذکرہ میں یہ بھی ہے کہ

" مخدوم جہانیاں اوّل بخدمت شیخ رکن الدّین ابوالفتح بن شیخ صدر الدّین بن شیخ بہاء الدّین زکریا قدس اللہ تعالیٰ اروا حہم تربیت یافت و از دست وے خرقۂ پیران سہروردیہ پوشید "

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدّین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا[2] لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدّین رحمہ اللہ نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا، اور قطب عالم" کے لقب سے یاد فرمایا[3] جن بزرگوں اور مشائخ نے ان کو خلافت کے خرقے پہنائے، ان کی تعداد بیس تبائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

(۱) والد بزرگوار سید احمد کبیر (۲) والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدّین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا (۳) حضرت شیخ رکن الدّین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدّین اولیا (خواب میں)، (۵) حضرت شیخ قوام الدّین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدّین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ قطب الدّین منوّر (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیر الدّین چراغ دہلی (۸) شیخ عبداللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبداللہ مطری، (۱۰) حضرت شیخ قطب مدن فقیہ بصال، (۱۱)

---

[1] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین ص ۴۸۳ [2] اخبار الاخیار ص ۱۳۴ [3] الدر المنظوم ص ۲۵۷

شیخ مرشد ابو اسحٰق گازرونی (۱۲) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۳) حضرت سید بهدہ حمید حسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۵) سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۶) حضرت شیخ نجم الدین اصفہانی (۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت اوحد الدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نور الدین[1]،

شریعت کی پابندی | لیکن تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی شروع سے آخر تک پابندیٔ شریعت اور اتباع سنت میں گزری، راہ سلوک کی خواہ کسی منزل میں رہے، لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت شریعت ہے، اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑیگا، ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا[2]، ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے، وہ طریقت و حقیقت کو نہیں جان سکتا ہے، شریعت بمنزلہ میوے کے ہے، اور طریقت و حقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں[3]، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے، لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہو[4]۔

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام و خواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جا کر بیٹھے تو اس نے کہا اے سید! ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سنکر

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۶-۲۷ [2] ایضاً ص ۴۱۳ [3] ایضاً ص ۴۱۳ [4] ایضاً ص ۱۹،۱۴۱،

غضبناک ہوئے، اور فرمایا اے بدبخت، تو کافر ہو گیا، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ، اور اسی وقت اٹھ کر شہر کے قاضی کے پاس آئے کہ اس بدبخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو تو معاف کر دو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہو چلا تھا اس لئے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس وپیش کیا حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو پھر بادشاہ سے جا کر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا[1]،

تارکِ صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے بھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انھوں نے کہا کہ قصبہ الور کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے نماز معاف کر دی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امراء، اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گذر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جا کر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے، درویش نے جواب دیا، سیدا میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدائے تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمھارے لئے نماز معاف کر دی گئی، اور تم مقرب خاص ہو گئے، میں (یعنی سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی تجھ جیسے جاہل کے لئے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں جبرئیل

---

[1] الدر المنظوم ص ۴۰۵ - ۴۰۳ [2] ایضاً ص ۲۱۷ - ۲۴۶ - ۲۴۷

ہوں، جبریل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تمھارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے، درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے اس میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا، تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ میں نے تمھاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا، وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا، اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے، اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی اور اس کی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں ان کی قضا پڑھوائی،[1]

اپنے مریدوں کو نماز با جماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشاد نبویؐ کی بنا پر ملعون[2] اور بدعتی کہتے، اپنی ایک مجلس میں اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے اور نماز کے لئے نہ جائے تو اس کی قبر میں کیڑے نہ مریں گے، اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب میں رہے گا،[3]

سفر و سیاحت میں تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہیں سے ابدال آ جاتے، اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا،[4]

اتباع سنت | اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک سالک کو چاہئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی قربت حاصل ہو گی، اہل بدعت، بدعت کو قربت جانتے ہیں، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہیں، ڈاڑھی ترشواتے ہیں،

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۱۷-۲۴۶-۲۴۷ [2] ایضاً ص ۱۲۱-۱۲۹ [3] ایضاً ۱۲۸ [4] ایضاً ص ۱۰۰

جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہیں، لیکن اس طرح قربت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ بعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ، اے فاتبعونی بالافعال والاقوال والاحوال، یعنی اے محمدؐ، تم لوگوں سے کہدو کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعوا کرتے ہو، تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا[1]،

حضرت مخدوم جہانیاں خود بھی ہر حال میں اتباع سنت کا خیال رکھتے، اسی لئے احادیث نبویؐ سے غیر معمولی شغف تھا، ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ میں "احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے، جس میں مختلف حدیثوں کی تشریح و توضیح ہے، اپنی مجلسوں میں احادیث نبوی کا ذکر بار بار فرماتے، اور ان ہی کے مطابق اپنے مریدوں کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابوں مثلاً صحاح ستہ، مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے، اپنی روزمرہ زندگی کے تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے، پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازوں میں اتنی ہی رکعتیں پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھیں[2]، زیادہ تر انہی اوراد و وظائف کی مداومت کرتے، جن کا ذکر حدیثوں میں ہے[3]، اپنی عبادت میں ساری رات نہ جاگتے، بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت میں تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تو یہ ہے کہ اما اصلی و انام

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۲۸ [2] مثال کے لئے دیکھو الدر المنظوم ص ۳۴۸ - ۳۶۸ - ۳۵۹ - ۳۶۲ - ۴۸۰ [3] ایضاً ص ۵۶ - ۲۶۵ - ۳۷۵،

یعنی میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں[1]، کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے، اور فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے اور بخل کرتا ہے[2]، آگ کی پکی ہوئی چیزوں کو کھا کر منھ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے[3]، کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام ادا نہیں کرتا، اور سو رہتا ہے، اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے[4]، پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور فرماتے یہی حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[5]، رمضان شریف میں سحری کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت موکدہ ہے، نے کے خیال سے پرہیز کرتے، اور اس کو مکروہ بتاتے، اس لئے کہ یہ سنت نہیں ہے[6]، ریشمی اور باریک کپڑوں کو نامشروع سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت میں چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے، ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ نہ پہنوں گا، پھر یہ حدیث پڑھی، کہ ریشم اور سونا رسول اللہ کی امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے واسطے حلال کیا گیا[7]، اسی طرح باریک کپڑوں کے متعلق فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا دین باریک ہوا[8]، پیروی سنت میں گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے[9]، ایک بار ایک مرید نے جوتیوں کا ایک جوڑا خدمت میں پیش کیا، اس کو قبول کر کے فرمایا نعلین پہننا سنت ہے، میں نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور ان کو اپنی آنکھوں پر رکھا تھا[10]، جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت

---

[1] درر المنظوم ص ۳۱۱ [2] ایضاً ص ۵۰۵ [3] ایضاً ص ۲۴۲ [4] ایضاً ص ۵۰۵ [5] ایضاً ص ۲۰۹ [6] ایضاً ص ۲۹۳ [7] ایضاً ص ۲۰۴ [8] ایضاً ص ۳۷۶ [9] ایضاً ص ۲۵۹ [10] ایضاً ص ۲۴۸

ہیں اس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے صحاح میں ہے کہ جو شخص تمھارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعائے خیر کرو، یہاں تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[1]، اتباع سنت میں اپنے حسن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے[2]، اسی طرح اور جزوی باتوں میں بھی اتباع سنت کا لحاظ رکھتے، چنانچہ مرآۃ الاسرار میں حضرت مخدوم جہانیاں کے ذکر میں ہے:

"در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم می رفت"

کرامات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم جہانیاں سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ متاخرین صوفیہ میں سے کسی سے نہیں ہوئیں، اسی لئے وہ "مظہر العجائب" اور "مصدر الغرائب" کہے جاتے تھے[3]، لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں ان کرامتوں کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہیں سمجھتے تھے، فرماتے ایک ولی کے لئے ممکن ہے کہ وہ ہوا میں اڑے، یا پانی پر چلے، اس کے لئے زمین اور آسمان کی طنابیں کھینچ جائیں، لیکن وہ اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار میں اپنے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو نہ ہو[4]۔

سیاحت حضرت مخدوم جہانیاں کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ میں نہیں ملتی، لطائف اشرفی میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہیں کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش میں سیاحت کی ہے، لیکن مخدوم

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۰۴ [2] ایضاً ص ۷۴ [3] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰،
[4] الدر المنظوم ص ۵۴۵،

جہانیاں کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انھوں نے ربع مسکون کی سیاحت کی، اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انھوں نے فوائد حاصل نہ کیے ہوں[1]، اخبار الاخیار میں اور بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور اس میں صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری نے سیاحت بہت کی، اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی[2]

خزینۃ الاصفیاء میں ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہاں دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی، اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے[3]،

حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتا ہے،

فرماتے ہیں، سلطان محمد تغلق نے مجھکو شیخ الاسلام مقرر کیا، اور میرے تصرف میں خانقاہیں دیں، میرے مرشد شیخ رکن الدین خواب میں نظر آئے، اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہو جائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا سید جلد روانہ ہو جاؤ، شیخ نے اشارہ کیا ہے، میں مخدوم دام اللہ برکاتہ سے اجازت لیے روانہ ہو گیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات پہنچائیں، ایک شخص حج کو جا رہا تھا، مگر اس کے گھر والوں نے اس کو لوٹا لیا، اس نے زاد راہ مجھ کو دیدیا، ایک گھوڑا بھی نظر کیا، لیکن میں نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دیدیا، وہ مدقوق تھے، میں پا پیادہ حج کو روانہ ہوا، اور حج

---

[1] لطائف اشرفی ج ا ص ۳۰۰ [2] اخبار الاخیار ص ۱۳۲، [3] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۵۸

[4] ایضاً ص ۵۰ میں ہے "در عہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی و سند خانقاہ محمدی در سیوستان با مضافات بوے مخصوص گشت۔

سے پہلے پہنچ گیا، اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے مشرف ہوا[1]،

ایک موقع پر فرماتے ہیں، میں سات سال مکہ معظمہ میں مجاور رہا، وہاں ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ میں سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے، میں تو وہاں سے چلا آیا معلوم نہیں کتنے دنوں تک اور انھوں نے اس تفسیر کو جاری رکھا[2]،

مکہ کے قیام میں شیخ مکہ عبد اللہ یافعی[3] سے علوم ظاہری و باطنی دونوں حاصل کئے، اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات میں ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی دو سال تک رہے، اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کئے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں تھا تو ایک رات مسجد نبوی کے امام نہ آسکے، تو شیخ عبد اللہ مطری نے مجھ کو امامت کا حکم دیا اور فرمایا کہ اے سید تم امامت کرو، تاکہ یہ شرفا تمھاری اقتدا کرلیں، ورنہ یہ کسی اور کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے، میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہو گئی، اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفا میری اقتدا میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے، تو وہ نماز نہ پڑھتے یا دوسری جگہ جا کر ادا کرتے، یا جب میں نماز پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں، کہ تم شریف ہو، اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں[4]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۵۵-۲۴۶ [2] ایضاً ص ۵۰۷-۵۰۸ [3] حضرت سعد یافعی کے صاحبزادے تھے، وطن یمن تھا، لیکن تمام عمر حرمین شریفین میں رہے، مذہب شافعی رکھتے تھے، تاریخ یافعی اور روضۃ الریاحین کے مصنف ہیں، اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے ہیں، [4] الدر المنظوم ص ۱۶۴،

فرماتے ہیں مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لئے عدن گیا، وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں نے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ کو خرقہ پہنایا، اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا[1]

فرماتے ہیں شیخ کمہ عبداللہ یافعی، شیخ عبداللہ مطری اور دوسرے مشایخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شوکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید رہتے ہیں، ان سے جاکر ملو، میں ان سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا، تو وہ ایک سوتیس سال کے تھے، لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لیکر نماز کو جاتے تھے، میں نے ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا، اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے خرقہ عطا کیا، اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی[2]

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں، میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی گازرون میں ملا، ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھ کو دیں[3]

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں، جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے، اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں، وہ مجھ سے ملنے آیا، اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور

---

[1] الدرر المنظوم ص ۲۰۰-۲۰۰ [2] ایضاً ص ۵۵۲-۵۴۸ [3] ایضاً ص ۵۹۹-۶۷۹

چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمہارا بھی حق ہے، اس کو قبول کرو، میں نے معذرت کی، لیکن اس کا اصرار ہوا، تو میں نے ان سکوں کو قبول کر لیا، میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی، تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا تم سے جو باتیں سنیں، وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں عجیب و غریب ہیں، میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہا اور مشائخ سے سنا ہے، میرے خدمت گذار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیئے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے، لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آگئے، اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں، چار سو ٹنکے تو اس کو دیئے، اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعی مجھ کو برابر فتوح پہنچتی رہی[1]

ایک جگہ فرماتے ہیں، جس زمانہ میں سفر میں تھا، یمن میں ایک پہاڑ پر پہنچا، تین روز میں اوپر گیا، اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا، اور جب تمام لوگ چلے گئے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا، اور پوچھا یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں، اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں، اور جو لوگ آتے ہیں، وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں، تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے، تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے، اس کو میں نے

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۵۱-۱۴۴،

قید کر لیا ہے، تاکہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہو جائے گا، تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا اس نے اپنے نفس کو برا کہا، اور یہ نہیں کہا کہ لوگ بُرے ہیں، اس لئے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں [۱]،

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں میں نے پوچھا تم کہاں گئے تھے، اس نے جواب دیا عالم ملکوت میں تھا، میں نے دریافت کیا، تمھاری آنکھیں پُر آب کیوں ہیں، بولا میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے، میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں [۲]،

فرماتے ہیں، جب میں دمشق پہنچا، تو ایک بڑے درویش سے ملا، انھوں نے مجھکو پاس بلایا، اور فرمایا، ایک روز میں اصفہان میں تھا، وہاں ایک بزرگ تھے جو بڑے صاحبِ کشف و کرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینوں کی زیارت کی تھی، اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے، خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انھوں نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہوں، امیروں اور دولت مندوں کی صحبت سے پرہیز کرنا تاکہ آخرت میں نجات ہو [۳]،

اسی کے بعد فرماتے ہیں، غزنی میں تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، میں نے اس میں لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیروں اور دولتمندوں کی صحبت میں رہتا ہے، اس کو قیامت کے روز دوزخ میں جگہ ملے گی [۴]،

---

[۱] الدر المنظوم ص ۲۲۲-۳۰، [۲] ایضاً ص ۲۹۱-۲۹۲ [۳] شرح الہدایہ قلمی نسخہ کتبخانہ ریاست رامپور [۴] ایضاً،

فرماتے ہیں، میں شارستان (؟) میں تھا تو ایک چرواہا آیا، اور اس نے مجھ سے کہا اے سید جلال مجھ کو بیعت کیجئے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں سب کچھ رکھتا ہوں، لیکن کسی سے بیعت نہیں ہے، میں نے اس کی بیعت لی، لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اس نے ابدال کی جماعت میں شرکت کر لی، لیکن جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام میں معتکف ہے، اس کو دین کے کاموں میں ہوشیار پایا۔[1]

مراجعت ہند | تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سید جلال الدینؒ سے خانہ کعبہ میں فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہیں، تاہم انکی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں، اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے حضرت سید جلال الدینؒ کو دیکھ کر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعیؒ کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا، حضرت سید جلال الدینؒ نے عرض کیا، شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو، کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ نے خوش ہو کر ان کو خرقہ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا، اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمودؒ "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔[2]

رشد و ہدایت | ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن جہاں بھی ہوتے رشد و ہدایت

---

[1] سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور [2] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۹۷ اور خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۹ – ۶۰

کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک، احادیث نبویؐ اور فقہ پر تقریریں کرتے اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصۃً شریعت کے مطابق دیتے، ان کے ملفوظات کا مجموعہ جامع العلوم، جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۂ ملفوظ المخدوم ہے ایک عالم اور ایک سالک دونوں کے لئے مفید اور پُر از معلومات ہے، اور آج بھی خاص ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث نبویؐ کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیا کے قصے، اور اوراد و وظائف کی تفصیلات کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے،

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ روحانی و باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے اور تہجد کے وقت حجرے میں آکر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا، کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا، اور اس نے مجھ سے کہا تو دعا پڑھو کہ اے رب تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھ کو علم دے تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا، خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدینؒ سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے، جواب دیا تم عنقریب دینی علوم حاصل کروگے[1]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۷۰ ۵،

ایک بار عراق کے سادات آئے، اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدمبوسی کا اشتیاق تھا، یہ سنکر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا، اور یہ حدیث شریف پڑھی، کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے، تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کر کے فرمایا تم کو ذوق معنوی وصوری دونوں حاصل ہوگئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو، وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے ان کی مغفرت کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے[1]،

ایک بار حدود بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کیساتھ ملتان آئے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ جہاں گشت بہت خوش ہو کر ان سے بغل گیر ہوئے اور پوچھا کس غرض سے آئے ہو، عرض کیا کہ قدمبوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لئے، فرمایا مبارک ہو، لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاء الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا، لیکن جہاں تمھیں انشراح حاصل ہو وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے کہا میں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۰ - ۶۲۱؛

جہانیاں نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ یں تو روزہ سے ہوں[1]،

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو، عرض کیا، سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے اور انھوں نے مجھے خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو، اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی، اور خرقہ پہنایا[2]،

دربار شاہی سے تعلقات پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں، لیکن وہ ان کو چھوڑ کر حج کے لئے تشریف لے گئے، خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو معذور ہو جاتا، اور زنجیر میں پڑا رہتا[3]،

حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے، تو سلطان فیروز شاہ کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہو گئی، چنانچہ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے:-

"حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچہ سے سلطان کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بیحد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے جب حضرت سید جلال الدین اوچہ سے تشریف لاتے، اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ

---

[1] الدر المنظوم ص ۵۰۵، [2] ایضاً ص ۵۰۹-۵۱۰ [3] ایضاً ص ۲۲۵،

منزل تک استقبال کے لئے جاتا، اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی بادشاہ حضرت سید کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفاخانے میں، کبھی شہزادہ فتح خاں مرحوم کے خطیرے میں قیام فرماتے، جب سید السادات اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے، اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں پہنچ کر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تخت گاہ پر کھڑا ہو جاتا، اور سید تواضع کے ساتھ پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جاکر بیٹھتے، جب حضرت سید واپس ہوتے، اُس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لئے کھڑا ہو جاتا، ور جبتک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا، جو سلطان حضرت سید کے لئے بجالاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید کی قیامگاہ پر ملاقات کے لئے جاتا، اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی، اوچ اور دہلی کے باشندے، اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سید کی خدمت میں پیش کرتے، اور اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلمبند کرلیں، اور جب سلطان ملاقات کے لئے آتا تو وہ ضرورت مندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجت مند کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرماکر حضرت سید اوچ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک انکو پہنچانے کیلئے جاتا۔ (ص ۱۶-۵۱۴)

۷۶۴ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بابنھ کے خلاف ٹھٹھہ پر حملہ آور ہوا، تو

حضرت مخدوم جہانیاں ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرہ سے ٹھٹھ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدومؒ اچہ سے ٹھٹھ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:۔

"حضرت سید جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل و جان سے قدمبوسی کی کوشش کی، حضرت سید نے ان سے فرمایا، بابا، اطمینان رکھو، انشاء اللہ چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سید جلال الدین نے فرمایا، ایک پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی، اسکی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھ جلد فتح ہو جائیگا، اہل ٹھٹھ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کئے اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا، حضرت سید نے بھی اہل ٹھٹھ سلطان سے کہہ کر ان کو مطمئن کیا، اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھ کو ان کے مطالبات سے زیادہ عطا فرمایا، (ص ۲۴۲-۲۴۱)

ایک بار ۷۵۳ھ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا، اس وقت سلطان فیروز شاہ سومانہ کی مہم میں دار السلطنت سے باہر تھا، اس لئے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو سلطان کی ملاقات کے لئے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا،

اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے، مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی، کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی، کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی، اور کبھی صوفیانہ غوامض و دقائق بیان کئے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیاں کے ایک مرید سید علاء الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم کے صفحہ ۵۵۰ پر مشتمل ہے،

سلطان کی عدم موجودگی میں وزرا اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے، سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہاں قدمبوسی کے لئے آیا، تو اثنائے گفتگو میں اس کو نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے[1]، خانجہاں دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چونتیس جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی والدہ کے لئے رکھ چھوڑوں گا، خانجہاں نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو جب اطمینان ہو گیا تو کپڑے قبول کر لئے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجا لانا واجب ہے[2]،

دہلی ہی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ایک بھائی سید صدر الدینؒ سلطان فیروز شاہ سے جا کر شاہی لشکر میں ملے، وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی[3]،

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان

---

[1] الدر المنظوم ص ۳۴۲ [2] ایضاً ص ۳۴۱ [3] ایضاً ص ۵۰۳،

کو لکھ دیں کہ مجھ کو زادِ راہ عنایت کرے، یہ سن کر منشیوں سے فرمایا، سلطان کو لکھ دو، لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لیکر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا[1]۔

اسی قیام کی مدت میں عید اضحیٰ بھی آگئی، حضرت مخدوم جہانیاں نے عید اضحیٰ کا دن جس طرح گذارا، اس کی تفصیل ناظرین کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی،

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی، ننانوے ۹۹ اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلیٰ سے اٹھے، غسل فرمایا، اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہو کر عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے تکبیر کہتے جاتے، اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عیدگاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اُس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا، بقرعید کی نماز جلد ہونی چاہئے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہو کر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلاکر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کردو کہ سلام پھیرتے ہی جاکر قربانی کرے، تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لئے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان فیروز شاہ کا وزیر خانجہاں آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمھاری قبا مشروع ہے، جواب دیا، مشروع ہے، پھر پوچھا، موزے بند سوتی ہے یا ریشمی،

---

[1] الدر المنظوم ص ۳۵۵۔

جواب دیا سوتی، پھر فرمایا، تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر آگے ڈال دینا، ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، تم اپنے بال کو کھول دو تاکہ وہ بھی تمہارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ میں فرمایا، بعض نادان ریشم کے کپڑے پہن کر نماز پڑھتے ہیں، ایسی نماز اس کے منھ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان میں سلطان فیروز شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہاں نے قدمبوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہاں مدعو کیا، نماز شروع ہوئی تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیر دں میں سہو ہو گیا، نماز کے بعد علمار نے سہو کے بارے میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے رجوع کیا، فرمایا عیدین کی تکبیریں واجب ہیں، مناسب تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے، لیکن مجمع کثیر ہے اعادہ میں لوگوں کو زحمت ہو گی، اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز پڑھی، اور اپنے ہمراہیوں سے بھی پڑھوائی ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لئے لوگوں کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا، اور کوئی پالکی اٹھانے والوں کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگوں کو منتشر کیا، کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے، صدر جہاں بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے، اور جب ان کے گھر پر پہنچے تو وہاں ائمہ، علمار، قضاۃ، صدور، اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنھوں نے اٹھ کر تعظیم کی، اثنائے گفتگو میں حضرت مخدومؒ نے صدر جہاں کو مخاطب کرکے فرمایا مکبر اکبار بعد کہتے ہیں، ان کو منع کر دو، یہ لفظ کفر کا ہے اکبار شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے، کہ موذن صاحب علم اور مفتی ہوتا کہ فتوی

بھی دے سکے، گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہاں نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھ کر فرمایا، عید الضحیٰ میں قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہاں نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا، اور ہمراہیوں کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہاں نے دسترخوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے[1]

سلطان فیروز شاہ جب ٹھٹھ سے واپس آیا، تو اس نے شہزادہ محمود خاں کو حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس بھیجا، کہ ان کو جاکر شاہی محل میں لے آئے، تاکہ ان کی زیارت جلد ہوسکے، لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لئے انھوں نے شاہی محل میں جانا پسند نہیں فرمایا، شہزادہ محمد خاں جب رخصت ہونے لگا، تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو کلاہ پہنائی اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادوں اور ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل میں ضرور تشریف لائیں، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل میں منتقل ہوگئے، جہاں شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت میں حاضر رہتے تھے[2]، ایک روز شہزادہ مبارک خاں اپنے لڑکوں کے ساتھ قدمبوسی کے لئے آیا، تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی، فرمایا، ایسی ٹوپی پہننا روا نہیں، لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، یہ تو بچے ہیں ان سے تو مواخذہ نہیں ہوگا، لیکن ان کے ولی سے بازپرس ہوگی[3]

ایک روز جامع مسجد میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے، تو موذن نے اذان میں

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۲-۶۲، [2] ایضاً ۹۹-۱۰۰، [3] ایضاً ص ۱۰۰

اکبر کی جگہ "اکبار" کہا، فرمایا یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہاں کی توجہ اس طرف دلائی سلطان کو خبر ہوئی تو موذن کو طلب کیا، اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، موذن حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی، اور فرمایا میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن اکبار نہ کہنا، اور نہ حی علی الصلوٰۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں،

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نماز نفل نماز با جماعت ادا کرنے کو کہا، مولانا سراج الدینؒ نے امامت کی، سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہو گئی تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے، پھر فقہ کی کتاب کافی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا عبادات میں غیر کے مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے، یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادات میں شریک ہو سکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں، اس کے بعد سلطان سے نماز کی منت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاء الدینؒ کی بزرگی، خرقہ، مشائخ دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتوں اور

دوسرے لوگوں کیلئے سلطان سے کہہ کر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے اپنے پوتوں کے لئے دعائیں کرنے کو کہا، انھوں نے ان کے لئے وہی دعائیں کیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لئے حضرت مخدوم جہانیاں رہ رہ کر پیچھے آنا چاہتے تھے، لیکن سلطان نے دست مبارک پکڑ کر پیچھے آنے سے روکا، حضرت مخدوم نے کہا تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمہاری تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے،

سلطان دوسری دفعہ آیا تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے بعض اشعار پڑھے، جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سید الحجاب سے بھی لکھوایا، وہ اشعار یہ ہیں :-

ہمت بس بلند ور زی کن کہ من از تو ہمیں ترا خواہم

ہر آنکو غافل از وے یک زمان ست دراں دم کافر ست اما نہان ست

مبادا غائبے پیوستہ باشد در اسلام بروے بستہ باشد

حضوری بخش اے پروردگارم کہ من غائب شدن طاقت ندارم

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے، بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں، جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات

ملفوظات الملتقطہ

کے لئے لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دریچہ سے روئے مبارک نکال کر لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمہارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمہارے دین کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھ کو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لئے دعا میں کیں، اتوار کے روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرت جہاں نما آئے، اس وقت سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاں نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا، لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا، اس موقع پر فرمایا مقطع اور دوسرے لوگ کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں، بادشاہ کے لئے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی خوشنودی کے لئے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے،

کچھ لوگ ساتھ تھے، تہجد کے وقت ان کو رخصت کیا، لیکن پھر بھی کچھ رہ گئے چاشت کی نماز کے وقت چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لئے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا، پھر ۷ ارمحرم ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اچہ کی طرف روانہ ہوگئے، بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے نہ دیا[1]

فیروز شاہ پر بزرگان دین کے اثرات | حضرت مخدوم جہانیاں کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاءالدین کا مرید تھا،

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۵۵-۱۵۱،

لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ وصوفیہ سے بھی بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ ملتا رہا انھوں نے جو نصیحتیں کیں اُن پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:۔

"سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیائے کرام کی متابعت کی، آخر زمانے میں مخلوق بھی ہوگیا تھا، اس نے ہر وقت مشایخ کی پیروی کی، اوران کی محبت کا دم بھرتا رہا۔" (ص ۳۷۱)

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیریؒ حضرت چراغ دہلی، اور حضرت قطب الدین منورؒ کے پند ونصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا[1]، اوران تمام بزرگان دین ہی کے فیوض وبرکات کی وجہ سے اس پر شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا، اوراس نے اپنے دور حکومت میں شریعت کے احیاء اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحات فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے:۔

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اُس خالق غفور وشکور کا ہے جس نے مجھ بیچارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سنتِ رسول کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض وواجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔"

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کئے اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے:۔

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۹۳-۹۲-۲۹۳ و تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۹۵-۷۷-۸۱-۱۳۷-۲۱۰

"گذشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً گلکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب ونشاط، پھولوں کے فروخت، پان، غلہ، مچھلی، مداحی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، خشک چنا، تہ بازاری، قماربازی، دادبیگی، چرائی، وغیرہ پر چنگی لیجاتی تھی، ہم نے دفاتر دیوان کو ہدایت کر دی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کر دیں، اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے، وہ شرع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب دینیہ کے مطابق ہو، اور وہ یہ ہیں، خراج آراضی، عشور، زکوٰۃ، جزیہ لاوارثوں کا مال، غنیمت، اور معدنیات کا خمس، اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو، وہ بیت المال میں جمع نہ کیا جائے"[۱]

معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہوں۔

"شہر کے مسلمانوں میں ایک ایسا رواج ہو گیا تھا جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے، متبرک دنوں میں عورتیں پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھیں، اور مزاروں پر جاتی تھیں، بد معاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کی خاطر ان عورتوں کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے، عورتوں کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کی سزا کی جائے۔ حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہیں اور نہ زیارت کو جاتی ہیں، اب یہ بدعت دور ہو گئی"[۲]

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزوں میں بھی شریعت کی

---

[۱] فتوحات فیروزشاہی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ ص ۷ [۲] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰ و ۱۱

پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے :۔

"گذشتہ زمانے میں دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنوں کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے، اور تلواروں کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اسکی ممانعت کرکے میں نے اپنے ہتھیاروں کو شکاری جانوروں کی ہڈی سے مرصع کیا، اور وہ برتن استعمال کئے جو شریعت میں جائز ہیں،

گذشتہ زمانہ میں یہ دستور تھا کہ کپڑوں پر تصویر بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگوں کو پہناتے تھے، اسی طرح لگام، زین، سواری کے پٹہ، عود کی انگیٹھیوں طشت، پیالہ، صراحی، لوٹا، خیموں، پردوں، تخت، کرسی، اور تمام ساز و سامان پر تصویریں بناتے تھے، خدا کے حکم و ہدایات کی بنا پر میں نے حکم دیا کہ ان چیزوں سے ان تصویروں کو مٹائیں، اور جو چیزیں شریعت میں جائز ہیں ان کو بنائیں، اور گھروں اور محلوں اور دیواروں پر جو تصویریں بنائی گئی ہیں ان کو بھی مٹادیں،

اس سے پہلے بڑے لوگوں کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہیں خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ صلعم کی شریعت کے موافق ہوگئے، اور زردوزی کے جھنڈے ...... ریشم کی ٹوپیاں جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو جائز قرار دی گئیں، اور جو لباس خلاف شریعت اور ناجائز تھے وہ مٹائے گئے[1]"

مندرجۂ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے، اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے :۔

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۲ و ۱۴،

امور کو جو خلاف احکام شرع ملک میں رائج تھے، دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم و رواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کر دیا،

سلاطین کے خلوت خانہ میں مصور نقاشی کیا کرتے تھے، تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظران تصاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ اس خلوت خانہ میں اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ بجائے تصاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش و نگار بنائے جائیں،

سلاطین قدیم کے محلات میں لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور دوسری مورتیں رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا،

اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے، لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کر کے اپنے یہاں سے علحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا، وجہ یہ ہے کہ علماء مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لئے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیاء و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دستکش ہو جاتا، اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳، ۳۴ نیز دیکھو اردو ترجمہ (جامعہ عثمانیہ) ص ۴۲۵، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیا، (ج ۲ ص ۴۰) اور مرآۃ الاسرار، (ص ۵۵۴ قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور حضرت مخدوم جہانیاں کا مرید تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے لیکن سلطان ابراہیم ۸۰۲ھ میں تخت پر بیٹھا، اور حضرت جہانیاں کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی،

فیاضی | بادشاہ یا معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس ہدیے آتے تو ان کو قبول کر لیتے، ایک موقع پر فرمایا کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں، کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ مدینہ عبداللہ مطریؒ اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کرکے دوسروں تک پہنچا دو، اور کچھ اپنی ضرورت کے لئے بھی رکھو[1]، اسی پر برابر عمل رہا، مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کئے، لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دیدیئے، جو مقروض تھے[2]، شیرازہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے مصابیح پڑھتا تھا، کئی ہزار دینار پیش کئے، لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے حوالہ کر دیئے، جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں[3]،

رشد و ہدایت کے زمانے میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں، رات تک تقسیم کر دی جاتیں یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے، یہی ترک و تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی[4]،

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دیدو، سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے[5]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۳۸ [2] ایضاً ص ۲۴۴ [3] ایضاً ص ۲۵۴، [4] ایضاً ص ۲۸۰، [5] ایضاً ص ۱۷۰،

ایک بار ایک سید آئے، انھوں نے اپنے لئے کفن کا کپڑا مانگا۔ اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا، اور نہ دام تھے، جاڑے کا بستر موجود تھا، خادموں سے فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے بستر سے روئی نکال لو، اور کپڑا کفن کے لئے دیدو، روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے لئے کام آئے، یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے، خادم خاص نے ایسا ہی کیا، اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے، کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی ہے[1]،

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں، مجھ کو زادراہ اور کپڑے دیجئے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاں نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا، پھر کپڑے کا طالب ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا، وہ کسی نے عاریۃً پہنا دیا تھا کہ وہ تبرک ہو جائے، اس لئے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے تو میں تمکو دیدیتا، لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار کیا، عرب نے کہا اے مخدوم آپ کے خادم مجھ کو مارنا چاہتے ہیں، فرمایا اگر وہ تمھیں ماریں تو مجھے مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا، اور اپنی گردن مبارک جھکا دی، عرب یہ خلق دیکھ کر بیحد متاثر ہوا، اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کو اپنی بغل میں لے لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا[2]،

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے، ایک بار ایک معتقد نے سونے اور چاندی کے ٹنکے پیش کئے، جب وہ رخصت ہونے لگا تو

---

[1] الدر المنظوم صفحہ ۵۰ [2] ایضاً ص ۱۰۷،

اس کو اپنی بارانی دیدی اور فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمھارے لئے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کا بدلہ ضرور دو، اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لئے دعائیں کرتے رہو، یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[1]،

مہمان نوازی | جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے، فرماتے جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی[2]، کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا، اس کے لئے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ کا انتظام کر کے ایک حجرہ علحدہ کر دیا جاتا[3]،

عفو و درگذر | خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں. لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے، ایک بار دہلی کے قیام کے زمانے میں کسی نے چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لئے آپ بد دعا کریں بار بار چیز چرالے جاتے ہیں، فرمایا ہرگز بد دعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آجائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً مُکّا اور سبحہ وغیرہ چور اٹھا کر لے گئے، لیکن میں نے کبھی بد دعا نہیں کی[4]،

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز | معتقدین غایت تعظیم و تکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے لیکن چومنے نہیں دیتے[5]، بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے، لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں، امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور خسر کے لئے سجدہ روا ہے، لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے[6]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۰۴ [2] ایضاً ص ۸۰۲ [3] ایضاً ص ۳۵ [4] ایضاً ص ۱۴، [5] ایضاً ص ۵۵۸

[6] ایضاً ص ۲۲۷،

خاکساری | ایک مرید نے مدح لکھی، اور قطب عالم، شیخ الشیوخ، اور سید السادات کے القاب لکھے، سن کر فرمایا، مجھ کو گدائے عالم کہو[۱]

معاصر صوفیہ کا احترام | ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش بردار ہوں، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی، جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[۲]، سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانیؒ نے ان کی قدمبوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے اور فرمایا،

"بعد از مدتے بوئے طلب صادق بہ دماغ رسیدہ بعد از دور کارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ"

اس کے بعد حضرت جہانگیر کو بنگالہ حضرت شیخ علاء الدینؒ لاہوری کی خدمت میں بھیجا[۳] اچہ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے، ان کے فضائل و مناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاں کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت و محبت سے پیش آتے رہے، اور ان کے لئے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے[۴]،

سماع | سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے، لیکن اس شخص کیلئے

---

[۱] الدر المنظوم ص۴۵۳ [۲] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الاشرف ص۱۵۱ [۳] لطائف اشرفی ج ۲ ص۹۶ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص۴۱ مراۃ الاسرار میں ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے حضرت شیخ علاء الدین لاہوریؒ کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی، اور حضرت شیخ علاء الدین کا وصال ۸۰۰ھ میں ہوا [۴] [illegible]

مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے[1]،

اشاعت اسلام | غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے[2]، ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہو گئی، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی، اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی[3]، حضرت مخدوم جہانیاں اچہ سے تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دستِ مبارک پر اسلام لاتے[4]،

ازدواجی زندگی | حرم محترم بھی بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا، لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں، اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں، بی بی ایسی ہی چاہئے[5]،

ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا جا کر وضو کر لو، کیونکہ بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں، مجھ کو بیہوشی نہ تھی، میں نے دل کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم میں کیوں نہ سجدہ کرتی، بادشاہ مجازی کے لئے تو ہزاروں تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیوں نہ کرتی[6]،

ان کے ملفوظات میں ان کے لڑکوں کے یہ نام ملتے ہیں سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین، ان کی قبریں سکر اور بھکر میں ہیں[7]، لیکن خزینۃ الاصفیاء ص۴۲۶ میں ہے کہ ان کے تین صاحبزادے (۱) سید ناصر الدین محمود (۲) سید عبد اللہ اور (۳) سید

---

[1] الدر المنظوم ص۹۰، [2] ایضاً ص۱۹، [3] [4] ایضاً ص۳۰ [5] ایضاً ص۳۰ [6] ایضاً ص۳۱ [7] ایضاً ص۵

[8] ایضاً دیباچہ ص۶،

محمد اکبر ایک صاحبزادی الملکہ جہاں تھیں، سید ناصر الدین کے متعلق خزینۃ الاصفیا میں ہے،

"جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات در ولایت رتبۂ عالی و مراتب بلند داشت، صاحب اولاد کثیر بود.. در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگوار خود داشت و از وے خلافت و اجازت حاصل فرمودہ" (ج ۲۔ ص ۶۹)

مرآۃ الاسرار میں ہے:-

"حضرت سید جلال کی بہت سی اولاد تھی، اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ پر پہنچے، ان میں سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیوں کے جھگڑے کی وجہ سے اوچ سے قنوج آ گئے تھے، اور اسی شہر میں سکونت اختیار کر لی، اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواحِ قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے، اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح تکار پور میں محو خواب ہیں، ان میں شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات میں مدفون ہیں"

حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدین بڑے صاحب دل تھے، ان کا شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے[1]،

وصال لطائف اشرفی میں ہے، کہ رحلت کے وقت اٹھتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہارشنبہ کا دن تھا، اسی روز عید ضحیٰ بھی تھی، عید اضحیٰ

---

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۶۵،

کی نماز پڑھکر طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جاملے[1] مزار اقدس اچہ شریف میں ہے، جو ریاست بھاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے، اس پر یہ شعر لکھا ہوا ہے، ؎

تاریخ بود ہفت صد ہشتاد و پنج سال ‌ ‌ ‌ تاریک گشت جملہ جہاں بے جمال شاہ

ملفوظات حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں،

(۱) خزانہ جلالی (۲) سراج الہدایہ (۳) جامع العلوم۔

خزانہ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے[2]، لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گذرا، سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیاں کے مرید تھے، اس میں ۷۶۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں، جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں۔

باب اول در بیان احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، باب دوم در بیان روایت پیر و مرید گرفتن و مسائل دینی، باب سیوم در بیان فوائد و احکام شرح جملہ بصحت کتب و قصۂ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص انبیاء و بیان دعا و نماز برائے برآمدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث مصابیح و فضائل میوہا، و خضریات بحکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و حدیث طبقات و بیان خرابی دیارہا، باب ہفتم و باب ہشتم در بیان اشعار عربی و نظم و فضائل سورہ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ۔

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید، دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے، جس کا

---

[1] لطائف اشرفی ج اول ص ۳۹۲، اخبار الاخیار ص ۱۴۲ [2] اخبار الاخیار ص ۱۴۳، فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ۳۹۵ ،

ذکر گذشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام ۱۰ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۰ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذو الفقار احمد نقوی نے نواب سید نور الحسن صاحب کی فرمایش پر کیا، جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا، اور ۵۰۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں، جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے،

پروفیسر محمد ایوب قادری (اردو کالج، کراچی) نے اپنی کتاب مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ میں حضرت مخدوم کے کچھ اور ملفوظات اور مکتوبات کا پتہ لگایا ہے، اور ان کو لکھ کر ان کی تفصیل لکھی ہے، جو ذیل میں درج کی جاتی ہے،

خزانہ جلالی کے ملفوظات کو حضرت مخدوم کے مرید احمد المدعو بہا بن حسن ابن محمود بن سلیمان تبنی نے مرتب کیا، اس میں سترہ ابواب ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں

(۱) علم و علماء (۲) توبہ (۳) اذکار (۴) صلوٰۃ (۵) موت و الزیارت (۶) زکوٰۃ و سخاوت (۷) صوم و اعتکاف (۸) حج (۹) سفر و تجارت (۱۰) الاکل و الاضیاف (۱۱) نکاح و طلاق (۱۲) حلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۳) اولاد رسول و ازواج مطہرات (۱۴) فضائل صحابہ و اہل بیت (۱۵) تعظیم الولات (۱۶) مناقب الاولیاء و المشائخ (۱۷) خرقہ مشائخ و صوفیہ، اس کے نسخے کتب خانہ اوچ گیلانی، (ملکیت مخدوم شمس الدین نامن) مکتوبہ ۱۲۴۴ھ، نو بہار شاہ، بخاری سجادہ نشین اوچ کی ملکیت مکتوبہ ۱۲۷۵ھ، سنٹرل لائبریری حیدر آباد دکن اور کتب خانہ میانہ شریف ضلع سرگودھا مکتوبہ ۱۰۳۲ھ میں ہیں

حضرت مخدوم کے ایک اور مجموعہ ملفوظات کو فضل اللہ بن ضیاء العباسی نے ۷۸۱ھ میں مرتب کیا، اس میں زیادہ تر نماز کے فضائل و برکات پر ملفوظات ہیں، کھانے پینے، پہننے، ضیافت اور دعوت کے آداب پر بھی کچھ ہدایتیں ہیں، اس کا ایک نسخہ سنٹرل لائبریری حیدرآباد میں اور ایک نوبہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے،

ایک اور مجموعۂ ملفوظات مظہر جلالی ہے، جس میں توحید، فرض، عزیمت و رخصت، مسح موزہ، تیمم، نواقض وضو، مستحبات و فرائض وغیرہ پر مباحث ہیں، یہ نسخہ بھی نوبہار شاہ سجادہ نشین اوچ کی ملکیت میں ہے، ایک اور مجموعہ مناقب مخدوم جہانیاں کے نام سے ہے، جو ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں ہے،

حضرت مخدوم نے شیخ قطب الدین دمشقی کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ فارسی میں کیا، اس کے نسخے کیمبرج اور برنسٹن کے کتب خانوں میں ہیں،

حضرت مخدوم نے ایک رسالہ اربعین صوفیہ کے نام سے بھی مرتب کیا، جو ان کے یہاں باقاعدہ درس میں رہتا تھا، مکتوبات کا ایک مجموعہ مقرر نامہ کے نام سے ان سے منسوب ہے، یہ مکتوبات تاج الدین بن معین سیاہ پوش کو لکھے گئے ہیں، جن میں تصوف و سلوک کی تعلیمات ہیں، یہ ۷۸۲ھ میں مرتب کیا، اس میں ۲۴ مکتوبات ہیں،

تعلیمات | گذشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا، ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں، جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کئے جاسکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

حضرت نے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں۔

(۱) توبہ (۲) علم (۳) حلم (۴) عقل (۵) معرفت (۶) عافیت (۷) رحمت (۸) قناعت (۹) صدق (۱۰) یقین (۱۱) عبادت (۱۲) ذکر (۱۳) زہد (۱۴) تقوی (۱۵) توکل (۱۶) تفکر (۱۷) رجاء (۱۸) صبر (۱۹) شکر (۲۰) سخاوت (۲۱) خلوت و عزلت (۲۲) رضا (۲۳) اخلاص (۲۴) بیچارگی (۲۵) اخلاق (۲۶) تواضع (۲۷) خوف (۲۸) اعتقاد (۲۹) افلاس (۳۰) تحمل (۳۱) شوق (۳۲) تجرد (۳۳) لطف (۳۴) ...[1] (۳۵) خشوع (۳۶) ...[2] (۳۷) ...[3] (۳۸) ریاضت (۳۹) شرف (۴۰) ...[4] (۴۱) سرمستی (۴۲) ہمت (۴۳) محبت (۴۴) ...[5] (۴۵) وصل (۴۶) قرب (۴۷) ادب (۴۸) اشتیاق (۴۹) تسلیم (۵۰) دیدار۔

اگر مندرجۂ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہوسکیں تو حسب ذیل چیزوں کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

(۱) توبہ (۲) توکل (۳) حمد (۴) صبر (۵) شرم (۶) زہد (۷) قناعت (۸) تسلیم (۹) صدق (۱۰) رضا (۱۱) دیدار (۱۲) تفکر (۱۳) ہیبت (۱۴) شکر (۱۵) حسرت۔

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجۂ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں۔

(۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) صبر (۵) عرفان (۶) شکر (۷) توکل (۸) طلب دوست

ان میں ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے[6]۔

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لئے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں۔

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورۂ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات در پیش

---

[1] [2] [3] [4] [5] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے [6] تفصیل کے لئے دیکھو اسا

تو دل سے حسب ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہئے:۔

(۱) غصہ (۲) حسد (۳) بخل (۴) عجب (۵) نفاق (۶) شہرت پسندی (۷) حرام چیزوں کے کھانے پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸) کاہلی (۹) انتقام۔ ان کو دور کرکے تواضع اختیار کرنا چاہئے۔[1]

شرائط ذکر | ذکر کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں:۔ (۱) تصدیق یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہیں تو ذاکر منافق ہے، (۲) تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل میں ہو، اگر یہ تعظیم نہیں تو ذاکر بدعتی ہے، (۳) حلاوت یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے۔ ورنہ وہ ریاکار ہے، (۴) اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے

عقبات سالک | عقبہ کے معنی گھاٹیاں ہیں، راہ سلوک میں مختلف قسم کی گھاٹیاں آتی ہیں پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہ سلوک میں گامزن ہوتا ہے، تو دنیا کہتی ہے تو کہاں جاتا ہے لوٹ آ میرے پاس کتنے لذائذ ہیں، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتیں ہیں، ان کو چھوڑ کر کہاں جاتا ہے، لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزیں سمجھتا ہے، تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہئے کہ اس گھاٹیوں سے پار کر دے۔[2]

مقامات سالک | سالک کے دو مقامات ہیں، ابتدا اور انتہا، مقام ابتدا توبہ ہے، توبہ دو طرح کی ہے، ایک توبہ کہ شریعت و طریقت کی معصیتوں سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزوں، بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے، اور دوسرے ماسوائے اللہ سے توبہ

---

[1] سراج الہدایہ قلمی نسخہ، [2] الدر المنظوم ص ۱۰۱ - ۱۲۰۔

کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہیں جو نعمتوں سے لطف اٹھائے اور نعمتوں کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے،[1]

حالات سلوک | ان مقامات کو طے کرکے ایک سالک میں تین حالتیں پیدا ہوتی ہیں، سلوک وقوف، رجوع، سلوک سے مراد وہ حالت ہے، جس سے منزل مقصود کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، جس کو وقوف کہتے ہیں، سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے، یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے، تو پھر مقامات طے نہیں ہوتے، وقوف کا علاج رجوع ہے، یعنی سالک کو صابر و شاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہئے، اور وقوف کو دور کرنے کے لئے مفید مشاغل مثلاً درس و تدریس امامت مساجد، کسب مکاسب اور تعلیم صبیان اختیار کر لینا چاہئے، لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بجا لانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو،[2]

منازل سلوک | ایک سالک کی چار منزلیں ہیں، ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے، جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گذر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے جو روح کی جگہ ہے اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں، جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں "سعود" سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے،

---

[1] الدر المنظوم صفحہ ۱۱۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۵۰

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں، نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے اور روح محلِ نظرِ رحمٰن ہے جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کریگا، اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی اور جو روح کی فرماں برداری کرتا ہے، اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی[1]

معرفت | جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہو جاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو اذکار و غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے[2]۔

خلفاء | حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ان کا ذکر آگے آئے گا، بعض اور دوسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں

سید صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے سگے بھائی تھے ان کی تعلیم و تربیت میں صاحب کرامت ہوئے، وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے

شیخ اخی راجگری، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:۔

"مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں بود، آنحضرت وے را بخطاب اخی یاد می فرمود وطن اصلی وے موضع نبرا از اعمال پرگنہ دریاباد سرکار اودھ است بعد عطائے خرقۂ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد چوں در آنجا رسید از دحام خلق بسیار شد از آنجا ہجرت راجگیر کہ بر آب دریائے گنگ است متوطن شد" (ج ۲ ص ۶۴-۶۳)

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذ میں تھے، قنوج وطن تھا حضرت مخدوم جہانیاںؒ

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۰۰ [2] ایضاً ص ۲۳۲، [3] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۳

سے مرید ہوکر ان کے حکم کے بموجب جون پور آئے، اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہوکر امراء میں داخل ہوئے، پٹہ پلادل (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیا میں ہے:-

"از کاملانِ علماء و مریدین حضرت مخدوم جہانیاں است" (ج ۲، ص ۶۴)

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی[1]۔ وفات ۸۴۳ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے،

سید اشرف الدین مشہدی، شیخ ابو تاج الدین بکری، سید محمود شیرازی، سید سکندر ابن مسعود، سید علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سید شرف الدین سامی اور مولانا علی اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے[2]

---

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۶۰ [2] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۹۲،

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ

لقب | سید محمد اشرف اسم گرامی اور جہانگیر لقب تھا،

وطن و خاندان | آل سمنان میں تھے، ولادت باسعادت سمنان میں ہوئی، والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے[1]، والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھیں، ان کے زہد و عبادت کا حال یہ تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت میں گذارتیں، اور صائم الدہر رہیں[2]،

تعلیم | تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوبؒ کی دعاؤں کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے، سات سال کے ہوئے تو سات قرأتوں کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر میں معقولات و منقولات کی تعلیم ختم کی جس سے تمام عراق میں مشہور ہوگئے[3]،

اورنگ نشینی | والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی، ان کے زمانۂ حکومت کے عدل و انصاف کے بہت سے قصے مشہور ہیں، لطائف اشرفی کے مؤلف نے اس عدل و انصاف کا ذکر اشعار میں کیا ہے،

چوں اورنگ سمنان بدو تازہ گشت — جہاں از عدالت پُر آوازہ گشت
بدورانِ عدلش ہمہ روزگار — گلستاں شدہ عدل او دوبار
زہے عدل و انصافِ آں دادگر — کہ بر میش گرگے نہ بندد نظر

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸ [2] ایضاً ج ۲ ص ۹۰ [3] ایضاً ص ۹۱،

بشاہین زند بال بازی کلنگ | کبوتر سوے باز آورد جنگ
اگر فیل بر فرق موری گذر | کند مور بر فیل آرد نظر
کہ این دور سلطان اشرف بود | چسان ظلم تو بر سر من رود[1]

ترک سلطنت | حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض وسنن اور واجبات ونوافل کے پابند تھے، راہ سلوک کی طرف طبیعت صغر سنی سے مائل تھی اس لئے خواب میں بزرگان دین ہی کو دیکھتے، اور ان سے فیوض حاصل کرتے، بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضرؑ فرما رہے ہیں کہ سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، والدہ نے فرمایا، تمھاری پیدائش سے پہلے مجھ کو میرے والد بزرگوار نے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا، جس کے نور ولایت سے تمام عالم منور ہوگا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آپہنچا، سفر مبارک ہو،

والدہ ماجدہ کی اجازت سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے[2]،

سفر | تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور تورچی رخصت کرنے آئے، ان کو وداع کر کے حضرت سید محمد اشرف ماوراءالنہر ہوتے ہوئے، بخارا پہنچے، بخارا سے سمرقند آئے، سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے، لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی، اس لئے فقرا کو دیدیے، سمرقند سے اوچہ وارد ہوئے، جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان جہاں گشتؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت جہانیان

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱ و [2] ایضاً ص ۹۲ و ۹۳،

جہاں گشتؒ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا۔

"بعد از مدتے بوئے طالبِ صادق بدماغ رسیدہ و بعد از روزگارے نسیمِ آشنائی از گلزارِ سیادت وزیدہ فرزندِ بسیار مرادِ برآمدہ، مبارک باد، زود قدم در راہ کہ برادرم علاء الدین منتظرِ قدمِ شریف ہستند، زینہار در راہ جائے ثانی" (لطائفِ اشرفی جلد دوم ص ۹۴)

بیعت اس زمانہ میں اہلِ بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق ابن اسعد لاہوری بنگالی کی مذہبی و روحانی تعلیمات سے فیضیاب ہو رہے تھے، یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمانؒ کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ علاء الدین کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور تھے لیکن خود انھوں نے درویشی اختیار کی تھی، جید عالم بھی تھے، اسلئے مذہبی اور روحانی تعلیمات کے لئے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے، ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا، روضہ شریف پنڈوہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے، لیکن تمام سنارگاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا[1]، لطائفِ اشرفی میں ہے کہ حضرت سید اشرفؒ کے آنے سے پہلے حضرت علاء الدینؒ نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ

"آں کسے کہ چند سال انتظار او می کشیدہ ایم و طریقِ مواصلت او می دیدہ ایم امروز فردا می رسد" (ج ۲ ص ۹۵)

اور جب حضرت سید اشرف پنڈوہ[2] کے قریب پہنچے تو حضرت علاء الدین قیلولہ فرما رہے تھے، لیکن یکایک بولے

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۵، [2] اخبار الاخیار و لطائفِ اشرفی میں بندوہ مرقوم ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے،

"بوے یار می آید"

اور اس محافہ پر شہر سے باہر نکلے جو حضرت سراج الدینؒ اخی سے ان کو ملا تھا، شہر سے ان کو باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہو گیا، بعض پاپیادہ اور بعض گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت سید اشرفؒ کے استقبال کے لئے یہ جلوس تین ایک کوس باہر گیا، جب حضرت سید اشرفؒ کی نظر حضرت شیخ علاء الدین پر پڑی تو دوڑتے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے، حضرت شیخ علاء الدین نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا، اور فرمایا،

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے | بامیدے رسد امیدوارے

حضرت علاء الدینؒ کے محافہ خاص پر حضرت سید محمد اشرفؒ خانقاہ تشریف لائے، جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سید محمد اشرفؒ نے فی البدیہہ یہ شعر کہے،

نہادہ تاج دولت بر سر من | علاء الحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ ترک سلطنت را | برآوردہ مرا از چاہ آفات

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، خرقہ خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہانگیر کا لقب پایا، خود فرماتے ہیں،

مرا از حضرت پیر جہاں بخش | خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہان معنوی را | کہ فرماں آمد کہ از شاہم جہانگیر[1]

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیرؒ کمر باندھے رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا کیا کر رہے

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۲۴۲

ہو، حضرت جہانگیرؒ نے جواب دیا،

"میان رابرائے خدمت می بندم"

یعنی خدمت خلق کے لئے کمر کس رہا ہوں، مرشد نے فرمایا۔

"اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیچ در میان نہ داری"

یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تاکہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے عرض کیا۔

"آرزوئے نفس از میان بیرون کشیدہ ام تا زندہ ام"

یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کر دیا ہے، جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا۔ مرشد نے یہ سن کر فرمایا، مبارک باد[1]

نواح جون پور کا سفر | جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواح جون پور کی طرف جانے کا حکم دیا، حضرت جہانگیرؒ دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے، سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی، راستے میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا،

"میخ طویلہ در گل زدہ ام نہ در دل"[2]

قیام محمد آباد گہنہ | سیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد گہنہ (اعظم گڈھ) پہنچے، یہاں کے تمام علماء و فضلاء ملنے آئے، تو رسولؐ کے چاریارؓ پر گفتگو ہونے لگی، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے خلفاء راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا، اس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مدح اور خلفاء سے نسبتہً زیادہ کی تھی، محمد آباد گہنہ کے علماء نے اس پر بحث کرنی شروع کی، اور

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸۰۔ ۳ [2] ایضاً ص ۱۰۱

حضرت اشرف جہانگیرؒ پر رفض کا الزام عائد کیا، دوسرے دن جمعہ تھا، جمعہ کی نماز کے بعد علماء کا محضر ہوا، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلاف فتویٰ دیا، لیکن قصبہ کے مفتی اور سرحلقۂ علماء مولانا سید خاں نے تمام علماء سے اختلاف کیا، اور حضرت اشرف جہانگیرؒ کی حمایت میں کہا کہ وہ سید ہیں، اگر انھوں نے اپنے جد امجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کئے، تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ سن کر علماء شرمندہ ہوئے حضرت اشرف جہانگیرؒ نے سید خاں کو دعائیں دیں، رفتہ رفتہ اور دوسرے علماء بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے۔[1]

قیام ظفرآباد: غالباً محمد آباد گہنہ سے ظفرآباد پہنچے، ظفرآباد میں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا لیکن بالآخر ان کی بعض کرامتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے، یہیں حضرت شیخ کبیر سرور پوری مرید ہوئے، جو بڑے صاحب علم اور صاحب ثروت تھے، اور آگے چل کر حضرت اشرف جہانگیرؒ کے محبوب خلیفہ ہوئے۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۴)

عاجز راقم لطائف اشرفی اور دوسرے تذکروں کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ حضرت اشرف جہانگیر ظفرآباد سے جون پور آئے، وہاں سے کرینی اور بھدو ڈھوتے ہوئے کچھوچھہ شریف پہونچے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا تھا، وہاں کچھ دنوں قیام کرنے کے بعد مقامات مقدسہ کی سیاحت کے لئے ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے، مگر اس سیاحت کو ترتیب کے ساتھ بیان کرنا مشکل ہے، سیرۃ الاشرف کچھوچھہ شریف کی درگاہ سے شائع ہوئی ہے، اس میں لطائف اشرفی کا خلاصہ بھی ہے، اس کے مرتب امیر احمد علوی صاحب نے حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سیاحت کا حال تفصیل سے لکھا

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳

ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ ظفر آباد کے بعد ہی عراق کے سفر پر چلے گئے، بصرہ، نجف اشرف بغداد، جیلان کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کی، پھر یمن ہوتے ہوئے اپنے مرشد کی خدمت میں پنڈوہ شریف پہونچے، وہاں سے جون پور اور رُڈولی ہو کر کچھوچھہ شریف آئے، جس کا نام روح آباد رکھا گیا، خانقاہ کثرت آباد کہلائی، اور حجرہ وحدت آباد کے لقب سے موسوم ہوا، یہاں سے وہ اجودھیا، سدھور، جائس، لکھنؤ، کنتور، رودولی وغیرہ جایا کرتے تھے، پھر دکن کی طرف گلبرگہ بھی گئے، وہاں سے تیسری بار اپنے مرشد کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، جب سفر میں جب بہار شریف پہونچے تو حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحیٰی منیریؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب ہو، تارک مملکت ہو، اور سات قراتوں کا قاری ہو، یہ تمام شرطیں حضرت اشرف جہانگیرؒ میں موجود تھیں، اس لئے انہی نے حضرت مخدوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی کچھ دنوں حضرت مخدوم کے مزار اقدس پر مراقبہ کر کے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کئے[1]، اس کے بعد پنڈوہ شریف کی طرف آگے بڑھے، پنڈوہ سے واپسی پر بنارس میں بھی قیام کیا،

روح آباد آکر پھر ممالک اسلامیہ کے سفر پر روانہ ہوگئے، دمشق ہوتے ہوئے فلسطین کے علاقے میں پہونچے، پھر قسطنطنیہ گئے، وہاں سے واپسی کے بعد دوسری مرتبہ گلبرگہ وارد ہوئے، شام، فارس اور ماوراء النہر کا بھی سفر کیا اور واپسی میں اوچ بھی تشریف لے گئے، اپنے پیر و مرشد کی وفات ۸۰۰ھ میں اور مخدوم زادہ محمد نور کی سجادہ نشینی کے وقت وہ پنڈوہ شریف میں موجود تھے، وہاں سے جون پور ہوتے ہوئے روح آباد

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴۔

پہونچے، تو پھر وفات تک باہر نہیں گئے،

لطائف اشرفی جلد دوم (لطیفہ سی و پنجم) میں حضرت اشرف جہانگیر کی زبانی جن خاص خاص مقامات، جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، جزیرہ صمت، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطور، جبل القدم، گازرون، جبل العاف، حصلان، جبل الابواب، ولایت جھنگھر، ولایت ختاق، جبل القرون، جبل ایلہ وغیرہ،

خزینۃ الاصفیا میں حضرت اشرف جہانگیر کی سیاحت بلاد اسلامیہ کی تفصیل اس طرح درج ہے:۔

حضرت اشرف جہانگیر شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، شیخ بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آگئے، لیکن حضرت اشرف جہانگیر مدینہ منورہ کی زیارت کو چلے گئے، وہاں سے نجف اشرف، اور کربلائے معلیٰ آئے، پھر روم پہونچے، جہاں مولوی جلال الدین رومی کے سجادہ نشین اور روم کے سلطان ولد اور دوسرے مشائخ سے ملاقات کی، روم سے شام آئے، دمشق میں شیخ قمر الدین عراقی کی زیارت کی، وہاں سے پھر مکہ معظمہ آکر حج کی سعادت حاصل کی، حج کے بعد بغداد ہوکر حضرت غوث الاعظم، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کے مزاروں کی زیارت کی، پھر کاشان میں رونق افروز ہوئے، جہاں شیخ عبد الرزاق کاشانی سے ملاقات کی، کاشان سے اپنے اصلی وطن سمنان کو رونق بخشی، اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں، ان سے مل کر ان کی دلجوئی کی، اور وہاں سے مشہد مقدس آئے جہاں حضرت امام علی رضا کے آستانے میں معتکف رہے، ان ہی دنوں امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضا

کے مزار کی زیارت کو آیا تھا، وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ سے بہت ہی عقیدت مندانہ طریقہ
پر ملا۔ مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے، ہرات سے چل کر اورالنہر پہونچے جہاں
حضرت بہاء الدین نقشبندیؒ کی صحبت میں رہ کر خرقۂ خلافت پایا، وہاں سے ترکستان تشریف
لائے، اور اپنے نانا شیخ احمد یسوی کی اولاد سے ملے، ترکستان سے بخارا نزول اجلال فرمایا
پھر قندھار غزنی اور کابل میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہونچے، ملتان سے اجودھن پہنچکر
حضرت گنج شکرؒ کے مرقد مبارک کی زیارت کی، اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آکر
حضرت خواجہ معین الدینؒ کے آستانے سے برکت حاصل کی، اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ
گئے، گلبرگہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ سے ملے، گلبرگہ سے سراندیپ چلے گئے، وہاں
سے گجرات آئے، پھر گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھہ شریف واپس ہوئے، (خزینۃ الاصفیا
ج ۱ ص ۶۷۔ ۳۷۵)

اکتسابات | تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ایک سو نوّے[۱۹۰] اولیا
سے فیوض حاصل کئے، بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کی،
حضرت ابراہیمؑ کے مزار مقدس سے خاص فیوض حاصل کئے، کربلائے معلّٰی میں نجف اشرف
اور کاظمین کی برکات سے مستفیض ہوئے، بغداد میں حضرت غوث الثقلین شیخ معروف
کرخیؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات پر حاضری دی، قونیہ میں مولوی جلال الدین
رومی کی خانقاہ میں اقامت کی، اور پھر جہاں پہونچے وہاں کے بزرگوں کے مزاروں
پر مراقبہ کیا، جیساکہ پہلے ذکر آچکا ہے،

قاضی شہاب الدین دولت آبادی | علماء، صلحا اور سلاطین سب ان کے فیوض سے سیراب
ہوتے رہے، وہ جونپور آئے تو ایک مسجد میں نزول اجلال فرمایا، انکی تشریف آوری

پر ملا قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملنے آئے، یہ اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم تھے، ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی ان کے معاصر علماء میں کسی اور کو نہ ہوئی، اصلی وطن تو غزنین تھا لیکن دولت آباد دکن میں نشو و نما پائی، دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علما، مثلاً قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی، قاضی عبد المقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا، ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب العلم آیا ہے جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخواں بھی علم ہے، امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیرباد کہا، سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جون پور پہنچے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم و توقیر کی، اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں، مثلاً (۱) شرح کافیہ جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ملا عبد الرحمٰن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے، (۲) ارشاد در نحو، جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے، (۳) بدیع البیان، علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے، (۴) بحر المواج یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے، (۵) اصول ابراہیم شاہی، اس میں عربی زبان میں اصول شرح پر بحث ہے، یہ ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی، (۶) رسالہ در تقسیم علوم (۷) رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعر گوئی میں مہارت تامہ رکھتے تھے[1]،

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھو اخبار الاخیار ص، خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۹۰ و مشاہیر جونپور ص ۲۷-۳۳،

قاضی شہاب الدین جب حضرت اشرف جہانگیرؒ سے ملے تو ایسے گرویدہ ہوئے کہ کبھی تو روزانہ، اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے بھی ان کے علم و فضل کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کی تصنیف ارشاد در نحو کے متعلق فرمایا،

"اینکہ می گویند کہ سحر از ہندوستان راست آمدہ غالباً ایں راست سحر بودہ"[1]

قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کئے، چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقہ خلافت اور ملک العلما کا خطاب عطا کیا، لطائف اشرفی میں ہے،

"حضرت قاضی حدتے شایستہ و ملازمتے بایستہ شد و لباس خرقہ کردند و بخطاب ملک العلماء مخاطب کردند و بین خلفاء و ولایت مآب و بہترین نذار اصحاب اند، جامع بودہ میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب معاملات یقینی و جامع واردات دینی شدہ بود، تشرع بسیار داشت، ریاضات شدیدہ و مشاہدات جدیدہ کشیدکہ بشرف خلافت و اجازت یافتہ"[2]

قاضی شہاب الدین ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین و امراء کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہانگیرؒ کی قدمبوسی کے لئے آیا، ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے:-

"حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں، لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہوئے تو

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۷ [2] ایضاً ج ا ص ۲۴۴،

کل پھر سلطان کے ساتھ قدمبوسی کا شرف حاصل کرے گا (حضرت قدوۃ الکبریٰ یعنی حضرت جہانگیر نے) فرمایا اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو، اگر سلطان آتے ہیں، آنے دو، وہ حاکم ہیں، جب قاضی کو رخصت کیا تو فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے) کم دیکھی گئی ہے، دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبریٰ اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے اژدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لئے جانا مناسب نہیں، ان کو تکلیف ہوگی، آخر سلطان نیچے اتر آیا، اور اپنی جماعت سے بیس[20] اہل فضیلت واہل فراست کو منتخب کر کے پائے بوسی کے لئے حاضر ہوا، اس نے حضرت کے دل کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے حد سے زیادہ ادب و احترام کیا، اس نے قلعہ جنادہ کی فتح کے لئے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا، اس کے لئے وہ متردد تھا، اس نے حسب حال حضرت قدوۃ الکبریٰ کے سامنے یہ اشعار پڑھے،

ولی کاں نور راست از جام جمشید　　روا روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش　　کسے کو را یقیں امید باشد

حضرت قدوۃ الکبرا نے فرمایا

اگر یہ یقیں شد قدمت استوار　　گرد زدریانم از آتش برآر

اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی، جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا،

"چہ سیدیست عالی جناب و متاصد مآب الحمد للہ کہ در ہندوستان چنیں

مردم درآمدہ اند"

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبرا کی خدمت میں پھر آیا، روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا، لوگوں نے قلعہ کی فتح پر مبارکباد دی لیکن حضرت نے فرمایا سلطان کو مبارکباد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہوگئی، اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقۂ بیعت میں داخل ہوں گے، اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے، سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا، پھر حضرت سے وہیں مستقل اقامت کے لئے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی، لیکن حضرت نے فرمایا تمھاری سلطنت کے حدود سے باہر نہ جاؤنگا اس جواب سے سلطان بہت ہی پُرامید ہوا، حضرت قدوۃ الکبریٰ وہاں دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے، چھوٹے بڑے لوگ شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہے"[1]

اشاعت اسلام پھر شدنند (؟) آئے، جہاں ملک الامرا محمود نے پرجوش خیر مقدم کیا، اسی مقام پر ایک ہندو جوگی سے اشرف جہانگیر کا مقابلہ ہوا، جوگی کو ہوا میں اڑنے کا دعویٰ تھا، لیکن وہ حضرت اشرف جہانگیر کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعووں سے باز آیا، اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۵، لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر اور سلطان ابراہیم شاہ کی ملاقات جونپور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ ہی میں ہوئی، لیکن جب یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۴ھ ہے تو پھر گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہانگیر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔ [illegible]

کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوگیا، اسلام لانے کے بعد جوگی نے بابا کمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ میں ہوا، اور اسی کی مرضی میں خانقاہ بنوائی گئی، لیکن لطائف اشرفی میں کچھوچھہ کا نام نہیں آتا۔

قیام روح آباد | اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ملک الامرا محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہانگیر سے بیعت کی، اسی کی وساطت سے روح آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا، اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا، اور اس کے مشرقی حصہ میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہانگیرؒ اصحاب خاص کے سامنے سلوک و عرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے، اسی لئے اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا، اور اس کے شمال میں ایک پُر رونق جگہ روح افزا کے نام سے مشہور ہوئی، جہاں آکر بزرگان دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے[1]،

فیوض | حضرت اشرف جہانگیرؒ کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جاکر رشد و ہدایت فرماتے، چنانچہ کچھوچھہ کے آس پاس اور کبھی دور کے قصبوں اور قریوں میں نزول اجلال فرماکر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے، جب اودھ یعنی اجودھیا تشریف لے گئے، تو وہاں کے ملوک و امرا مرید ہوکر متمتع ہوئے، خود اودھ کے حاکم نواب سیف خاں کو حضرت اشرف جہانگیرؒ سے بڑی عقیدت ہوگئی، چنانچہ تربیت پاکر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے، اور حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کو خرقۂ خلافت عطا کیا[2]، اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے جن کا شمار علمائے نامدار اور فضلائے روزگار میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت

---

[1] لطائف اشرفی ص ۱۰۰، [2] ایضاً ص ۱۰۱،

کیمیا اثر سے راہ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لئے، اور وہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے، حضرت جہانگیرؒ کو ان پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے "اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند"[1]

ردولی پہنچے تو شیخ صفی الدین صفی اور شیخ سمار الدین صحبت خاص سے فیضیاب ہوئے شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، خود اشرف جہانگیر نے ان کے متعلق فرمایا،

"در بلاد ہند کسے را کہ بعلوم درخشندہ، عزیب و شیون عجائب پیراستہ دیدم وی بودہ" (ج ا ص ۴۰۴)

حضرت اشرف جہانگیرؒ کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہانگیر نے ان کے لئے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو، اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے، پھر صرف ان ہی کی خاطر ردولی میں چالیس روز قیام فرمایا، اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں، اور خلافت بھی عطا کی، ان کا شمار حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفا میں ہوتا ہے،

شیخ سمار الدین بھی حضرت جہانگیرؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے، ان کے بارے میں حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں،

"در خطۂ اودھ ازیاران ما دو کس را واقع افادہ بود یکے شیخ ابو المکارم را کہ اہتمام تمام درحق او مبذول شدتا ازاں درطے حملکہ بدر آمدہ، دوم شیخ سمار الدین را از محنت بسیار و کلفت بے شمار ازاں ورطہ بدر آوردہ شد" (ج ا ص ۴۰۵)

ردولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے، مولانا

---

[1] لطائف اشرفی ص ۴۰۲،

جب حضرت اشرف جہانگیرؒ سے ملے تو فرمایا، سبحان اللہ! سید اشرف جہانگیر ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں، وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں[1]،

حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود اسمو (آسومئو) میں ہوا تو وہاں ایک ہزار آدمی اُن سے مرید ہوکر فیضیاب ہوئے[2]،

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے[3]، جائس کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر سے تعلیم پاکر خلافت بھی پائی[4] یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلیفہ تھے، جو جائس کے لوگوں کو روحانی تعلیم و تربیت دیتے تھے، ایک بار ان کے یہاں دعوت تھی، دعوت کا انتظام قصبہ کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہ ہو سکا، غصہ میں بددعا دی کہ یہ جل کر خاک ہوجائیں، اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگی، اور تقریباً چار ہزار آدمی جل کر ہلاک ہوگئے، حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی، مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے لیکن مرشد نے ان سے یہ کہہ کر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذر آتش اور خانماں برباد کر کے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں، ایک مدت تک معتوب رہے، مگر مرشد کے آستانہ سے علٰحدہ نہیں ہوئے، بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تقصیر کی معافی چاہی، مرشد نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ تمھارا ایمان تو سلامت رہے گا، لیکن تم اور تمھاری اولاد پریشان رہیگی،

جب قصبہ اہونہ پہونچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۴۴ [4] ایضاً ج ۱ ص ۱۰۴ [5] ایضاً ص ۱۰۴،

[redacted]

حاصل کی، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ان کے لئے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں[1]،

جب قصبہ سدھورہ میں نزول اجلال فرمایا تو وہاں شیخ خیرالدین اور قاضی محمد سدھوری نے پرجوش استقبال کیا،

شیخ خیرالدین اپنے وقت کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے، لیکن اصول وفقہ کے بعض مسائل پر علمائے وقت سے سوالات کئے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا، حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی، تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیرالدین کو پوری تسکین ہوگئی، اور اسی وقت حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقہ ارادت میں داخل ہوئے، ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے، جن کے بارے میں لطائف اشرفی میں ہے، ۔

"قاضی محمد سدھوری بصنوف علوم غریبہ و فنون معلوم عجیبہ پیراستہ بود بخصوص در علوم اصول متارالیہ بودہ اند" (ج ۱ ص ۴۰۹)

شیخ خیرالدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوئے، ان ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولادیں بھی حضرت جہانگیرؒ کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں، سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین بھی روحانی تعلیم وتربیت پاکر ممتاز خلفاء میں ہوئے، (ج ۱ ص ۴۰۷)

بنارس تشریف لے گئے تو وہاں کے بتخانوں کے پوجاریوں سے مناظرے کئے، دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہر ہوئے اور آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہانگیرؒ کی کرامت سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے (ج ۱ ص ۱۲)

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۵۰۳،

اربابِ ثروت کی اصلاح

حضرت اشرف جہانگیرؒ نے نواح جون پور کے قیام کے زمانہ میں شرقی سلطنت کے معاصر حکمراں اور امرء کبار سے گہرے تعلقات رکھے، ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ اودھ کے حاکم نواب سیف خاں اور وہاں کے امراء کس طرح حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر مستفیض ہوتے رہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ سلاطین، دربار اور امراء سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں، لیکن، فرمایا ہے کہ کوئی درویش سلاطین وامراء سے حظ نفسانی اور لذتِ شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں، درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہیئے، چنانچہ نواب سیف خاں نے اودھ کا ایک قریہ نذر کرنا چاہا جسکی آمدنی ایک لاکھ ٹنکہ تھی، تو اس کو قبول کرنا اپنی درویشی کی شان قناعت کے خلاف سمجھا، اور فرمایا

"کسے راکہ قریۂ روزگار دیگرے در اسپردہ باشد او ایں جزوی قریات مقید نہ شود[1]"

حکمراں طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق کے سنوارنے میں برابر کوشاں رہے، ایک ملفوظ میں فرمایا جہانداری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے (۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا (۲) اپنے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا، (۳) سزا دینے میں زیادتی کرنا (۴) رعیت پر ظلم کرنا[2]

بادشاہوں اور حکمرانوں کے اوقات کے نظم ونسق کی بھی تفصیل بتائی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں، اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں،:-

"بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۸۲ [2] ایضاً ص ۱۹۶،

اشراق تک وظیفہ پڑھیں، پھر علما و صلحار کے ساتھ صحبت رکھیں، اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں، اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں، اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو، جس میں رعایا اور مسلمانوں کے قضایا اور دعاوی پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو، مشایخ اور ملوک کے معروضات کو حتی الوسع کسی کے توسط سے سنیں، سادات، قضاۃ اور مشایخ کی درخواستوں کو صدر پہنچائے، اس گروہ کے لئے ایک ایسے شخص کو صدر مقرر کریں جو متدین اور ہمدرد ہو، بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہئے، وزیر تمام علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو، وکالت کا منصب ایسے شخص کو دیں جو پسندیدہ اخلاق کا حامل ہو، نہایت عقلمند سریع الفہم اور حاضر جواب ہو، اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دیں، حکومت کو چلانے میں تخلیط مناصب سے کام نہ لیں، ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھیں، قیلولہ کے وقت آرام کے لئے چلے جائیں، قیلولہ کے بعد نماز پڑھیں، اور کبھی نماز نہ چھوڑیں، ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں خصوصاً سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کریں، کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہیں، سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی، حضرت ابراہیم شاہ[1] بھی ایسا ہی فرماتے تھے، خود میں نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو میں نے اپنے

---

[1] اس سے مراد ابراہیم شاہ شرقی ہیں،

بر اور عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی برابر تلاوت کریں، اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں، اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں، اور عدل و انصاف کے اصول میں ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کریں تاکہ سلطنت میں خلل واقع نہ ہو[1]"

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"تمام ارکان دولت، وزراء و اعوان مملکت ایک نہ ایک عضو اور ایک نہ ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ میں ہیں، مثلاً مستوفی، مشرف، ناظر، عارض، تغرائی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عہدیدار، حواس خمسہ و قوای بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظہ، ذاکرہ اور حس مشترک کے مانند ہیں، امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت، ہمت، رجولیت وغیرہ کے ساتھ اعضائے رئیسہ ہیں، اور ادنیٰ درجے کے امرا مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤں کے ہیں، حاشیہ نشین قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہیں، جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے، اور ایک کے بغیر اس کے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہئے کہ ارکان دولت و اصحاب مناصب کو انکی اہلیت و استعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصوں میں مقرر کرے، اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کاموں کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دیں، اور بادشاہ ان کے کاموں سے باخبر رہے" (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۱)

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۸-۱۴۷۔

حضرت اشرف جہانگیر کی مذکورۂ بالا تعلیمات کا اثر ان کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا، اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورہ قدیم انّا کی مواظبت کیا کرتا تھا، چنانچہ اس سورہ کی برکت سے اس کی سلطنت "گل گلزار" اور "لالہ زار" بن گئی تھی[1]۔ مورخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو "دین پناہ" "علمائے شریعت محمدی کا قدردان" "درویش دوست" اور "رعیت پرور" لکھتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے

"ابراہیم شرقی کے زمانہ میں جون پور کا ہر چھوٹا بڑا بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا اور بے حد عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، شاہ و گدا سب خوش و خرم تھے، ملک میں حزن اندوہ کا نام و نشان نہ تھا،

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا، چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے، ابراہیم اس کی عیادت کو گیا، مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا، مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے پانی خود پی لیا، اور دعا کی کہ اے خدا جو بلا مولانا کے لئے مقرر ہے، وہ مجھ پر نازل فرما، اور ان کو شفا دے، اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے[2]۔"

مراۃ الاسرار میں ہے :-

"سلطان ابراہیم بادشاہ نیک و درویش دوست و رعیت پرور بود، خلائق بعہد او در مہد امن و آسائش قرار گرفت۔"

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۵۰ و ۲۳ [2] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶ ، اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ [illegible]

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاوی ابراہیم شاہی مرتب کرایا جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدون کیا تھا[1]

سفر آخرت وصال کی تاریخ صحیح نہیں بتائی جا سکتی ہے، پہلے ذکر آیا ہے کہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز سے بھی گلبرگہ میں ملے، حضرت خواجہ گیسو دراز کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے وہ ۸۲۵ھ کے بعد تک بقید حیات رہے، ان کی طویل سیاحت سے اندازہ ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی ہوگی، تب ہی اتنے مختلف مقامات کا سفر کر سکے تھے، مارچ ۱۹۶۶ء کے معارف میں ان کی تاریخ پیدائش اور وفات پر ایک مضمون نکلا ہے، مضمون نگار کا خیال ہے کہ ان کی تاریخ پیدائش ۷۰۸ھ رہی ہوگی، وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا، نماز کے وقت عالم صحو میں آتے، مرض الموت میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا، اس زمانہ میں ذکر کرتے ہوئے مؤلف لطائف اشرفی رقمطراز ہے،

"ہمہ اہالی و موالی نامزد ہر کس کار می آمد، و ہر یک را اشارت و بشارت می دادند، بعد ازیں سہ روز چند از طوائف بشرف توبہ و انابت و خلافت مشرف گشتند کہ شرح آن خدا داند، اشرف الملک والی ولایت بدوازدہ ہزار کس آمدہ بشرف ارادت مشرف گشتند" (ج ۲ ص ۴۰۸)

وفات کے روز حضرت نور العین، شیخ نجم الدین اصفہانی، شیخ محمد در یتیم، خواجہ ابو المکارم، شیخ احمد ابو الوفا خوارزمی، شیخ عبد السلام ہروی، شیخ ابو الوصل، شیخ معروف الدیموی، شیخ عبد الرحمن جخندی، شیخ ابو سعید خزری، ملک محمود، شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا، اور ان کے مراتب و مدارج کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں، اور

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۳۰۶ و نیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ ص ۶۰۷-۶۰۸،

تبرکات دیئے، حضرت سید عبد الرزاق الملقب بہ حضرت نور العین کو حضرت جہانگیر نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا، اس لئے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا، اور ان کو وہ خرقے عطا کئے جو ان کو (یعنی حضرت اشرف جہانگیر کو) حضرت شیخ علاء الدین لاہوری، شیخ الاسلام شام اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملے تھے، بزرگان چشت کے وہ تبرکات بھی دیئے جو ان کو ان کے مرشد کے ذریعہ سے دستیاب ہوئے تھے، پھر حضرت نور العین کے لڑکوں کو بلاکر ان کے لئے دعائیں کیں، اسی طرح اپنے مختلف خلفاء کو بھی نصیحتیں کر کے خاص خاص ہدایتیں دیں اور تبرکات دیئے، پھر ظہر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد قوالوں کو طلب کر کے محفلِ سماع کی خواہش کی، قوالوں نے سعدی کی غزل شروع کی جب انھوں نے یہ شعر گایا!

گر بدست تو آمدہ است اجلم   قد رضینا بما جری القلم

تو ان پر وجد طاری ہوا، اور جب قوالوں نے یہ شعر پڑھے،

خوب تر زیں دگر نباشد کار   یار خندد و رود بجانب یار

سیر بیند جمال جاناں را   جاں سپارد بگار خنداں را

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اور اسی حالت میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ وصال کے وقت عمر شریف ایک سو بیس[۱] برس کی تھی، روضۂ مبارک کی تعمیر زندگی ہی میں ہو گئی تھی، اس میں محو خواب ابدی ہیں، روضہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جو کوئی آسیب زدہ یہاں آکر کچھ دنوں قیام کرتا ہے، اس کا آسیب جاتا رہتا ہے، چنانچہ آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آکر آسیب زدوں کی ایک بڑی تعداد مقیم رہتی ہے۔

روحانی مرتبہ | حضرت اشرف جہانگیر صوفیائے کرام میں امام السالکین، برہان العاشقین

---

[۱] تفصیل کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۲۸ - ۱۴۰۶

قطب ربانی، غوث الانام، اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں، لطائف اشرفی کے مؤلف نے ان کے لئے قدوۃ الکبریٰ کا لقب استعمال کیا ہے، صاحب اخبار الاخیار رقم طراز ہیں :-

"از کاملان است صاحب کرامات و تصرفات" (ص ١٥٧)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے :-

"از عظماء اولیا و کبرای اتقیای خطۂ ہندوستان است" (ص ٣٧١)

مرآۃ الاسرار کے مولف لکھتے ہیں :-

"آں سلطان مملکت الدیباداندیں آں سر حلقۂ عارفان ارباب علم و یقین آں محب و محبوب خاص ربانی غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ از بے نظیران روزگار بود و شانے بغایت رفیع و ہمتے بلند و کرامتے وافر داشت"

(قلمی نسخہ دار المصنفین، ص ٥٢٩)

علمی مرتبت | علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ کا مرتبہ بلند تھا، وہ معقولات و منقولات کے بھی جید عالم تھے، اور جب کبھی علماء و فضلاء سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی، لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں، ان مباحث سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے، وہ صوفیانہ رموز و نکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے[1]، اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے، تمام علوم و فنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے، اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا

---

[1] مثال کے لئے دیکھو لطائف اشرفی ج ١ ص ٢٦ - ٢٥، ١ و ج ٢ ص ٣٠ - ١٢٩،

جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے،

"اولیا رب فانی اللہ و باقی باللہ نمی رسند مگر بمتابعت شریعت آں پیشوائے قوافل اصفیا و مقتدائے طوائف اولیا یعنی محمد مصطفیٰ صلعم ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، اعتقاداً و حالاً ہر کسے در ظلمات نفس عادی و در درکات اسویہ باطلہ ہادی گشتہ و در اسفل السافلین طبیعت مقید شہوت و اسیر ضلالت و اخلاق ناپسندیدہ شدہ اگر اہل علم است مقتضای علم و عمل نمی کند و بشرط علم در مجموع اوقات و احوال متابعت شریعت نمی نماید بدرجات رفیعہ جمالی و اعلیٰ علیین معارف ربانی و مقعد صدق عرفانی عیانی نرسد و از مشرب عذاب آب معرفت رحمانی کہ چوں آب حیات در ظلمات طبیعت انسانی ست شربتے نچشد و جام شیریں شراب وجدانی بکام ایقانی نکشد" (ج ۱ ص ۱۳۵)

نماز جمعہ کی پابندی | زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گذرا، لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا، حتیٰ کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی۔ لطائف اشرفی میں ہے،

"حضرت قدوۃ الکبرا را قاعدہ مقرر و قانون مستمرہ بود کہ نماز جمعہ در سفر و حضر متروک نہ شدہ است" (ج ۱ ص ۲۲)

خلفاء | حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خلفاء میں زیادہ تر علماء و فضلاء تھے، ان میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ صفی الدین ردولوی، شیخ سماء الدین ردولوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدھوری، قاضی محمد سدھوری کے علم و فضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اور دوسرے خلفاء میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے[۱]، شیخ معروف الدہلوی کو ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت تھی، علم

---

[۱] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۰۴،

زہد، تقویٰ، عبادت اور ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے[1]، حضرت قاضی حجت معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے، کچھوچھہ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے[2]۔

شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کئے اور ادب کا لحاظ نہ رکھا، لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی، تائب ہو کر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے، اس لئے خلیفہ بھی بنائے گئے، گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، انھوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا[3]، گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے[4]،

تمام خلفاء شریعت کے پابند ہوتے ان میں سے شیخ راجا کو زہد، تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، وہ تارک صلوٰۃ سے ملنا، جلنا، بولنا چالنا اور اس کے ساتھ کھانا، پینا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے[5]،

خلفاء میں حضرت سید عبد الوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا، ایک بار حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا، وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا، حضرت سید عبد الوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا، اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے[6]،

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰۲، [2] ایضاً ص ۲۰۴، [3] ایضاً ص ۱۱۳، [4] ایضاً ص ۱۱۴، [5] ایضاً ص ۱۱۵، [6] ایضاً ص ۱۲۰، ایضاً ص ۱۲۰،

بعض امراء بھی خلیفہ ہوئے، نواب سیف خاں حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آچکا ہے،
حضرت اشرف جہانگیر جب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی سے نیاز حاصل کرنے کے لئے
ماوراء النہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر پر امیر تیمور صاحبقران کے ایک امیر شیخ
ابوالمکارم سے ملاقات ہوئی پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل سلطنت کے کاروبار
سے منحرف ہوگیا اور امارت وشوکت چھوڑکر راہ سلوک میں گامزن ہوئے، بارہ سال تک
ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات دواردات کی منزلیں طے کرلیں تو مرشد نے ان کو خلافت
دی، اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے، مرشد کے حکم کے موجب سمرقند میں سکونت
اختیار کی، جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، لطائف اشرفی میں ہے کہ "ان کے ملفوظات
اور دوسری تصانیف حقائق ومعارف کے رموز ونکات سے پُر ہیں" [1]

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہانگیرؒ نے خلافت
دی، حضرت اشرف جہانگیر اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب دستان پہنچے، تو ہزاروں ازبک،
ترک، خچاق، لاچین، اور قوچین قبیلوں کے خواص وعوام ان کے حلقۂ ارادت میں داخل
ہوئے، اور ان کی خدمت میں گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کئے، اس طرح ان کے
اردگرد ایک لشکر کا سامان جمع ہوگیا، اس زمانہ میں امیر تیمور سمرقند میں تھا، بعض لوگوں نے
یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہانگیر ایک لشکر جمع کرکے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ
رکھتے ہیں، لیکن تیمور حضرت جہانگیر کو پہلے سے جانتا تھا، اس لئے اس خبر سے پریشان ہونے کے
بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہانگیرؒ کی خدمت
میں بھیجا، نذرانے میں بہت سے مال واسباب تھے، لیکن جب یہ سامان حضرت اشرف جہانگیرؒ

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۹۰۔

کے پاس پہنچا تو انھوں نے تمام چیزوں کو فقرار و مساکین میں تقسیم کر دیا، جمشید بیگ حضرت اشرف جہانگیر سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علٰحدہ ہو کر درویشی اختیار کر لی اور مرید ہو کر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے، اور جب پوری تعلیم و تربیت کے بعد ان کو خلافت ملی تو کچھوچھہ سے پھر اپنے وطن واپس کر دیے گئے، جہاں انھوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا[۱]،

ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ و حشم چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے اور حضرت اشرف جہانگیرؒ سے خلافت پائی، دونیری(؟) میں رہ کر اطراف و جوانب کے لوگوں کے اخلاق و کردار سنوارتے تھے، بنگالہ کا معاصر حکمراں ان کا بہت معتقد تھا[۲]،

خلفار میں حضرت سید عبدالرزاق کہ اشرف جہانگیر کے دینی فرزند کہلاتے تھے، اس لئے ان کا لقب نور العین تھا، بارہ سال کی عمر میں بیعت کی، اور ۲۰ سال تک مرشد کی خدمت کی، چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی،

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر سرورپوری تھے، جن پر حضرت اشرف جہانگیر اتنا نظر التفات رکھتے کہ خود حضرت سید عبدالرزاق نور العین کو ان پر رشک ہوتا تھا، ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی، حضرت اشرف جہانگیر ان کو اپنے حجرۂ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے، ان کا لقب در یتیم تھا[۳]،

بعض اور دوسرے خلفار کے اسمائے گرامی یہ ہیں، سید عثمان، شیخ رکن الدین و شیخ قیام الدین (دونوں لاچین ترک تھے، عراق سے ہندوستان آئے تھے) شیخ اصیل الدین، شیخ جمیل الدین

---

[۱] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۴ - ۹۰۴ [۲] ایضاً ص ۱۰۴ [۳] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۲ میں وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ گوہر اسرار و جواہر انوار از بحر قابلیت وی بساحل ظہور سر بر آورد و تسمیۂ وی بہ در یتیم کردہ اند"

مولانا ابو المظفر لکھنوی، شیخ فخر الدین، قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان، شیخ تاج الدین، شیخ محمود کنتوری، شیخ عبداللہ سارسی، شیخ کمال جائسی، ابو محمد عرف میاں مٹھن سدھوری۔

تعلیمات | حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں:۔

(۱) بشارت المریدین (۲) مکتوبات اشرفی (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی،

لطائف اشرفی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر آیت وصال سے پہلے ایک شانہ روز قبر میں جا کر رہے، اور وہیں اپنی کیفیات کو قلمبند کیا، جس کا نام بشارت المریدین رکھا، (ج ۲ ص ۴۱۰)

مکتوبات کے بارہ میں اخبار الاخیار میں ہے:۔

"اور مکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ" (ص ۱۶۷)

اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے، جو انھوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا، اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے،

حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں، جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب یمنی نے مرتب کیا ہے، اور وہ حضرت اشرف جہانگیر کے مرید تھے، اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے،

لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے، اور نو سو صفحے پر مشتمل ہے، یہ حضرت اشرف جہانگیر کی سوانح عمری بھی ہے، اور ان کی تعلیمات کا آئینہ بھی، اس میں کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے، تو کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات ہیں، کہیں صوفیانہ نکات پر مباحث ہیں تو کہیں صوفیہ کرام کے مختلف خانوادوں کے

مختصر تاریخ، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کہیں آلِ رسول، کہیں خلفائے راشدینؓ، اور کہیں ائمہ کبار کے حالات ہیں، تو کہیں صوفی شعراء پر دلچسپ تبصرہ ہے، غرضیکہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جا سکتا ہے،

حضرت اشرف جہانگیرؒ چشتیہ سلسلہ سے منسلک تھے، اس لئے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگانِ چشت کی تھیں، اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، پھر بھی انھوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے، جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکے ہیں، اس لئے ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔

علم کی اہمیت حضرت اشرف جہانگیرؒ نے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے اسلئے راہ سلوک تا توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لئے ضروری قرار دیا ہے، فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہیں تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہئے، علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے، (ج ا ص ۱۰۰ و ۱۰۳)

توحید حضرت اشرف جہانگیرؒ نے مسئلۂ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے جس شرح و بسط کے ساتھ یہ مباحث لطائف اشرفی میں ہیں ان کو ہو بہو یہاں پیش کرنا آسان نہیں، ہم صرف اُن کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

ان مباحث میں توحید کی کئی قسمیں بتائی گئی ہیں،

(۱)، توحید ایمانی، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کی صداقت پر اعتماد کرکے یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے،

(۲) توحید علمی، ادراکِ باطن سے درجۂ یقین تک پہنچنا کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی "موجد حقیقی" اور "موثر مطلق" نہیں، یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے،

(۳) توحید رسمی، اپنی ذہانت یا مطالعۂ اشیاء، یا سنی سنائی باتوں کی بنا پر خدا کو ایک سمجھنا، حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہیں رکھتا، یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے،

(۴) توحید حالی، اس توحید میں موحد واحد کے وجود کے حال میں ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اس کو واحد کی ذات وصفات کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی، وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماوراء ہو کر دیکھتا ہے، اور بحر توحید میں اپنے کو صرف ایک قطرہ پاتا ہے، توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور سے ہوتا ہے، اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو جاتے ہیں، اور جو باقی رہ جاتے ہیں، ان سے اقوال و افعال سرزد ہوتے ہیں،

لیکن حضرت جہانگیرؒ کے نزدیک اصلی اور حقیقی توحید توحید الٰہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوئی موحد ہو یا نہ ہو، مگر خدا ازل الازال سے بذات خود وحدانیت اور فردانیت سے متصف ہے، یعنی وہ تھا، تب کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہے، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے، اور ابد الآباد تک اسی طرح رہے گا، اس حقیقت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی موحد اس کو واحد بتائے،

وحدت وجود لطائف اشرفی کی جلد دوم میں ایک مستقل باب (لطیفہ بست وہفتم) وحدت وجود پر ہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ جب دوسری بار دنیا کی سیاحت کے لئے نکلے تو بخارا کے اکابر سے ملاقات کے دوران میں ان کو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر وبیشتر علماء و فضلاء وحدت وجود کے منکر ہیں، انھوں نے ان سے بحث کر کے دلائل

و براہین سے ان کو وحدتِ وجود کا قائل کیا۔ اس بحث کو لطائف اشرفی کے مؤلف نے نقل کیا ہے، یہ دقائق وغوامض سے پُر ہے، پھر بھی اختصار کے ساتھ اس کو ہدیۂ ناظرین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے،

فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) وحدتِ مطلقہ من حیث الذات والصفات (۲) وحدتِ مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات،

ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو، اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات وصفات کے ساتھ معدوم ہوں، مثلاً وحدتِ باری یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا، تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی،

صفات کی حیثیت سے وحدت کے مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کہ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو، جیسے وحدت باری قدم اور تخلیق کی صفت کے ساتھ متصف ہے،

وحدتِ مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے، اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے،

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق اور اثبات چند طریقوں سے کیا جاتا ہے،

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں، مشرکین اس توحید کے منکر ہیں،

دوسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ وہی ساری اشیاء کا خالق اور کائنات کا موجد ہے، ثنویہ، فلاکیہ، طبائعیہ اس توحید کے منکر ہیں،

تیسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں، مشبہہ اس توحید کے منکر ہیں،

چوتھا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں، اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، دہریئے اس کے منکر ہیں،

پانچواں یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے، کیونکہ ترکیب اجسام کے عوارض سے ہے، اور باری تعالیٰ جسم نہیں، مجسمہ اس توحید کے منکر ہیں،

شریعت میں ذات وصفات دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے،

مجازی۔ یعنی باری تعالیٰ اس معنی میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا وجود گویا نہیں ہے،

حقیقی۔ یعنی خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں، جو کچھ ہے وہی ہے، ہمہ اوست، عوام اور بعض علماء اس توحید کے منکر ہیں، لیکن حضرت اشرف جہانگیرؒ کے نزدیک حقیقی توحید یہی ہے، اور انھوں نے اس کو آیات قرآنی، احادیث نبویؐ اور دوسرے دلائل سے ثابت بھی کیا ہے[۱]، اسی سلسلہ میں وجود کی بھی بحث آگئی ہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ نے وجود کی تین منزلیں قرار دی ہیں،۔

---

[۱] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۳۱-۱۳۰

(۱) وجود بشرط شے، یا وجود مقید، یعنی ایک چیز کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ ایک چیز اور بھی ہو، اس میں ہمہ اوست کی گنجائش نہیں، اور کوئی اس کا قائل نہیں،

(۲) وجود لابشرط شے، یعنی وجود تو ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں،

(۳) وجود بشرط لاشے، یعنی وجود مطلق، یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں، وجود کی اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے، حضرت اشرف جہانگیرؒ کے خیال کے مطابق اس پر سب کو اتفاق ہے، وجود شرط لاشے کے ماننے پر اعتراض ہوتا ہے، اور معترضین کو اسی سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں[۱]،

ولایت | توحید کا واقف اور اللہ کا اصل ولی کہلاتا ہے، ولی کے لئے ضروری ہے، کہ وہ عالم ہو، جاہل نہ ہو، (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۷۰) اس کے افعال و حرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت و طریقت کے مطابق ہوں، وہ سیرت نبویؐ اور اوصاف مصطفویؐ کا متبع ہو، (ج ۱ ص ۶۴) اس میں لطافت زبان، حسن اخلاق، شگفتگی، فیاضی اور بےغرضی ہو (ج ۱ ص ۶۴) وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی سے نکل کر اوصاف حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو، اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو، یہی اس کی معراج ہے (ج ۱ ص ۶۹)

حضرت اشرف جہانگیرؒ کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا امامان یا اوتاد یا ابدال یا اخیار یا ابرار یا نقبا یا نجبا یا مکتومان یا مفردات[۲]، وہ فنا فی اللہ و ابقاء باللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ہیں، جب تک کہ وہ ظاہراً، باطناً قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوں (ج ۱ ص ۱۲۵) ایک موقع پر فرمایا (ج ۱ ص ۱۶۷)

---

[۱] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۶ [۲] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۱۸-۹۷ میں ان اولیاء اللہ کی علٰحدہ علٰحدہ خصوصیات ہیں،

"ہرکہ ازیں طائفہ خلافِ روشِ موسیٰ و غیر متابعتِ مصطفویؐ پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است۔"

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محال ست سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

ولایت کے شرائط | ایک ولی اللہ کے منجملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے، جب کہ (۱) اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو (ج ا ص ۱۴۸) (۲) وہ دل میں خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو (۳) وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مواخذہ کرتا ہو، (لطائف اشرفی ج ا ص ۱۴۹) (۴) وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو (ج ا ص ۱۵۱) (۵) اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان میں ظاہر ہوتا ہو (ج ا ص ۱۵۳-۱۵۲) (۶) مریدوں کو دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو، (ج ا ص ۱۵۴) (۷) مریدوں کو اپنی قوت رکیہ کا یقین دلاتا ہو (ج ا ص ۱۵۶) (۸) اگر کسی شیخ کو اپنے سے برتر پاتا ہو تو اس کی صحبت اختیار کر لیتا ہو (ج ا ص ۱۵۷) (۹) وہ عالم ہو (ج ا ص ۱۶۱) (۱۰) مریدوں کے ساتھ چوبیس گھنٹے میں ایک دفعہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۱۶۲)

ارادت کے شرائط | مریدوں کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:۔

(۱) وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں (ج ا ص ۱۶۲) (۲) وہ اپنے شیخ پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کریں، (ج ا ص ۱۶۳) (۳) طلب شیخ میں صادق ہوں (ج ا ص ۱۶۶) (۴) شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھیں اس کی اقتدا بلا اجازت نہ کریں (ج ا ص ۱۶۹) (۵) شیخ کے کلام اور احکام کی تاویل نہ کریں، (ج ا ص ۱۷۰) (۶) شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات نہ کریں

(ج ا ص ۱۷۰) (۷) اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھیں (ج ا ص ۱۷۲) (۸) شیخ کے احکام میں خیانت نہ کریں (ج ا ص ۱۷۳) (۹) دونوں جہاں میں سے کسی چیز کی خواہش نہ کریں (ج ا ص ۱۷۰) (۱۰) شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اس کی وہ بھی اطاعت کریں (ج ا ص ۱۷۵)

یہ تو شرائط ہوئے، شیخ و مرید کے آداب بھی الگ الگ بتائے ہیں، شیخ کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

شیخ کے آداب (۱) مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر راہ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو (ج ا ص ۱۸۱)

(۲) وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو (ج ا ص ۱۸۵)

(۳) وہ صاحب ایثار ہو (ج ا ص ۱۸۶)

(۴) اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو (ج ا ص ۱۸۸)

(۵) وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو (ج ا ص ۱۸۹)

(۶) اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو (ج ا ص ۱۹۰)

(۷) وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو (ج ا ص ۱۹۱)

(۸) اس کے احوال کا ملبہ اس کے اعمال صالحہ کا ثمرہ ہو (ج ا ص ۱۹۲)

(۹) وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو (ج ا ص ۱۹۶)

(۱۰) وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور (ج ا ص ۱۹۸)

مرید کے آداب مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لئے فتح الباب سمجھتا ہو (ج ا ص ۲۰۰)

(۲) وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو (ج ا ص ۲۰۱)

(۳) دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۲)

(۴) شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۳)

(۵) اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۴)

(۶) شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۱۰۵)

(۷) شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو، اور نہ کہتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۶)

(۸) شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو، اس کو افشا نہ کرتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۶)

(۹) شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۹)

(۱۰) شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو (ج ۱ ص ۲۱۰)

شیخ کے اوصاف | شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں۔

(۱) اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو، (۲) اس کو خدا سے براہ راست حقائق حاصل ہوں (۳) اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت (یعنی قربت) سے ہو، (۴) علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو (۵) علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو (ج ۱ ص ۲۵۵)

مرید کی تعلیم | مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے، اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہو جاتی ہے، اتنے ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے، پھر دل کی صفائی کی زیادتی سے سفید ہو جاتا ہے، آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے، اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے، تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے، اور اس پر شکل سے نظر جمتی ہے، اور جب اس نور کا عکس نور روح پر پڑتا ہے، تو دل اور روح کے سارے حجابات نظر سے دور ہو جاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے، جس میں نہ رنگ ہے، نہ کیفیت نہ حد ہے،

نہ مثل، نہ تمکین ہے نہ تمکن، اور اس کے لئے نہ طلوع ہے، نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد، اور نہ عرش ہے، نہ فرش،۔

یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے، ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے،

توبہ | توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غصب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی احراص ہے (ج ۲ ص ۱۸۰) پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں یعنی نماز روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے، البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے،

نماز | نماز کے لئے ایک سالک وضو کرتا ہے تو اس لئے کہ (۱) اس کی جسمانی طہارت ہو، اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن اوہام و وساوس سے پاک ہو (۳) اس کے حواس باطن پاک ہوں، (۴) اس کی روح پاک ہو (ج ۲ ص ۱۵۵)

نماز میں خضوع و خشوع ضروری ہے، ورنہ اس کی مثال قالب بے جان کی ہوگی، نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے :۔

(۱) حضور قلب (۲) فہم معانی (۳) تعظیم و ہیبت (۴) خوف و رجا (۵) حیا،

لذت بھری نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، (ج ۲ ص ۱۵۶)

روزہ | سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کر کے ہوا و نفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح اپنے باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے، (ج ۲ ص ۱۵۰)

زکوٰۃ | شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل دائم سے آگاہ ہو، اور پیر و مشائخ علم سلوک کو سمجھائیں، مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق و معارف کی تعلیم دیں،

حج | ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے، تو دنیا کے علائق و عوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے، عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں، اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا و مروہ میں سعی کے لئے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے، تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لئے ذبح کر دیتا ہے، (الخ ایضاً ج ۲ ص ۱۶۳)

جہاد | حضرت اشرف جہانگیرؒ نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، لطائف اشرفی میں ہے،، (ج ۲ ص ۱۶۵)

"حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند جہاد کردن در راہ خدائے تعالیٰ فرض است بر جمیع عباد وقتیکہ خروج کفار شود اما درون خروج کفار فرض کفایہ باشد"

اور اگر کوئی معذور ہو تو وہ حج کرے، اور ... حج بھی نہ کر سکے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے، کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے،

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار،

وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے،

توکل | اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے، توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لئے کسی سے سوال نہ کیا جائے، اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کرلے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے،

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور واپس لے لیتا ہے، لیکن وہ بہر حال روزی پہنچاتا ہے، اس لئے اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی، لیکن اس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے (ج ۲ ص ۲۴۲)

تسلیم و رضا | خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے، لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو، یہی تسلیم و رضا ہے، لیکن ہر حال میں روزی کے لئے کسب کرنا لازم ہے، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیرؒ کے ملفوظات ملاحظہ ہوں:-

"حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے، اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے، اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے، ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہوگئے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاءؑ کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں، اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری رتبہ تک نہیں پہنچے ہیں، اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لئے جائز بلکہ لازم ہے" (ج ۲ ص ۲۴۳)

جود و ایثار | کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دیدیتا ہو، اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے،

لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے، اور سب کچھ دیکر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو، تو وہ صاحب ایثار ہے، (ج ۲ ص ۲۴۰)

حضرت اشرف جہانگیرؒ نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے، مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتلائے ہیں:۔

کھانے پینے کے آداب (۱) زندہ رہنے کے لئے کھانا فرض ہے، خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لئے کھانا سنت ہے، سیر ہو کر کھانا مباح ہے، لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے، (ج ۲ ص ۱۸۶)

ایک سالک کے لئے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں (۱) جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہو، (۲) کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے، (۳) راضی برضا ہو کر کھاتا ہو، (۴) کھانا عبادت و طاعت کے لئے کھاتا ہو،

اسی طرح اس کے لئے چار چیزیں سنت ہیں (۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے (۲) کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد للہ کہے (۳) کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے، (۴) کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھادے اور بایاں پاؤں گرادے،

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا اگر جاتا ہو تو اس کو اٹھا کر کھا لیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو، (ج ۲ ص ۱۸۰)

مہمان داری سالک پر مہمانداری کے فرائض یہ ہیں:۔

وہ مہمان کو اپنے لئے باعثِ برکت سمجھے، وہ آئے تو ماحضر یا شربت حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھدے، اس کی خاطرداری میں اپنے اوپر تکلیف

نہ اٹھائے،

"قصد تکلیف نہ کند کہ موجب دشمنی می شود"

اگر قدرت ہو تو حسبِ طاقت تکلیف اٹھائے، اور اعزہ و اقربا کو بھی بلائے، لیکن ان کو بلانے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے، مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے، بلکہ خود کھانا لے آئے، کھانے کا آغاز مہمان ہی کرے، کھانے میں مہمان کو جلدی کرنے کی فہمائش نہ کرے، مہمان کے سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے۔ (ج ۲ ص ۱۹۶-۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے، دائیں بائیں نہ دیکھے، ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے، اس سے دنارت کا اظہار ہوتا ہے، اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے، (ج ۲ ص ۱۹۵)

حضرت سیّد محمد گیسودرازؒ

اسم گرامی والقاب | اسم گرامی سید محمد، کنیت ابو الفتح، القاب صدرالدین ولی الاکبر الصادق ہیں، عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں، خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی، ان کے بال بڑے بڑے تھے، پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، پالکی کو کندھے پر لیکر دور نکل گئے، بال الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی، لیکن مرشد کے عشق ومحبت میں خاموش رہے، اور غایتِ تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے، جب حضرت شیخ نصیرالدینؒ کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محنت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور اسی وقت یہ شعر پڑھا،

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد　　واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے،[1]

نسب نامہ | خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابو الفتح محمد بن یوسف بن علی بن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابو الحسن الجندی بن حسین بن ابی عبد اللہ بن محمد بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن امام حسینؓ ابن سیدنا علی بن ابی طالبؓ[2]،

---

[1] اخبار الاخیار ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۸۱ [2] سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سید گیسو دراز مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس سبزی منڈی، الہ آباد،

خاندان حضرت گیسو درازؒ کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے، تھے یہیں ۷۲۱ھ میں ان کی ولادت باسعادت ہوئی[1] ان کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے ارادت تھی، اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں،

"پدرمن ز یاران خدمت شیخ نظام الدین بود" (ص ۲۸)

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید تھے[2]

قیام دیوگیر جب حضرت گیسو دراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے، اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسو درازؒ کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی تھے، یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے، جن کی صحبت میں حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد برابر شریک رہتے، والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسو دراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، یہ بڑی شفقت سے پیش آتے، چنانچہ انھوں نے بچپن ہی میں ان کے لئے اچھے کلمات استعمال کئے[3]

طفلی آٹھ سال کی عمر میں حضرت گیسو درازؒ سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے، اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے، اور وضو کے لئے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لئے رکھتے، حضرت گیسو درازؒ اس کم عمری میں بھی مشایخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے[4]

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہو گیا، اور یہیں سپرد خاک ہوئے، آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے،

ابتدائی تعلیم ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی، اور پھر دوسرے استاذ سے مصباح اور

[1] سیر محمدی ص ۲، [2] ایضاً ص ۵ [3] ایضاً ص ۵ [4] ایضاً،

قدوری پڑھیں[1]، نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا نام برابر سنتے تھے، چنانچہ ایام طفلی ہی میں خواجگانِ چشت سے عقیدت پیدا ہوگئی اور حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے،

مراجعت دہلی | جب حضرت گیسو درازؒ کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہوگئی، اور وہ دل برداشتہ ہوکر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں، اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال کی تھی،

بیعت | دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو درازؒ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا، تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال وانوار سے مسحور ہوگئے، اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی،

تربیت | بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی، کہ مرشد کی جلد جلد قدمبوسی کریں، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے، ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا تم جب بھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو، میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں، حضرت گیسو دراز اس شفقت کو اپنے لئے بڑی دولت تصور کرتے رہے[1]،

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت و ریاضت میں تدریجی ترقی کی، اپنے ملفوظات

۱؎ تحفۂ احمدی ص ۱۰۱ و ۱۰۲، جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز مرتبہ سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج ص ۲۰

یں فرماتے ہیں :۔

"ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لئے حاضر ہوا (حضرت خواجہ نے) فرمایا صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے، میں نے عرض کی جی ہاں۔ آپ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے، فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو، میں نے کھڑے ہو کر عرض کی، آپ کے صدقہ میں پڑھونگا، پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکر النہار اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا، تو ایک روز فرمایا دوگانہ اشراق پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا بلاناغہ پڑھتا ہوں، ارشاد فرمایا اگر اس میں چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، میں نہیں کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی،

میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا کیا تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں، پھر پوچھا شعبان میں بھی، میں نے کہا شعبان میں ۹ روزے رکھتا ہوں، فرمایا اگر اکیس[۲] دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے میں نے گذارش کی، آپ کے صدقہ میں رکھوں گا، میں نے اپنی والدہ سے کہا، وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہیں ہوئی تھیں، مجھ پر برہم ہوئیں، کچھ سخت و سست بھی کہا، میں نے ان سے عرض کیا، آپ جو چاہیں کہیں لیکن شیخ نے جو کچھ فرمایا ہے، اس پر عمل کرنے سے باز نہیں آؤں گا،

میں رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا ان ہی ایام میں ایک دن قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا ہمارے خواجگان صوم داؤدی

نہیں رکھا کرتے بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا کرو،" خوارق الکلم ص۳۹-۴۰)

باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، کچھ کتابیں مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبدالمقتدر سے پڑھیں،

ریاضت | ذکر و فکر میں زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیر خاں جہاں پناہ کے ایک حجرہ میں آکر مراقبہ کرنے لگے، اور یہاں دس برس تک ریاضت کی، یہیں سے مولانا قاضی عبدالمقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے اور وہاں سے مرشد کی پابوسی کے لئے پہنچتے، علوم باطن کے حاصل کرنے میں علوم ظاہری کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا، اس لئے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دوں، اور علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول رہوں، لیکن مرشد نے فرمایا، ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو۔ تم سے ایک کام لینا ہے[۱]، مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور انیس سال کی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور جب ان علوم سے فراغت ہو گئی تو ریاضت شاقہ کی طرف توجہ کی، پنجگانہ، دوگانہ، پانزدہ گانہ ادا فرماتے، اور طی کے روزے رکھتے،

حضرت چراغ دہلیؒ اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے، ایک موقع پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ میں شوریدگی پیدا کر دی ہے، اور پہلے زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلا دیئے ہیں[۲]، چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی، ایک بار خود حظیرۂ شیر خاں تشریف لے گئے، اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپیے بھی نذرانے میں

---

[۱] سیر محمدی ص ۱۶ "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف و تالیف کا کام ہے۔ [۲] سیر محمدی ص ۱۱۶

پیش کیے، جس کے بعد سے حضرت گیسو دراز کی بڑی شہرت ہوئی، اور با کمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں مقام پیران واصل و مقتدایانِ کامل کا درجہ حاصل ہے[5]، ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے[6]،

خدمت مرشد | عزلت و خمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک رہے، اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے، علی الصباح اٹھ کر مرشد کو وضو کراتے، پھر خود وضو کر کے نماز صبح با جماعت ادا کرتے، اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے طالبانِ حق کو سلوک کی تعلیم دیتے، اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی، تو اس میں شریک ہوتے، اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یادِ حق میں مصروف رہتے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے، ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے، ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لیجاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کر کے شرکت کرتے، اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشا تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے، پھر بقدر سدِ رمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے، اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے، پھر مرشد کو وضو کراتے، اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف

---

[5] سیر محمدی ص ۱۷ [6] ایضاً ص ۱۱،

ہو جاتے، اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے، کہ جب مرشد صبح کی نماز کیلئے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کے لئے سامان تیار ملے،[۱]

شفقت مرشد | پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو ان کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایت تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا، جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے، اور ایک شعر پڑھا جس میں ان کو گیسو دراز کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا،

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی، چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت گیسو دراز ہی سے اپنی صحت کے لئے دعا کرائی، اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی،[۲]

حضرت گیسو دراز اپنی عمر کے ۴۰ ویں سال خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے، اور اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے ان کے لئے دوا، طبیب اور تیمار دار بھیجے، اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے کے لئے روانہ فرماتے، اور جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بے حد خوش ہوئے، اور اپنا کمل عطا فرمایا، اس ملاقات کے بارہ میں سیر محمدی کے مؤلف رقمطراز ہیں :-

"اپنا کمل اپنے سامنے سے اٹھا کر حضرت مخدوم رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی کے لئے

---

[۱] جوامع الکلم نیز دیکھو سیر محمدی ص ۶۵-۶۴ [۲] سیر محمدی ص ۱۵

محنت و مشقت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ سید محمد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو، یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو' حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا، اور خاموش رہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا میں نے قبول کیا، پھر ارشاد فرمایا قبول کر لیا، حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا، اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں، ایک تو یہ کہ اپنے ظاہری اوراد ترک نہ کرنا، دوسرے یہ کہ میرے متعلقین کے ساتھ رعایت و مراعات کرنا۔ (ص۲۳)

سجادہ نشینی حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت سید گیسو دراز ہی نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا تھا، اس کی ڈوریاں پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں، کہ یہ میرا خرقہ ہے[1]، حضرت چراغ دہلی کے سوانح حیات کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے کہ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا پسند نہیں فرمایا لیکن سیر محمدی کے مولف کا بیان ہے کہ انھوں نے رحلت کے وقت حضرت سید گیسو دراز کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کیا (تفصیل کے لئے دیکھو سیر محمدی ص ۴۵-۱۴۴) چنانچہ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہو کر سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، سیر محمدی میں ہے :۔

"بعد زیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلی) سجادۂ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے، اور اپنا ہاتھ بیعت کے لئے بڑھا دیا، طالبان حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیر الدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین و ارشاد فرمایا کرتے تھے ....

---

[1] سیر العارفین ص ۹۰

زمانۂ شیخوخت میں بہت سے علماء، صلحاء، سلاطین، خواتین اور قسم قسم کی مخلوق
آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی۔" (ص ۲۶ - ۲۵)

علماء اور حضرت گیسو درازؒ دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین حضرت گیسو درازؒ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو درازؒ سے اپنی بدعقیدگی کا اظہار کیا، اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے، انھوں نے جواب دیا تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں، دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسو درازؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، سر پر عمامہ تھا، اور ہاتھ میں سرخ کپڑے کا پنکھا لئے ہوئے تھے، مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے تو پنکھا اور عمامہ مجھکو عنایت فرمائینگے حضرت گیسو درازؒ کو کشف ہوگیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے! اسی وقت ان کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا، مولانا سنو! بغداد میں ایک بازیگر تھا، وہ مجمع میں ایک گدہے کو لاکر کھڑا کر دیتا، اور اسکی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا، اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چرا لے تو میں اس کو پکڑ لونگا، اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چرا لیتا اور وہ بازیگر گدہے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے، تو اس کو پکڑ لا گدہا سب کو سونگھتا پھرتا، اور جب چور کے پاس پہنچتا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا اور اسکو کھینچ کر بازیگر کے پاس لے آتا، اس قصہ کو بیان کرکے حضرت سید گیسو درازؒ نے فرمایا یہ بھی مشکل ہے، اگر کوئی اظہار کرامت کرے تو اس گدہے

کے مانند ہے، اور اگر اظہار کرامت نہ کریں تو لوگ اسے بے نعمت کہیں، یہ کہہ کر مولانا حسین کے داماد کو بٹھا اور عمامہ دیا، اور فرمایا لیجئے اور لے جائیے مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے، اور اسی وقت بیعت میں داخل ہو کر ذکر حق میں مشغول رہنے لگے[1]

دہلی کے مولانا نصیر الدین قاسم اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے، انکے استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا، حضرت سید گیسو دراز کے بچے ان سے درسی کتابیں پڑھتے تھے، کبھی وہ مولانا نصیر الدین قاسم ہی کے گھر پر چلے جاتے، اور کبھی مولانا خود خانقاہ ہی میں آکر ان کو پڑھاتے، مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے اعتقاد نہ تھا، لیکن آخر میں حضرت گیسو دراز سے بیعت کر لی، مولانا معین الدین عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قاسم کو بلا کر کہا تم تو خود عالم تھے، پھر سید محمدؒ کے مرید کیوں ہو گئے، مولانا نصیر الدین نے عرض کیا، پہلے عالم تھا، اب حضرت مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں[2]

ملک زادے بھی مذہبی اور روحانی استفادہ کے لئے برابر خدمت میں حاضر ہوتے رہتے، ایک بار ایک ملک زادے آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھوں میں ان ہی کا لکھا ہوا ایک رسالہ تھا، ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی، وہ دہلی کے مولانا قاضی عبد المقتدر کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا، کہ حضرت گیسو دراز نے لکھا ہے کہ مخلوق کیساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کیساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے، مولانا قاضی عبد المقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے تو انہوں نے یہ بات

---

[1] سیر محمدی ص ۶۱-۶۰ [2] ایضاً ص ۶۲-۶۱

سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی، سلطان فیروز شاہ نے ملک عماد الملک کو بلایا، اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے، عماد الملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدوم کو جانتا ہوں، میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہ بھی ان سے مرید بھی ہیں، پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کر دوں، سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو، اور مذکورۂ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ، جمعہ کے روز عماد الملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے، لیکن عماد الملک علماء کے ساتھ مسجد میں اس وقت پہنچا جب حضرت گیسو دراز نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے، عماد الملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت گیسو دراز کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکور کے متعلق رد و قدح کریں، چنانچہ مولانا علاء الدین خانقاہ آئے، اور حضرت گیسو دراز سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد لی ہے، حضرت گیسو دراز نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے، علماء نے معیت صفتی کہا ہے، صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے اور نہ جدا ہو سکتی ہے تو اللہ کی جو معیت از روے صفت ہوئی وہ از روے ذات بھی ہوئی، اس کے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے، حقیقی نہیں، پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا حرج ہے، مولانا علاء الدین کو اس جواب سے تشفی ہو گئی، اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے[1]

فیروز تغلق اور حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع

سیر محمدی کے مولف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع

---

[1] سیر محمدی ص ۱۶۲-۶۴

یں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں، اور بڑا شور مچاتے ہیں، سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسو دراز کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں، اس کے بعد سے حضرت گیسو دراز اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے، بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے، اور جب حضرت گیسو دراز پر وجد طاری ہوتا، تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا،[۱]

سفر دکن دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی سنہ ۸[illegible]ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے، دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستہ میں بہادر پور، گوالیار، بھانڈیر بڑچہ، چندیری، کھمبایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد، اور اَکَنْد میں قیام فرمایا دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لئے آتے، بھانڈیر، کھنبایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی، جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام دونوں حلقۂ بیعت میں داخل ہوتے، اور حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے[۲] چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی، بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی، تو حضرت گیسو دراز نے فرمایا ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے، اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں، تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لاسکو گے، جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو،

حضرت سید گیسو دراز اور فیروز شاہ بہمنی جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز نے اپنے خاندان، امراء اور دربار کے علماء و سادات اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال

۱ سیر محمدی ص ۶۶-۶۱ ۲ ایضاً ص ۶۹،

کے لئے آیا، اور ادب و احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا، تاریخ فرشتہ (ج ا ص ۳۱۶) میں ہے:۔

"فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سیّد عالیمقام عرش احترام میر سیّد محمد گیسو دراز دکن تشریف لائے ہیں، اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں،

چراغ ز شمع سی تافتہ　　　　کہ خورشید دمہ بوراروہ یافتہ

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا، اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا، اپنے امرا، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لئے بھیجا، اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے، فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا، اس لئے جب سیّد محمد گیسو دراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی"

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں، کہ حضرت سیّد گیسو درازؒ علوم ظاہری سے خالی تھے، کیونکہ ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انھوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا، برہان مآثر میں جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو،

"اسی سال حضرت سیّد محمد گیسو درازؒ مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے، اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا، سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی، اس کو سادات عظام اور مشایخ عالی مقام کی صحبت سے بڑی رغبت تھی، اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا، اسی اخلاص کی بنا پر وہ حضرت سید گیسو درازؒ کی تشریف آوری سے

بہت خوش ہوا، اور فضلار کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے حالات معلوم کر کے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں، وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی، اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبۂ کمال پر پایا، اور جو کچھ دیکھا، سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا، اور اس کو ان کی صحت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی، اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چند آبادگاؤں ان کے آستانے کے خدام کے لئے عنایت کئے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسو درازؒ سے ایسے تعلقات پیدا ہو گئے کہ روز بروز بڑھتے گئے، یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہو کر اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آئے گا۔ (ملخصاً)

برہان معاصر کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کو فیروز شاہ بہمنی سے "کلفت" ہوئی، اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی، چنانچہ جب وہ حصار پانگل کی تسخیر کے لئے گیا تو اس کو شکست ہوئی، عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لئے ہوئی کہ حضرت سید گیسو درازؒ کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی، خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے :۔

"مردم ایں شکست را از اثر کلفت سلطان الاولیا، در التحقیقین بدرۂ آل طٰہٰ و یٰسین شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز دانستند و بسبب ایں شکست ضعف قوائے سلطان مضاعف گشتہ، بارہا بزبان الہام بیان می گذرانیدند کہ موجب شکست

لہ برہان مآثر مولفہ سید علی طباطبا، شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ص ۴۴-۴۳،

لشکر تغیر خاطر آں فخر الاولاد سید البشر بود[1]"

سیر محمدی میں حضرت سید گیسو درازؒ اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت گیسو درازؒ گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر سے باہر آکر استقبال کیا، گلبرگہ پہنچکر حضرت سید گیسو درازؒ نے اس کی درازی عمر کے لئے دعا کی، حضرت سید گیسو درازؒ کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا،[2]

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو دراز

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو درازؒ کا برابر معتقد رہا، اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ان کے لئے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی، اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت سید گیسو درازؒ کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا، اس لئے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو درازؒ کا ادنیٰ غلام بن گیا، تاریخ فرشتہ میں ہے:

"سلطان احمد شاہ بہمنی سادات، علماء اور مشایخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا، اس کے حق میں حضرت سید گیسو درازؒ کی جو کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا، عوام اپنے بادشاہی کے دین کی تقلید کرتے ہیں، دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے، اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا، اور حضرت سید محمد گیسو دراز کا مرید ہوا، اور

[1] برہان ماثر ص ۴۰، [2] سیر محمدی ص ۳۵ - ۳۴،

حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لئے چند گاؤں اور قصبے وقف کئے، اور ان کے قیام کے لئے ایک عالیشان عمارت شہر کے متصل بنوائی، اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہو گئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کے تصرف میں ہیں: (ج اص ۴۰۹)

گو حضرت سید گیسو دراز کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہو گیا، لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا،

حضرت سید گیسو دراز کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی[1] احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسو دراز کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا، برہان مآثر میں ہے:۔

"ہمگی ہمت والا نہمت بر ترویج شرع سید المرسلین واعلاء اعلام اسلام گماشتہ در لوازم احکام شرعیہ و اوامر و نواہی دین مبین مصطفویہ بمبالغہ واحتیاط بےنہایت فرمودی و بمراسم امر معروف و نہی منکر بنوعی قیام و اقدام نمودی کہ در تمام ممالک دکن احدی از ارتکاب منہیات بل تخیل آں نتوانستی نمود"[2]

مقبولیت | دکن کے خواص و عوام دونوں حضرت سید گیسو دراز کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اور ان کو اس دیار میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی،

---

[1] سیر محمدی ص ۲۸-۳۰ [2] برہان مآثر ص ۴۳،

تاریخ فرشتہ میں ہے :۔

"دکن کے باشندے حضرت سید گیسو دراز کے بہت زیادہ معتقد تھے، اس حد تک کہ ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں یا سید محمد گیسو دراز۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہ اگرچہ پیغمبر خدا ہیں لیکن مخدوم سید محمد گیسو دراز چیزے دیگر ہیں، اس سے حضرت سید کی ذات سے اہل دکن کے حسن عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جاتا ہے۔ (ج ۱ ص ۳۲۲)

اگرچہ نقل کفر کفر نہ باشد، لیکن یہ اقتباس اس لئے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سید گیسو دراز کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے،

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے ذکر کے سلسلے میں رقمطراز ہیں :۔

"...... بدیار دکن رفت، و قبولِ عظیم یافت، اہل ایں دیار ہمہ منقاد و مطیعِ او گشتند" (ص ۱۳۲)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے :۔

".... در دیار دکن تشریف برد، و قبولی عظیم یافت و اہل آں دیار از خورد و کبار ہمہ مطیع و منقاد وے گشتند، و ہزار در ہزار طلبائے صداقت شعار بتوجہ موجہ آں سید امجاد بقرب حق رسیدند، و سلسلہ عالیہ وے در مقام دکن رائج و شائع شد" (ج ۱ ص ۳۸۱)

مراۃ الاسرار کے مولف لکھتے ہیں :۔

".. ... بدیار دکن تشریف برد و در شہر کلبرگہ سکونت اختیار نمود و

آنجا قبولیتے عظیم یافت، جمیع اہل آں دیار از خاص و عام مطیع و منقاد او گشتند

چنانکہ تا امروز سلاطین آنجا و حضرات خود بفرزنداں میر سید محمد می دہند۔"

طریقہ بیعت | حضرت گیسو دراز کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لئے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے، اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشایخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کروگے، اور جادۂ شریعت پر قائم رہوگے، کیا تم نے یہ قبول کیا، مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا، اس کے بعد ارشاد فرماتے الحمد للہ، پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے، اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے، اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لئے کہتے، اور جب نماز پڑھنے کیلئے جاتا تو فرماتے اگر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا، اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی، اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت کی نماز باجماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بھی سختی سے تلقین کرتے، پھر مختلف اوقات کے لئے نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے، ہر مہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کے لئے بھی ہدایت کرتے، ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لئے کمان، تیغ، و سپر وغیرہ ضروری ہے، اسی طرح ایک صوفی کے لئے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے، ورنہ پھر اس کو کوئی

فائدہ نہیں پہنچتا ہے[1]،

اگر کسی عورت کو مرید کرتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا، اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے، عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے، وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی، پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے، یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا،

لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے،

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لئے حکم دیتے، اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے[2]،

معمولات | گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانے میں حضرت سید گیسو درازؒ کے معمولات حسب ذیل تھے :۔

پانچوں وقت کی نماز باجماعت کے ساتھ ادا فرماتے، کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی، آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے، ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی پڑھا کرتے، مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو ارشاد فرماتے، فجر کی نماز کے بعد ۳۳ آیتیں اور چہل اسم پڑھا کرتے، آخر عمر میں انکو اپنے ایک صاحبزادے سے باواز بلند پڑھوا کر سنتے، اشراق کی نماز کے بعد اپنے

---

[1] جوامع الکلم ص ۳۷-۳۶ [2] سیر محمدی ص ۷۷-۷۶،

صاحبزادوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، جوانی میں ہمیشہ روزے رکھتے تھے، لیکن آخر عمر میں صرف ایام بیض کے روزوں پر اکتفا کر لیا تھا، چاشت کی نماز کے بعد درس دیا کرتے، درس زیادہ تر تفسیر، حدیث، اور سلوک کا ہوتا، کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی پڑھاتے، درس میں علماء اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے، دوپہر کو قیلولہ کرتے اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہیں کرتا ہے، وہ رات کو اٹھنے کی ہمت نہیں رکھتا ہے، ساری رات جاگتا ہے کہ پڑا سویا رہے، اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال کے بعد کسی سے لکھواتے، ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ مراقبہ بھی کرتے جاتے، آخر عمر میں جب خود تلاوت نہیں کر سکتے تھے، تو مولانا بہاء الدین امام سے پڑھوا کر سنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا، عصر کی نماز کے بعد بلاناغہ دعاے متفقات پڑھتے، نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے، مغرب اور عشاء کے درمیان سالکوں کو خاص خاص تعلیم دیتے، پھر عشا کی نماز پڑھ کر مریدوں اور صوفیوں کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتے، داہنے طرف رشتہ دار، اور بائیں طرف دوسرے لوگ بیٹھتے، اور شرکاء دسترخوان کے سامنے تر بیاں اور سالن ہوتے، لیکن خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے اس میں سے تھوڑا آش در[illegible] پر کچھ نظر عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے، کھانے کے بعد مریدوں سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے، اس کے بعد آرام کرتے پھر تہجد کے لئے اٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے، اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ سے بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں، بعض لوگ برسوں روزہ، نماز اور تلاوت میں گذار دیتے ہیں، لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہیں ملتی، اور یہ اس لئے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہیں کرتے، تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد کے خاص خاص اوراد و

وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے،

جمعہ کے دن غسل فرماتے، اور بلاناغہ جمعہ کی نماز کے لئے جامع مسجد تشریف لیجاتے، مسجد میں پہنچکر تین سلام کیا تھے، تحیۃ رکعتیں نماز ادا کرتے، اور پھر بیٹھکر مراقبہ فرماتے، ہمیشہ سہاپچہ پر بیٹھا کرتے تھے، کسی کے لئے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے، لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز بہمنی آتا تو کھڑے ہو جاتے، اور اس کو مخاطب کر کے فرماتے تم اولی الامر ہو، اس لئے تمھارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہوں، جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا، جواب جاتا کہ فلاں دن آؤ، اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے اور جب دسترخوان بچھا دیا جاتا تو دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے بادشاہ کھانا کھاتا، اور کچھ تبرک بھی ساتھ لیجاتا، اس موقع پر دسترخوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیاں رکھی جاتیں تھیں، ایک گہری رکابی میں سالن ہوتا، دو دو آدمی ساتھ کھاتے، ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا، کھانے کے درمیان پانی نہیں دیا جاتا، جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لیجاتا،[1]

سماع: خواجگان چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، فرماتے :۔

"فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود"

راہ سلوک کے ابتدائی زمانے میں ایک بار اپنے خاص خاص یارانِ طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس میں ہر قسم کے مزامیر تھے، تین دن تک یہ مجلس جاری رہی گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اس کے اردگرد لوگ جمع رہتے تھے، مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انھوں نے فرمایا سید محمد اس طرح کا سماع نہ سنا کرو، حضرت سید گیسو دراز کا بیان ہے کہ :۔

---

[1] سیر محمدی ص ۷۷-۷۴،

"در من از آں وقت باز مزامیر نہ شنیدم ۔"

"مجلس سماع میں عود بہت جلایا جاتا تھا اگر رات ہوتی تو بکثرت روشنی کی جاتی دوران سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا، تو مجلس روک دیجاتی، اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں، فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، لوچ دار اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں، اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے، اور عاجزی و انکساری کی طرف مائل کرتا ہے، عام طور سے صوفیہ ہندی راگ ہی کو پسند کرتے ہیں، لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے[1]۔

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بےچین ہو جاتے، اور غایت اضطراب میں رقص کرنے لگتے[2]۔

ازدواجی زندگی | چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون حبالۂ عقد میں آئیں، ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی اور تین صاحبزادیاں تھیں، دونوں صاحبزادے جید عالم تھے، معقولات و منقولات کی تعلیم دہلی کے اساتذہ قاضی عبد المقتدر، مولانا خواجگی کہری، مولانا محمد بغرا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی، سید حضرت گیسو دراز اپنے بڑے صاحبزادے کے ظاہری و روحانی کمالات سے متاثر تھے، چنانچہ فرماتے، اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لئے

---

[1] سیر محمدی ص ۱۷۰، [2] جوامع الکلم ص ۱۰۹،

لوٹے میں پانی بھر کر لاتا،

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں، مثلاً (۱) معارف، علم تحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے، (۲) شرح لمتقط، اس میں اپنے والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے۔ (۳) عقیدہ (بزبان فارسی) (۴) اباحت سماع (۵) رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی) (۶) مقامات سویان (عربی) (۷) تصریف مالکی (۸) شرح سوانح (۹) رسالہ مسئلہ فارسی زبان (۱۰) رسالہ علم صرف؛ اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کئے، جن میں جوامع الکلم زیادہ مقبول و مشہور ہوا، ۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی، لیکن سات مہینے کے بعد ہی رحلت فرما گئے، حضرت سید گیسو دراز نے .. محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا، ان کا مزار ایک علٰحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے،

حضرت سید گیسو دراز نے اپنے دوسرے صاحبزادے سید یوسف کو بھی خلافت دی تھی، اور سوہ اپنے والد کے جانشین ہوکر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے، اور بعد وفات اپنے والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائیں میں دفن ہوئے[1]،

وصال گلبرگہ شریف میں بائیس ۲۲ سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ غائب ہوگیا، وصال ۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا، وفات کے موقع پر ان کے خلیفہ حضرت شیخ ابو الفتح نے فرمایا :-

"ایں مصیبت دین است"

---

[1] حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لئے دیکھو سیر محمدی ص ۱۳۰ - ۱۱۹،

"مخدوم دین و دنیا" سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسو دراز سے بڑی عقیدت تھی، اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالیشان گنبد تعمیر کرایا، اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا، دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں،

رتبۂ بلند: صوفیۂ کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر و بدعت، مقصود خلقت عالم، مخدوم حق، ہمدم وصال، کلید مخازن حضرت ذوالجلال، مست الست نعمات بے ساز، مجذوب حق وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں

حضرت سید گیسو دراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لئے تشریف لائے، وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں

"چوں بشرف ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز مشرف شدم آں مقدار حقائق و معارف کہ از خدمت وے بحصول پیوست اند، ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جذبۂ قوی داشتہ اند"[1]

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"در سیر نخستیں کہ بجانب دیار دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز کردیم بغایت عالیشان یافتم، و تصنیفات بسیار از آنحضرت سر برزدہ و در آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجود مطلق ایمائے نسبت صاحب نصوص کردہ اند

---

[1] سیر محمدی دیباچہ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر حضرت گیسو دراز،

این فقیر تغیر مزاج کرده بانواع دلائل عقلی ونقلی نشانِ خاطر آنحضرت نموده، اما فرجہ نیافت کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید[1]

برہان مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسو دراز کو "قدوۂ ارباب حال سردفتر اصحاب کمال" "قطب سپہر سیادت و معرفت"، "مرکز دائرۂ حقیقت و طریقت"، "شاہباز بلند پرواز" لکھا ہے، (ص ۴۳)

مولانا عبدالحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

"جامع است میان سیادت وعلم وولایت شانے رفیع ودرجہ منیع وکلام عالی دارد اورا درمیان مشایخ چشت مشربے خاص ودر بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است" (ص ۱۴۳)

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں،

"از عظمای اولیای حق بیں وکبرائے مشائخ متقدمین وخلیفۂ راستین شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلیؒ است" (ج ا، ص ۳۸۱)

مرآۃ الاسرار میں ہے :-

"مقبول عالم وعالمیان گشت وعالمے از حسن معاملت وے فیض می گردید وصیتِ کمالاتش از شرق تا غرب فرا رسید"

تصنیف | پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو درازؒ علم باطن کی طرف مائل ہوئے تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلیؒ نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا، مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کر لیا،

[1] بحوالہ مراۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسو دراز۔

تھا کہ حضرت سید گیسو درازؒ اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے بھی منبع فیوض و برکات بن سکتے ہیں، چنانچہ حضرت سید گیسو درازؒ نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں، سیر محمدی کے مولف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں،۔

۱۔ ملتقط، یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے،

۲۔ تفسیر کلام پاک، یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی، لیکن صرف پانچ پاروں تک ہی تحریر فرما سکے،

۳۔ حواشی کشاف۔ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں،

۴۔ شرح مشارق۔ حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے،

۵۔ ترجمۂ مشارق۔ یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے،

۶۔ معارف یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے عربی میں لکھی گئی۔

۷۔ ترجمۂ عوارف۔ یہ عوارف کی فارسی شرح ہے، لیکن ترجمۂ عوارف کے نام سے مشہور ہے،

۸۔ شرح تعرف۔ یہ شیخ ابو بکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے،

۹۔ شرح آداب المریدین (عربی) یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور و معروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے

۱۰۔ شرح آداب المریدین (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی تھی، جس کو مولوی سید حافظ عطا حسین نے اڈٹ کرکے حیدرآباد سے شائع کیا ہے،

۱۱۔ شرح فصوص الحکم۔ یہ شیخ محی الدین بن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے،

۱۲۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی: یہ حضرت ابو المعانی عبد اللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے،

۱۳۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ۔ یہ امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے،

۱۴۔ حظائر القدس۔ اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے، (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈبلو ایوانوف ۵۸)

۱۵۔ رسالہ استقامۃ شریعت بطریقۂ حقیقت۔ اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے، اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے (دیکھو ص ۱۲۷)

۱۶۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی،

۱۷۔ رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۸۔ شرح فقہ اکبر۔ عربی و فارسی دونوں میں ہے،

۱۹۔ حواشی قوت القلوب۔ یہ حضرت طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں،

۲۰۔ اسمار الاسرار۔ اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدر آباد سے شائع کیا ہے، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز تحریر فرماتے ہیں،

"میری کتاب اسمار الاسرار میں باطل کو آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں

مولانا عبد الحق اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں :۔

"یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو درازؒ کتاب اسمار است کہ حقایق و معارف بزبان برمز و ایما و الفاظ و اشارات بیان کردہ" (ص ۱۲۷)

اس کے بارہ میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف و سلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لئے مفید ہے، اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے۔ (دیباچہ اسمار الاسرار ص ۲)

۲۱۔ حدائق الانس ۔ اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کئے گئے ہیں،

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں :۔

(۲۲) ضرب الامثال (۲۳) شرح قصیدۂ امالی (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ، (۲۵) عقیدۂ چند ورق (۲۶) رسالہ در بیان آداب سلوک (۲۷) رسالہ در بیان اشارت محبان (۲۸) رسالہ بیان ذکر (۲۹) رسالہ بیان رایت ربی فی احسن صورۃ (۳۰) رسالہ در بیان معرفت (۳۱) رسالہ در بیان بود و ہست و باشد،

سیر محمدی کے مؤلف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے جو حضرت سید گیسو درازؒ نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے تھے، ان تحریری خدمات مولانا کی تعداد چاہیے،[1]

---

[1] سیر محمدی باب پنجم،

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسو دراز کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں :۔ رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ، وجود العاشقین[1]،

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو دراز کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے، یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے، لیکن اب خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حضرت سید گیسو دراز نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحۂ عمل پیش کیا ہے، جو آج بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے اڈٹ کرکے ایک پُرمغز مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا ہے

مکتوبات | حضرت سید گیسو دراز کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، جس میں ان کے ۶۱ مکتوبات ہیں، ان کے خلیفہ شیخ ابو الفتح علاء الدین نے اس کو مرتب کیا ہے،

ملفوظات | تذکروں میں حضرت سید گیسو دراز کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے، سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کئے تھے، ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں، اخبار الاخیار میں ہے :۔

"خدمت میر را ملفوظات است مسمی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۵۸۰-۵۸۴، وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، دیکھو ص ۱۰۲۶،

کہ نیز محمد نام دارد جمع کردہ" (ص ۱۳۳)

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۸۰۰) انڈیا آفس (ص ۱۰۲۵) اور برٹش میوزیم[۲۴]

کے فارسی مخطوطات کی فہرستوں میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے، جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت گیسو دراز کے مرید تھے، لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ اڈیشن حیدرآباد سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی نے لکھا ہے، جوامع الکلم کے اس مطبوعہ اڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے

"مولف آں جواہر ثمین و درخوش آب بندہ بندگان حضرت علیا محمد محمد اکبر حسینی" (مقدمہ)

بہرحال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز نے فرمایا:۔

"کار ایں ملفوظ بجائے است، از جہت تحقیق و تدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسم و ملفوظ خود را خود جمع کنم" (جوامع الکلم ص ۷)

اس میں ۱۸ رجب ۸۰۲ھ سے ۲۳ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے مرید قاضی علم الدین بھروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا،

دیوان کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے، ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید یداللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا[۱]

(حاشیہ ص ۵۸۸ پر)

تعلیمات | حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف اسمار الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقائق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں، لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگان چشت اور دوسرے صوفیہ کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، اس لئے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف خاتمہ سے ان ضوابط و قوانین کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جن کو حضرت سید گیسو دراز کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا دستور عمل ہونا چاہئے، خاتمہ ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے، لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے،

وضو | سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے، ہر فرض نماز کے لئے تازہ وضو کرنا بہتر ہے، وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں، اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کریں، اور دوگانہ ادا کریں، وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں، اور اس کا خیال رکھیں کہ ان کا ہر عضو دوسرے سے علیحدہ بھی ہے، اور ملا بھی،[1]

نماز فجر | صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کی باقی ماندہ نفلوں کو پورا کریں، فجر کی نماز اول وقت ادا کریں، فجر، عشا اور مغرب کی نماز وں میں قرأت لمبی نہ ہو، نماز میں حضور قلب مقدم ہے،[2] فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے

(حاشیہ صفحہ ۵۰۸) حضرت سید گیسو دراز نے اپنی تعلیمات کو عام لوگوں کے سمجھانے کے لئے بعض رسالے دکھنی اردو میں بھی تصنیف کئے، ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا،

[1] خاتمہ ص ۲، ۳، ۴ [2] ایضاً ص ۳،

اشراق کی نماز پڑھنے تک حتی الوسع کسی سے نہ بولیں[1]،

اشراق | اشراق سے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں تاکہ بیداری شب کی تکان دور ہوجائے، اور دوسرے وقت اوراد و وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو، اور مضمحل نہ ہیں، کچھ آرام کے بعد اشراق کی نماز ادا کریں،

چاشت | اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، تلاوت کلام پاک بھی کریں، تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نماز یں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چاشت پر وقت گذر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں[2]،

قیلولہ | زوال کے وقت قیلولہ کریں، تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو[3]۔

نماز زوال | زوال کے وقت دو رکعتیں ادا کرکے اوراد میں مشغول ہوں اسکے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں، مراقبہ بہتر ہے[4]۔

ظہر، عصر، مغرب | ان میں سے ہر نماز اول وقت ادا کریں، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں[5]، عصر کی نماز سے اوابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے[6]،

عشاء | مغرب کی نماز کے بعد اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی دیر آرام کرلیں، پھر عشا کی نماز پڑھیں، بعض صوفیہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے لئے آدھی رات مستحب وقت ہے، آرام کے بعد عشا کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے، اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے کا ذوق حاصل ہوتا ہے[7]،

---

[1] خاتمہ ص ۱۳ [2] ایضاً ص ۲ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۱۳ [7] ایضاً ص ۸۰،

معمولات شب | رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں، پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں[۱]،

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں، پھر عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں، عشاء کے بعد کچھ کھاتے ہیں پھر سو رہتے ہیں[۲]،

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے، وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں، اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، اور اللہ ہی کے لئے ہے، اور اللہ ہی کی جانب سے ہے، جو نیند اللہ کو بھلا دے وہ قابل مذمت ہے، بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے[۳]،

کم سونے کے لئے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے[۴]،

رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر تہجد پڑھیں، تہجد کے بعد اوراد و وظائف اور تلاوت کلام پاک ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں، لیکن ان سب میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے[۵]،

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے، تو وہ کافر ہے، اور اگر شہرت کے ڈر سے عبادت و ریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے[۶]،

اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اوراد و وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے[۷]،

روزے | روزہ ارکانِ تصوف میں ہے اس لئے صوفی کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے، روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے، اور اس میں غرور اور عجب پیدا نہیں ہوتا صوم دوام

---

[۱] خلاصہ ۹۵ [۲] ایضاً ص۹۵ [۳] ایضاً ص۱۰۱ [۴] ایضاً ص۱۰۲ [۵] ایضاً ص۱۰۳ [۶] ایضاً ص۹۵ [۷] ایضاً ص۹۵،

بہترین قسم کا روزہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے، کیونکہ صوم دوام ایک عادت بن جاتی ہے جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ بعض مہینے کے شروع اور آخر میں بعض مہینے کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے بعض شوال کے پہلے چھ روز اور بعض ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں[1]

طی کے روزے جب ایک طالب حقیقی پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے، تو وہ طی کے روزے رکھتا ہے، اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے، لیکن کبھی متواتر تین دن کبھی دس دن، کبھی ایک مہینہ، کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا[2]

اعتکاف اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے، لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن، کبھی اسی دن اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے، اس کو اربعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں، اسی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے، اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں، اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے، اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہئے،

آداب طعام سالکوں کے لئے تقلیل طعام ضروری ہے، اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں[3]، جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو، اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوئی تاویل نہ کریں[4]، اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں، لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں، یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہوں تو

---

[1] خاتمہ ص ۵ [2] ایضاً ص ۱۳ [3] ایضاً ص ۹ [4] ایضاً ص ۵۲

اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دیں، اس سے تکبر کا اظہار ہوتا ہے، کھانے کے وقت بائیں پاؤں پر بیٹھیں، اور دائیں پاؤں کو اٹھائے رکھیں، یہ مسنون طریقہ ہے، کھانا شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائیں، بڑے لقمے سے پرہیز کریں، لقمے کو تین انگلیوں سے اٹھائیں، اور جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں، اپنے ہاتھ اور منھ کو حرکت دیتے رہیں، ہاتھ کی انگلیوں اور منہ کو کھانے کی چیزوں سے آلودہ نہ کریں، پہلے روٹی اور گوشت کھائیں، اس کے ساتھ ترشی ملالیں، پھر میٹھی چیز کھائیں، آش ہو تو شروع یا آخر میں پئیں، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر نہ چھوڑیں، یا تو پوری کھائیں یا آدھی، زیادہ سیر ہو کر کھانے کے بجائے کچھ بھوک باقی رہے تو کھانا چھوڑ دیں، دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کریں اور نہ برائی بیان کریں، کھانے کے بعد مسلسل پانی نہ پئیں، لوگوں کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لیں، مجلس میں خلال نہ کریں۔ (خاتمہ ص ۵۱-۴۸)

میزبانوں کو اپنے مہمانوں کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہئیں، لیکن مہمانوں کے سامنے جیسا بھی کھانا آئے، اس کو دیکھ کر خوش ہوں، اگر میزبان صاحب احتیاج ہو تو مہمان اس کی خدمت میں کچھ زر نقد پیش کریں۔ (خاتمہ ص ۵۲)

آداب سماع | مجلس سماع کے لئے ایک علیحدہ مکان ہو، ارباب دنیا، امراء کے لڑکے اور بچے اور عورتیں اس میں شریک نہ ہوں، اس میں سالکوں اور مریدوں کو غسل کر کے طاہر اور باوضو ہو کر اور سفید کپڑے پہن کر شریک ہونا چاہئے، اور وقار کے ساتھ بیٹھیں، اور مراقبہ میں رہیں، گانے والوں پر نظر نہ رکھیں اور نہ ان کی موسیقی پر دھیان دیں، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال میں نہ لائیں، نہ ہر لحظہ واہ واہ کریں، اور نہ آہ آہ

گریہ طاری ہو تو ضبط کریں، زبان سے کچھ کہنا چاہیں تو اس سے پرہیز کریں، اضطراب میں پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، حتی الوسع اپنے اعضا میں جنبش پیدا نہ ہونے دیں۔

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہا کے نزدیک یہ حرام ہیں اس لئے ان سے سختی کے ساتھ احتراز کرنا چاہئے، (ص ۳۲)

سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہئے، سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے، اسی کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں[1]، (خاتمہ ص ۴۸-۲۰)

احترام شیخ | ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اس کو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو، پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے، پشت اس کی طرف نہ ہونے دے، اس کے روبرو کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں پر رکھے، بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے، زور سے نہ بولے، اور نہ کسی کو زور سے پکارے، پان نہ کھائے ہاں اگر پیر کی طرف سے عطا ہو تو کھالے، اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے، اور کھاتے وقت ایک دانہ بھی نیچے نہ گرنے دے، اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے،

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کمتر سمجھے، لیکن امور الٰہی میں اس کو پیغمبر محمد خاتم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنا چاہئے، پیر کی مجلس کو مجلسِ حق تصور کرنا چاہئے، ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے، اگر اس کے مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے، اور اگر اس میں

---

[1] حضرت سید گیسو دراز نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے،

کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے، کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف ہوتا ہے، جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے،

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو، لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے، پیر سے غافل رہنا بڑی محرومی ہے، ایک مرید جہاں بھی ہو، اسکا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو، پیر کا نام ہر وقت زبان پر ہو، اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے، اس کا ایک حکم بجا لانے سے مرید ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا ہے، پیر جس کام کا حکم دے، مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے،

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً و کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اسی طرح دور رہے، جس طرح ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے،

اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اس کو بڑے احترام سے رکھے، پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے،

پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے، اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے، لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اس نے بداعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے،[۵]

احترام شریعت | ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا ضد نہ سمجھے، بلکہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ تصور کرے، جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے

---

[۵] خاتمہ ص ۸۶-۵۷، اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات کے سلسلہ میں اور بھی ہدایات ہیں جنکو ہم اختصار کی خاطر لکھنے سے قاصر ہو رہے ہیں،

بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی مغز کا جز چھلکے میں اس طرح ملا ہوتا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں[۵]،

تزکیہ اخلاق جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے، راہ سلوک میں گامزن نہ ہو، (ص ۹۶) اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے، اس کے پاس عورتیں اور بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں، اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو، دنیاداروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے، وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو، اس سے بھی باز آئے، اگر کوئی اس کا مال بھی لے لے تو اس کے لئے شور و غوغا نہ کرے، (ص ۱۰۱) وہ کسی دوسرے کے خیر و شر سے واسطہ نہ رکھے، (ص ۱۰۳) اس کے دل میں جتنی ہوس ہو اس کو دور کر دے، اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ و ریاضت کرتا رہے، (ص ۱۰۴) اس کو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہئے، (ص ۱۱۱) ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے (ص ۱۱۵) آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھے۔ (ص ۱۱۶) کسی حال میں اپنے نام کی شہرت نہ دے (ص ۱۲۱) بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے، (ص ۱۲۴) فقہانے طہارت و لطافت کی جو باتیں بتائی ہیں، اُن پر عمل کرے، ان سے زیادہ پر عمل کرنا بیکار ہے (ص ۱۲۴) گرسنگی تشنگی، اور شب بیداری کو دوست رکھے (ص ۱۲۶) غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے، (۱۲۶) لوگوں کی آمد و رفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے، (ص ۱۲۷) امیروں کی صحبت سے گریز کرے، (ص ۱۲۹) اگر کوئی دو وقت مسلسل اسکو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اس کی صحبت سے احتراز کرے کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کے لئے ضروری

---

[۵] خاتمہ ص ۸۴،

ہے (۱۴۵) مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو کسی حال میں نہ روئے، روئے بھی تو اس کے لئے کہ کہیں منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے اس کو موت نہ آجائے (ص ۱۴۹) اپنی درازی عمر کے لئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے، تاکہ راہ سلوک میں اس کو ترقی درجات حاصل ہو (ص ۱۴۹) سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کے لئے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے، لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ (۱۴۳) پند و نصائح کا فرض انجام نہ دے، کیونکہ یہ کام کاملوں کا ہے، سلوک پر کوئی کتاب لکھنے کی بھی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ کام عارفوں کا ہے، (۱۴۵-۱۴۶) زیادہ تر خاموش رہے (ص ۱۵۱)

شرکت جہاد | ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے، لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اس کو درجۂ شہادت ملے گا، اور زندہ رہ گیا، تو ثواب ملے گا، یہ نیت مستحسن ضرور ہے، لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماورا ہونی چاہئے، وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو، وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ، اپنے کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے (ص ۱۷۸-۱۸۱)

شاہی ملازموں کا اخلاق | اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہو اور اسکو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کے لئے حرام ہے، سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کے ساتھ معاملات میں اسی طرح پیش آئے جیسے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ پیش آتا ہو، رات کو ذکر و فکر میں مشغول رہے، لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے، اپنی ملازمت کو اس لئے برقرار رکھے کہ اس کے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا، مال و دولت کی ہوس نہ کرے، نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا

ریشمی موبند اور کلاہ وزرنہ پہنے، اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے، تو اس کے سامنے پہن لے، پھر باہر آکر اتار دے، اگر تیسرے روز بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جانے کی رسم ہو تو پہن لے، لیکن فقہا کے نزدیک یہ بھی مرجوح ہے (ص۱۸۵)

بادشاہ کا اخلاق | اگر کوئی بادشاہ راہ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادہم، معاویہ ثانی اور عبد اللہ ابن زبیرؓ بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ بادشاہی کے لئے موزوں ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے، سلوک کی طرف مائل نہ ہو، اور حکومت میں ایسے متدین اور صالح لوگوں کو عہدہ دار مقرر کرے، جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکیں، اور اس کو باخبر رکھیں کہ احکام شرعی پر عمل ہو رہا ہے، اگر اس کی حکومت میں کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کرے، اور اگر زکوٰۃ دینے میں حیلہ کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے، وہ اس پر نظر رکھے، کہ اس کی سلطنت میں کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزیں نہ پی سکے، اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسّی کوڑے لگائے، فقیروں، کمزوروں، یتیموں اور عاجزوں، لنگڑوں، گونگوں اور بیواؤں کی پوری خبر گیری کرے، ان کو برباد ہونے سے بچا لینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہیں،

بادشاہ اگر راہ سلوک میں گامزن ہے تو اپنے نفس اور جسم کو اعلائے کلمۃ الدین کے لئے وقف کر دے، اور دل کو خداوند تعالیٰ کے جلال و عظمت اور قہر کے تصور میں مشغول رکھے، وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر رہے گا،[1]

خلفاء | حضرت گیسو دراز کے بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں، مولانا علاء الدین

---

[1] خاتمہ ص ۱۸۶-۱۸۷،

گوالیری (ابتدا میں سلطان محمد تغلق کو پڑھایا کرتے تھے، گوالیر میں فتویٰ نویس کے عہدہ پر مامور تھے، آخر میں کالپی چلے آئے تھے اور یہیں رحلت فرمائی)، شیخ صدر الدین خوندمیر (ان کے والد بزرگوار اور دادا ایرچہ کے شیخ الاسلام تھے) قاضی اسحٰق محمد (چھترہ کے مفتی تھے) قاضی محمد سلیمان، قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن میں ہے) حضرت سید محمد اکبر (حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے) حضرت ابو المعالی بن سید احمد (حضرت سید گیسو دراز کے سالے اور خادم تھے، مزار گلبرگہ شریف میں ہے)، خواجہ احمد دبیر (سلطان فیروز بہمنی کے دبیر تھے) مولانا ابو الفتح بن مولانا علاء الدین گوالیری (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۰۹ میں ہے کہ صاحب تصنیف تھے، ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں: عوارف المعارف، تکملہ در نحو و شاہدہ در تصوف) مزار کالپی میں ہے)، حضرت سید یوسف (حضرت سید گیسو دراز کے صاحبزادے تھے) حضرت سید سید اللہ (حضرت سید گیسو دراز کے پوتے تھے) قاضی راجا (گلبرگہ کے صدر جہاں تھے)، شیخ زادہ شہاب الدین، مولانا بہاء الدین دہلوی (حضرت سید گیسو دراز کی نمازوں کی امامت کرتے تھے) ملک زادہ عز الدین اور ملک شہاب الدین[1]

---

[1] ان خلفاء کے حالات کی تفصیل کے لئے دیکھو سیر محمدی باب ساتواں،

حضرت شیخ احمد عبد الحق صاحب توشہ ردولوی

نام و نسب احمد نام، عبد الحق لقب، والد کا نام عمر تھا، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے دادا شیخ داؤد سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۶ھ تا ۷۱۶ھ) کے عہد میں بلخ سے ہندوستان آئے، ابتدا میں کچھ دنوں دلی میں آپ کا قیام رہا،

ردولی میں سکونت اس زمانہ میں اسلامی ملکوں سے جو نامور خاندان اور ممتاز شخصیتیں ہندوستان آتی تھیں، ان کے ذریعہ معاش کے لئے سلاطین کی طرف سے جاگیریں ملتی تھیں اور یہ جاگیریں دیہاتوں میں ہوتی تھیں، اس لئے وہ قصبات اور دیہات میں سکونت اختیار کرتے تھے چنانچہ آج تک باہر کے آئے ہوئے بیشتر خاندان قصبات ہی میں آباد ہیں، جنھوں نے شہروں میں سکونت اختیار کر لی ہے وہ بھی درحقیقت قصبات ہی کے ہیں، سلطان علاء الدین نے شیخ داؤد کو ردولی میں جاگیر دی تھی، اس لئے انھوں نے وہیں سکونت اختیار کی،[1]

شیخ داؤد شیخ داؤد حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی[2] کے مرید اور خلیفہ تھے، انہی سے سلوک و معرفت کی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن آپ نے ہمیشہ مخفی رکھا، ان کی وفات ردولی میں ہوئی، ان کے ایک صاحبزادے عمر تھے، یہ بھی بڑے صاحب کمال اور "زیور صلاح و تقویٰ سے آراستہ تھے" ان کی وفات بھی ردولی میں ہوئی، ان کے دو صاحبزادے تھے شیخ تقی الدین اور شیخ احمد تقی الدین نے ردولی کی سکونت ترک کرکے دلی میں قیام اختیار

[1] مراۃ الاسرار شیخ عبد الرحمن چشتی نسخہ قلمی نسخہ دار المصنفین [2] آپ کا وطن اجودھیا یا اسکے نواح میں تھا، اسلئے آپکو اودھی بھی کہتے ہیں

فرمایا تھا اور شیخ احمد ردولی میں رہے[1]،

بچپن اور تعلیم | حضرت شیخ احمد عبد الحق کے دادا اور والد دونوں شیخ وقت تھے اس وراثت کا اثر ان میں بچپن ہی سے نمایاں تھا، چنانچہ جب ان کی عمر سات برس کی تھی، اُن کی والدۂ محترمہ تہجد کے لئے اٹھتیں تو شیخ احمد بھی چپکے سے اٹھ کر کہ ماں کو خبر نہ ہونے پائے گھر کے کسی گوشہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے، والدہ نماز ختم کرنے کے بعد جب شیخ احمد کو خواب گاہ میں نہ پاتیں اور تلاش کرتیں تو وہ کسی حجرہ میں نماز میں مشغول ملتے والدہ ہر چند منع کرتیں اور فرماتیں کہ تمھارے باپ اور دادا بھی شیخ تھے، لیکن تمھارے جیسے نہیں، تم پر تو ابھی فرض نمازیں بھی فرض نہیں ہیں، نفل کے لئے اپنی جان کیوں کھپاتے ہو لیکن وہ باز نہ آتے ایک دن ماں کی سرزنش سے تنگ آکر فرمایا یہ ماں نہیں بلکہ راہزن ہے اپنا کام تو کرتی ہے اور مجھ کو خدا کے کام سے روکتی ہے[2]، کچھ دنوں کے بعد والدۂ محترمہ نے شیخ احمد کو تعلیم کے لئے ان کے بڑے بھائی شیخ تقی الدین کے پاس دہلی بھیجدیا، لیکن بچپن ہی سے اُن پر جذب کی کیفیت طاری تھی، اور ان کو دوسرے ہی علم کی طلب تھی، اس لئے تحصیل علم کی طرف طبیعت راغب نہ ہوتی تھی، شیخ تقی الدین جب ان کو پڑھانے کی کوشش کرتے تو کہتے کہ مجھ کو باری تعالیٰ کا علم پڑھاؤ، آخر میں تنگ آکر شیخ تقی الدین دلی کے بعض اساتذہ کے پاس لے گئے، اور فرمایا یہ لڑکا مجھ کو بہت پریشان کرتا ہے، پڑھانے سے نہیں پڑھتا آپ لوگ پڑھانے کی کوشش کیجئے شاید آپ ہی لوگوں سے پڑھے، ان اساتذہ نے میزان الصرف پڑھانا شروع کی، جب ضرب یضرب کی گردان تک پہونچے اور ضرب کے معنی بتائے کہ

---

[1] مراۃ الاسرار قلمی وضمیمہ انوار العیون فی اسرار المکنون حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ص۹،

[2] ترجمہ اردو انوار العیون فی اسرار المکنون ص۸ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ،

اسنے مار دیا ایک مرتبہ مارا، تو شیخ احمد بولے خدا کی راہ میں مارا جانا تو بڑا اعزاز ہے انتقام کے لئے نہیں ہے، مجھ کو اس علم کی ضرورت نہیں مجھے ایسا علم سکھائیے جس سے خدا کی معرفت حاصل ہو، اس کے سوا دوسرا علم پڑھنا میں پسند نہیں کرتا، یہ رنگ دیکھ کر انھوں نے شیخ تقی الدین سے کہا بابا اس بچہ کے خیال میں نہ پڑو یہ تو حضرت اللہ سے تلمذ حاصل کر چکا ہے،

ایک دوسری روایت یہ ہے کہ دلی آنے کے بعد شیخ احمد اپنی بھاوج شیخ تقی الدین کی بیوی سے برابر شکایت کرتے کہ بھائی صاحب مجھ کو پڑھاتے نہیں آپ ان سے کہہ دیجئے، شیخ تقی الدین کی بیوی شوہر سے کہتیں، میاں احمد کو پڑھاتے کیوں نہیں، وہ تمھارا چھوٹا بھائی ہے، تم نہ پڑھاؤگے تو کون پڑھائیگا، شیخ تقی الدین کو شیخ احمد کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے جواب دیتے کہ میں کس کو پڑھاؤں، وہ اپنے مولی کی طلب میں مدہوش ہیں، ان کو کسی چیز کی خبر ہی نہیں ہوتی، میں تم کو اس کا مشاہدہ کرائے دیتا ہوں، اور شیخ احمد کو بلا کر اپنی چاندی کی مہر رکھنے کے لئے دی، انھوں نے اسکو صحن میں گاڑ دیا، تھوڑی دیر کے بعد شیخ تقی الدین نے مہر مانگی، شیخ احمد نے بھاوج سے کہا بھائی صاحب مجھ کو خواہ مخواہ پریشان کرتے ہیں، انھوں نے مجھے مہر کب دی تھی، شیخ تقی الدین نے فرمایا میں نے مہر دی تھی تم نے اسکو صحن میں گاڑ دیا ہے، شیخ احمد نے کہا مجھ کو کچھ خبر نہیں، اگر میں نے گاڑا ہے، تو آپ نکال لیجئے، شیخ تقی الدین نے مہر کھود کر نکال دی، اور یہ واقعہ مشاہدہ کرانے کے بعد بیوی سے کہا یہ بھلا مجھ سے پڑھ سکتے ہیں؟ یہ ایسے علم میں مستغرق ہیں کہ ان کو ہمارے علم کی پروا نہیں[ع]،

مگر اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیخ احمد رسمی علوم سے بیگانہ تھے، آگے

[ع] یہ دونوں روایتیں انوار العیون میں ہیں ص ۹-۱۱

چل کر معلوم ہوگا کہ وہ مروجہ علوم سے واقف تھے، اور کلام مجید کی آیات اور عربی کے مقولے برمحل استعمال کرتے تھے، ہندی اور فارسی کے اشعار پڑھتے تھے، بعض اشعار میں احمد تخلص ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے، اس کی مثالیں آگے آئیں گی لیکن آپ کا اصلی ذوق علم باطن کا تھا، اور اس کا آپ پر اس قدر غلبہ تھا کہ آپ کے مقابلہ میں رسمی علوم کا نقش بالکل مدہم پڑ گیا تھا،

شادی سے انکار سن شعور کو پہنچے، تو شیخ تقی الدین کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، اور ایک جگہ شادی کا پیام دیا، شیخ احمد کو خبر ہوئی تو لڑکی والوں سے جا کر کہا کہ میں نامرد ہوں میرے ساتھ شادی نہ کرنا، اس لئے نسبت نہ ہو سکی،[1] لیکن بعد میں یہ نسبت نبوی[ص] پوری کی، اور متعدد اولادیں بھی ہوئیں، جس کی تفصیل آئندہ آئیگی۔

پیر کی تلاش اور مخدوم جلال الدین کبیرالاولیاء کے آستانہ پر حاضری شیخ احمد پر بچپن ہی سے سوز باطن اور معرفت حق کا غلبہ تھا اور اسکی تلاش میں سارے ملک کی خاک چھانتے پھرتے تھے، مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آتا تھا، اس تلاش وجستجو نے حضرت مخدوم جلال الدین کبیرالاولیاء کے آستانہ پر پانی پت پہنچا دیا، وہ کشف باطنی سے شیخ احمد کے انتظار ہی میں تھے، دیکھتے ہی زبان حال سے فرمایا "در آمد آں یارے کہ ما می خواستیم" اور بڑی پذیرائی فرمائی، اسی وقت اپنی کلاہ اتار کر شیخ احمد کے سر پر رکھ دی، اور فرمایا یہ خدا کے حکم سے ہوا ہے، اور انتہائی لطف وکرم کا اظہار فرمایا، خاص اہتمام سے کھانا تیار کرایا، اور دسترخوان پر سیخ کے کباب کے ساتھ امتحاناً بعض ممنوعہ چیزیں بھی رکھوا دیں، شیخ احمد نے ان کو دیکھتے ہی کھانے سے انکار کر دیا، اور فرمایا یہ کیسا شیخ ہے، جس کو جائز و ناجائز

---

[1] انوار العیون ص ۱۱،

میں امتیاز نہیں، اور اسی وقت کلاہ واپس کرکے پانی پت سے چل کھڑے ہوئے، چلتے
چلتے ایک جنگل میں پہنچے، جس سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا، اس کو دیکھنے کے لئے ایک درخت
پر چڑھ گئے، دور سے دو آدمی آتے ہوئے دکھائی دیئے، وہ درخت سے نیچے اتر کر ان کی
سمت چلے، وہ خود ان کی طرف آرہے تھے، قریب پہنچکر ان سے راستہ پوچھا، انھوں
نے یہ جواب دیا، راستہ تو تم نے شیخ جلال الدین کے آستانہ پر گم کردیا، شیخ احمد نے تین
مرتبہ راستہ پوچھا، تینوں مرتبہ یہی جواب ملا، اس وقت آپ کو یقین ہوگیا کہ دونوں
آدمی منجانب اللہ رہنمائی کے لئے آئے ہیں، اور آپ کا مقصود مخدوم جلال الدین
کبیر الاولیاء کے آستانہ ہی پر حاصل ہوگا، اس لئے آپ پانی پت لوٹ گئے،

حضرت مخدوم پہلے سے انتظار میں تھے، شیخ احمد ان کو دیکھتے ہی ان کے قدموں
پر گر پڑے، انھوں نے سینہ سے لگا لیا، اور اس مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ تعظیم و تکریم اور
لطف و کرم کا اظہار فرمایا، ظاہر و باطن دونوں نعمتوں سے نوازا اور عبد الحق کے لقب
سے ملقب کیا، اور خادم کو حکم دیا کہ کھانے کی مختلف قسمیں تیار کی جائیں اور جو ممنوعہ چیزیں
غذا کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں وہ بھی دسترخوان پر رکھی جائیں، دسترخوان پر شیخ احمد کو اپنے
سامنے بٹھایا پہلے کندوری لائی گئی، پھر ایک ایک کرکے سب کھانے چنے گئے، ان میں
بعض ممنوعہ چیزیں بھی تھیں[1]، حضرت مخدوم نے فرمایا عبد الحق جس برتن کو حضرت
احدیت سے جدا جانتے ہو، اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، یہ سن کر ان پر وحدت حق کی کیفیت

---

[1] ممنوعہ چیزوں میں غالباً گائے کی اوجھڑی تھی، جس کا کھانا فقہا نے مکروہ لکھا ہے، مخدوم صاحب کے عرس کے موقع پر آپ کا خاص فاتحہ گائے کی اوجھڑی پر ہوتا ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ممنوعہ چیز گائے کی اوجھڑی رہی ہوگی،

طاری ہوگئی، اور بیخود ہوکر عالمِ ۔۔۔ تحیر میں پہنچ گئے، اور زار زار رونے لگے، اسی حالت میں کچھ دنوں تک پیر کی خانقاہ میں جوئے خون بہاتے رہے اور خدا کے سوا ہر چیز سے بیزار ہوگئے، ایک دن مرشد نے ان کے پاس تنہائی میں آکر انتہائی لطف و شفقت سے فرمایا عبد الحق ہوش میں آؤ، کوئی چیز پسند کرو، کسی خواہش کا اظہار کرو، لیکن ان کے دل میں عشقِ الٰہی کی آگ ایسی سوزاں تھی کہ اس نے ماسوا کو جلا کر خاک کر دیا تھا، ان کو دنیا کی کوئی چیز پسند نہ آتی تھی، عرض کیا میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کھاتا ہوں، کہاں سے کھاتا ہوں، کہاں جاؤں، کدھر کا رُخ کروں، کس چیز سے پرہیز کروں، پاک و ناپاک میں کیسے امتیاز کروں، مرشد نے زیادہ اصرار کیا تو عرض کیا، اگر خود رو ساؤین کی روٹیاں مل جائیں تو غلام کھائے، مرشد نے ساواں منگوایا، اور اس کے چاولوں کی پاک و صاف روٹیاں پکوا کر کھلائیں اور فرمایا، تمہارا خدا پاک ہے، اور پاک کو پاک ہی پہچانتا ہے، اور پاک کو ناپاک چیزوں سے پاک رکھتا ہے، تم قلب کی پاکیزگی کے ساتھ حضرت پاک کی طرف متوجہ اور اس پر متوکل رہو، اس وقت تم پر یہ حقیقت منکشف ہوجائے گی، کہ دونوں جہان میں ذاتِ پاکِ حق کے سوا کچھ نہیں ہے، ان کلمات سے ان کی تسکین ہوگئی[1]،

صاحب سیرۃ الاولیاء کے بیان میں بعض اور تفصیلات بھی ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء نے امتحاناً دسترخوان پر ممنوعہ چیزیں رکھنے کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ خانقاہ کے دروازہ پر باز جرے، اور زریں زین و لگام سے آراستہ گھوڑے بھی کھڑے کر دیئے جائیں، شیخ احمد عبد الحق جب پہنچے تو خانقاہ کے دروازے

---

[1] پوری تفصیل انوار العیون سے ماخوذ ہے، ص ۱۲ تا ۱۵،

پر یہ رئیسانہ ٹھاٹھ دیکھے، اندر گئے تو دسترخوان پر متنوعہ چیزیں نظر آئیں، اس کو دیکھ کر آپ کی طبیعت مکدر ہو گئی، اور آپ الٹے پاؤں واپس گئے[1]

بیعت سلوک کی تربیت اور خلافت

اشارہ غیب سے دوبارہ پانی پت واپسی کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا نے اپنی چہار ترکی کلاہ اپنے سر سے اتار کر اپنے مرشد حضرت شیخ شمس الدین ترک کے مزار اقدس سے مس کر کے شیخ عبد الحق کے سر پر رکھدی، اور کھانے پر وہی باتیں ارشاد فرمائیں جن کا ذکر انوار العیون میں ہے، اس سے شیخ احمد عبد الحق کے تمام وساوس دور ہو گئے، ان کو پوری تسکین ہو گئی، ان کا قلب انوار باطن سے متجلی ہو گیا، اور اپنے کو بیچون وچرا مرشد کے حوالے کر دیا، اور ان کی خانقاہ میں ریاضیات ومجاہدات میں مشغول ہو گئے، اور ان کی تربیت میں مراحلِ سلوک کی تکمیل کے بعد مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا نے خلعت خلافت سے بھی سرفراز فرمایا، اور عبد الحق کے خطاب سے نوازا، ان کے لئے بڑی دعائیں کیں، اور فرمایا کہ میں نے خدا سے ۶۰ چلے سے دعا کی ہے کہ میرا سلسلہ تم سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نور معرفت سے منور کرو، اس کا اثر قیامت تک باقی رہے، اور اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو[2]

صاحب سیر الاقطاب کا بیان ہے کہ خلافت سے سرفرازی کے بعد شیخ احمد اپنے وطن لوٹ گئے[3] یہاں ایک بزرگ شیخ صلاح کا مزار تھا، جواب بھی ہے، اس لئے صوفیہ کے اصول کے مطابق حضرت مخدوم نے ان کی روح سے ردولی میں قیام کی اجازت مانگی، اور درخواست کی کہ اگر ایک مصلیٰ اور ایک سبوچہ مل جائے تو یہاں قیام کریں، جواب ملا کہ کھنڈو کے تالاب (موجودہ تالاب منڈھا) سے مصلیٰ اور سبوچہ لے لو

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۷۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

شیخ احمد نے تالاب میں ہاتھ ڈالا تو ایک سبوچہ اور ایک جھلنگا ملا، یہ دونوں چیزیں لے کر اپنے آبائی مکان میں فروکش ہو گئے[1]،

سنام میں قیام | لیکن مرآۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت عطا کرنے کے بعد حضرت جلال الدین کبیر الاولیائ نے حضرت مخدوم کو اپنے پیران عظام کے طریقہ کے مطابق مزید مجاہدات کے لئے سنام جانے کا حکم دیا، جس طرح حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کو ہانسی جانے کا حکم دیا تھا، اس لئے حضرت مخدوم پانی پت سے سنام تشریف لے گئے، اور ہمہ تن ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے[2]، سنام جانے کا ذکر انوار العیون میں بھی ہے، لیکن اس کی تصریح نہیں ہے کہ مرشد کے حکم سے تشریف لے گئے تھے، اور زمانہ کی تعیین بھی نہیں ہے،

سنام میں ایک بیوہ بی بی فاطمہ کے گھر میں قیام فرمایا، ان کے کئی لڑکے تھے، یہ بی بی حضرت مخدوم سے اپنے لڑکوں کی طرح محبت کرتی تھیں، آپ بھی ان سے بہت مانوس تھے، فرماتے تھے کہ فقیر قیام لیل میں کبھی ان بیوی پر سبقت نہ کر سکا، جب فقیر اس کے لئے اٹھتا اور اس کا خیال رکھتا کہ میرے اٹھنے سے بی بی صاحبہ کو زحمت نہ ہو تو ان کو یاد خدا میں مشغول پاتا، وہ غایت لطف و محبت سے ہندی زبان میں فرماتیں "بیٹا احمد گرم پانی موجود ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں[3]"

ایک خواب اور اس کی تعبیر | سنام کے قیام کے زمانہ میں حضرت مخدوم نے اور بیوی فاطمہ نے خواب دیکھا کہ لوگ ایک بڑے تالاب سے بے شمار مچھلیاں مار رہے ہیں، اس کی تعبیر آپ نے یہ دی کہ سنام اور دلی میں تباہی آئے گی، اس خواب کے چند ہی دنوں کے

---

[1] انوار العیون ص ۱۳ [2] مرآۃ الاسرار قلمی [3] انوار العیون ص ۱۵،

بعد ۸۰۱ھ میں تیمور کا حملہ ہوا، اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا، حضرت مخدوم نے :۔
"لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار" کا نعرہ لگایا، اور سنام سے پانی پت روانہ ہو گئے، یہاں پہنچکر دیکھا کہ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے خدام رخت سفر باندھ رہے ہیں، اور کسی پہاڑی علاقہ کی طرف جانے کی تیاری ہے، پیر و مرشد نے جاولو کا ایک طباق محبوب مرید کو دیا، اور فرمایا بابا احمد خدا کا قہر نازل ہوا ہے، کسی طرف نکل جاؤ، تم کو خدا کے سپرد کیا، چنانچہ آپ پانی پت سے بدایوں روانہ ہو گئے[۱]،

لیکن مرآۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بھکر تشریف لے گئے[۲]، یہاں ایک مسجد میں قیام فرمایا، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے اور جو ندر و نیاز میں ملجاتا اس سے کھانا پکا کر وارد و صادر کو کھلاتے، اور رات دن عبادت میں مشغول رہتے[۳]،

سوزش عشق میں سیاحت حضرت مخدوم پر سوزش عشق اور ذوق و طلب کا اتنا غلبہ تھا کہ کہیں ان کی پیاس نہ بجھتی تھی، حضرت شیخ عبد القدوس لکھتے ہیں، کہ اگرچہ حضرت شیخ العالم اپنے پیر دستگیر شیخ المشائخ جلال الحق والدین کی بدولت وحدت کے دریا نوش کر چکے تھے، لیکن باطن کی تشنگی نہ بجھتی تھی، ہر دم ہل من مزید کی صدا لگاتے تھے ہرچند وہ مقام کبریٰ پر فائز ہو کر سب کو عبور کر چکے تھے لیکن جس چیز کی طلب تھی اس کے حدود و مراحل میں امتیاز نہ ہوتا تھا، اس لئے شور انگیز دم بھرتے اور اور فرماتے احمد ذات حقیقی کی طلب میں پچاس سال عالم گردی کرتے رہے، مگر

---

[۱] انوار العیون ص ۱۶-۱۷، [۲] مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ مقام کا نام ٹھیک نہیں پڑھا جاتا، بظاہر بھکر معلوم ہوتا ہے، انوار العیون کے بیان سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے، [۳] انوار العیون ص ۲،

اب تک مقصود حاصل نہ ہوا، اور دنیا میں کوئی ایسا نہ ملا جو مقصود حقیقی کا پتہ دیتا،
اے احمد عمر کے پچاس سال ضائع ہوگئے، نہ اپنی ذات کو آرام ملا نہ مقصود ہی حاصل ہوا[۱]

از نکتہ مقصود نشد فہم حدیثے　　　　لا دین و لا دنیا بے کار بماندیم

اسی ذوق و طلب میں پورے ہندوستان کی سیاحت کی اور مختلف مقامات کے علماء و مشایخ سے ملے، ان کی سیاحت کا دائرہ سندھ و پنجاب سے لے کر بنگال تک وسیع تھا، بنگال میں پنڈوہ تشریف لے گئے، اور یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ نور الدینؒ سے ملے، چلتے وقت اس خیال سے کہ بزرگوں کے پاس خالی ہاتھ نہ جانا چاہئے تحفہ میں ایک سرسبز گھاس لیتے گئے تھے، اس کو حضرت نور الدینؒ کی خدمت میں پیش کرکے فرمایا "بابا صفا ہے" شیخ نور الدین نے جواب دیا "بابا عزت ہے" تھوڑی دیر دونوں بزرگ ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے، مگر کوئی گفتگو نہیں ہوئی، اس روحانی ملاقات کے بعد حضرت مخدوم واپس ہوگئے[۲]

پنڈوہ کے قیام کے دوران میں یہاں کے بعض مشہور علماء سے بھی ملے، اس کا ذکر انوار العیون میں ہے، پنڈوہ سے واپسی میں بہار آئے، یہاں دو مجذوبوں سے ملاقات ہوئی، انھوں نے حضرت مخدوم کو گلے لگایا، اور اپنی زبان میں ایسے اشارات کئے، جس سے شیخ کو بڑی تسکین ہوئی، اور ان کو حصولِ مقصد کی امید بندھی، بہار سے اجودھیا تشریف لائے، یہاں ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ زندہ لوگوں سے تو حقیقی مقصود کی خبر نہیں ملی، شاید مُردوں سے اس کا پتہ چلے، چنانچہ کچھ دنوں تک بزرگوں کے مزارات، عام قبرستانوں، آبادیوں

---

[۱] انوار العیون ص ۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۰،

اور ویرانوں میں مضطرب و بے قرار پھرتے رہے، اسی دوران میں خیال آیا کہ کچھ دن قبر میں گذارنا چاہئے، چنانچہ ایک قبر کھود کر اس میں چھ مہینہ کا چلہ کیا، یہاں جو احوال وکوائف دل پر گذرے ان سے آپ کی شورش فرو اور آپ کے قلب کو پوری سکینت حاصل ہو گئی، [1]

ارشاد و ہدایت اور طریقہ تربیت ان مراحل سے گذرنے کے بعد مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن ہوئے راہ سلوک میں اصل چیز فنا اور اپنے کو مٹانا ہے، اس لئے حضرت مخدوم سب سے پہلے طالبین کے نفس کی اصلاح فرماتے تھے، اور ان سے خانقاہ میں پانی بھرنے لکڑیاں چیرنے، جاروب کشی کرنے اور اس قسم کی دوسری خدمت لیتے تھے، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی مدتوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے،

ان کے خادم خاص میاں مخلص نے جب پہلی مرتبہ بیعت کی درخواست کی تو آپ نے ایک گڈھا کھود، اس میں پانی بھرا اور ایک کنکری ڈال کر میاں مخلص سے فرمایا، اسکو نکالو انھوں نے ہاتھ ڈال کر کنکری نکال دی، پھر آپنے تھوڑی سی مٹی پانی میں ڈالکر فرمایا اسکو نکالو، وہ پانی میں حل ہو چکی تھی، اسلئے کچھ نہ ملا، اس تمثیلی مشاہدہ کے بعد فرمایا، اگر معبود کی درگاہ میں مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو اسی مٹی کی طرح اپنا نام ونشان گم کر کے اپنی ہستی کو ذات الٰہی میں فنا کر دو، اسوقت میری خانقاہ میں رہنے کی اجازت ہے، ورنہ یہاں سے چلے جاؤ" للحرب رجال و للقصعہ رجال" بزرد آنہا مرد اور ہوتے ہیں اور دریا لہ چاٹنے والے اور، لیکن

---

[1] انوار العیون میں ان واقعات کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ص ۲۲-۲۳ اجودھیا میں انکی چلہ گاہ مدتوں محفوظ رہی، اب غالباً اسکا کوئی نشان باقی نہیں ہے [2] انوار العیون ص ۱۸ و مرأة الاسرار نسخہ قلمی حالات مخدوم احمد عبد الحق،

بزم صوفیہ

مخلص اپنے مقصد میں مخلص تھے، انھوں نے آپ کے فرمان پر پورا عمل کیا، اور آپ کے محبوب مریدوں اور ولیوں میں ان کا شمار ہوا[1]،

ایک مرتبہ ایک امیر تاتار خاں کے ملازم میاں سالار نے جو خود بھی ایک معزز آدمی تھے، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی، اس وقت ان کے مرید خانقاہ کے لئے گارا بنا رہے تھے، اور میاں سالار بڑے پرتکلف لباس میں تھے، پاؤں میں زرتار موزہ تھا، حضرت مخدوم نے فرمایا تم بھی گارا بناؤ، میاں سالار نے بےتکلف اسی لباس میں گارا میں گھس گئے، اس امتحان کے بعد ان کو مرید کیا[2]،

جو شخص امتحان میں پورا نہ اترتا اس کو مرید نہ فرماتے، ایک مرتبہ ایک امیر فضیل غوری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زرتار موزہ پیش کرکے مرید ہونے کی درخواست کی، آپ کو اس کی طلب میں شبہہ تھا، اس لئے فرمایا، تیری گردن موٹی ہے اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اس میں نہ آئے گی، اس نے دوبارہ عرض کیا، فرمایا اچھا گھڑا لے کر حوض سے پانی بھر لاؤ، اس نے گھڑا اٹھایا لیکن باہر جاکر دوسرے شخص سے پانی بھروایا، اور خود سر پر لیکر آیا، آپ نے فرمایا، میں نے کہا نہ تھا کہ تیری گردن موٹی ہے، اور فقیر کی رسی تنگ ہے، اسمیں نہ آئے گی، اور مرید نہیں فرمایا[3]،

آپ کی خانقاہ میں یہ روایت آپ کے بعد بھی قائم رہی، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، اگرچہ حضرت مخدوم کے پوتے شیخ محمد کے مرید تھے، لیکن روحانی تربیت تمامتر حضرت مخدوم کی روحانیت سے پائی تھی، جس کا ذکر آیندہ آئے گا، وہ جس زمانہ میں آپ کی خانقاہ میں مجاہدات میں مشغول تھے، خانقاہ میں جھاڑو دیتے، لکڑی چیرتے، پانی بھرتے

---

[1] انوار العیون ص ۵۷-۵۸، [2] ایضاً ص ۱۰، [3] ایضاً ص ۶۸،

گلکاری کرتے تھے[1]،

جس مرید میں مشیخت کی بو پیدا ہو جاتی، اس کی بیعت فسخ کر کے اپنے مریدوں سے خارج کر دیتے، ایک مرید شیخ بودھی او دھی کو خلافت عطا کی، خلافت ملنے کے بعد انھوں نے اپنی دوکان الگ لگا لی اور ایک خانقاہ قائم کرکے مرید کرنا شروع کر دیا' اور اس کی شیرینی لاکر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کی، آپ بہت برہم ہوئے، اور ان سے خلافت چھین لی اس کے بعد شیخ بدھی دیوانہ وار نعرہ لگاتے پھرتے تھے، کہ "شیخ احمد ماریو ماریو"، لیکن آپ نے دوبارہ خلافت نہیں دی[2]،

محویت و استغراق حضرت مخدوم جمال حق کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق تھے کہ ہر وقت محویت اور استغراق کا عالم طاری رہتا تھا، صاحب مرآۃ الاسرار لکھتے ہیں کہ سلسلۂ چشتیہ میں خواجہ ابو محمد چشتی اور خواجہ بختیار کاکی کے بعد دائرۂ وجود مطلق اور نقطہ ذات حقیقۃ الحق کے مشاہدے کا جو دوامی استغراق دیگر مخدوم عبد الحق کو حاصل تھا اس سے زیادہ کسی ولی کو میسر نہ ہوا[3]،

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت پیر دستگیر حضرت شیخ احمد عبد الحق دائم الحال تھے، ہر وقت احوال کے دریا میں غرق رہتے تھے، اگر کوئی قرابت دار دوست اور ہمسایہ تک آپ سے ملنے کے لئے آتا تو اس کو نہ پہچانتے، پوچھتے تم کون ہو، وہ عرض کرتا میں فلاں ہوں' فرماتے فلاں کون' وہ عرض کرتا فلاں ابن فلاں اس طرح جب کئی پشتوں کی وضاحت ہو جاتی' اُس وقت آپ پہچانتے اور فرماتے ہاں فلاں شخص تو ہمارا ہے[4]،

---

[1] لطائف قدوسی ص ۲ [2] انوار العیون ص ۱۳ [3] مرآۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم [4] انوار العیون ص ۲۶،

نماز باجماعت کا اہتمام لیکن اس محویت و استغراق کے باوجود نماز باجماعت کا بڑا اہتمام تھا، پانچوں وقت کی نماز ردولی کی جامع مسجد میں پڑھتے تھے، ایک خادم آگے آگے حق حق کی صدا لگاتا جاتا تھا، اور آپ اس کی آواز پر راستہ طے کرتے تھے، چالیس پچاس سال تک جامع مسجد میں نماز پڑھی، لیکن راستے کا اندازہ نہ ہو سکا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے[۱] پوری رات شب بیداری میں بسر ہوتی تھی، کامل بتیس[۳۲] سال تک تکیہ پر سر نہ رکھا[۲]،

اخلاص فی العبادۃ آپ کے نزدیک حقیقی عبادت وہی ہے جسمیں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو، ایک مرتبہ کسی سفر کے دوران میں ایک مسجد میں قیام ہوا، یہ جمعہ کی شب تھی، بستی کے لوگ مسجد آتے اور سات اذانیں دیتے، ایک شخص نے حضرت مخدوم سے کہا کہ میاں مسافر تم بھی اذانیں دو آج شب جمعہ ہے، آپ نے فرمایا شب جمعہ کو سات اذانیں دینے کا مقصد کیا ہے، اس نے کہا اللہ تعالیٰ جمعہ کی مبارک رات کو سات اذانوں کی برکت سے اس ہفتہ کی تمام بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے، حضرت مخدوم نے فرمایا، میرا دل اس غرض کے لئے تکرار اذان کی اجازت نہیں دیتا، جو بندہ اپنی بھلائی کے لئے خدا کی عبادت کرتا ہے، اور اس کی بلاؤں سے دوری کا خواستگار ہوتا ہے، وہ درحقیقت اپنی بھلائی کا بندہ ہے، خدا کا خالص بندہ اس کا بندہ ہوتا ہے، منافق نہیں ہوتا، اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ بندہ کا مقصود و مطلوب حضرت صمدیت کے سوا کچھ اور نہ ہو" واعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین[۳]"

حفظ شریعت میں اہتمام اس تحیر و استغراق کے باوجود جو حضرت مخدوم پر طاری رہتا

---

[۱] انوار العیون ص ۱۱ [۲] ضمیمہ انوار العیون بحوالہ جامع السلاسل [۳] ایضاً ص ۱۱ یہ بات اپنے معاصر سے فرمائی ہوگی

تھا، حفظ و احترام شریعت کا بڑا اہتمام تھا، ایک مرتبہ آپ پنجاب میں تھے کہ غلبۂ حال میں آپ کی زبان سے بعض شطحیات نکل گئے، جب ہوش آیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ ایسے ایسے کلمات آپ کی زبان سے نکلے ہیں، آپ نے سن کر فرمایا "اعوذ باللہ منہا میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگیا!" اور اس کے کفارہ میں سخت سردی کے موسم میں دریائے سندھ میں گلے گلے پانی میں اتر کر کئی مہینے رات سے صبح تک "دین محمد قائم دائم دین محمد قائم دائم"، کا ورد کرتے رہے، سردی کی شدت سے بدن کی کھال پھٹ کر خون جاری ہوگیا تھا، اس لئے صبح کو تازہ غسل کرکے فجر کی نماز پڑھتے۔[1]

آپ کا ایک مرید ایک دن عالم مستی میں آپ کی خانقاہ میں حق پیر من پاک حق پیر من پاک" کا نعرہ لگانے لگا، ہرچند لوگوں نے منع کیا، مگر وہ خاموش نہیں ہوا، اور یہی نعرہ لگاتا رہا، اس کی آواز سن کر حضرت مخدوم کوٹھے سے اتر آئے اور فرمایا پیر کس طرح پاک ہوسکتا ہے، جب کہ وہ بندہ ہے، بندہ سراپا پلید ہوتا ہے، وہ کس طرح پاک ہوسکتا ہے، پاکی صرف حق تعالیٰ کے لئے ہے، اور کسی کو راست نہیں آتی۔[2]

اتباع سنت مریدوں کو اتباع سنت کی ہدایت فرماتے تھے، اپنے ایک محبوب مرید شیخ بختیار کو مراحل سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا کہ تم نے رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے طفیل میں خدا کو پایا کما قال اللہ "ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" دونوں جہان کو زیر قدم چھوڑ کر بلند ترین مقام پر فائز ہو گئے "من لہ المولیٰ فلہ الکل"، شیخ عبدالقدوسؒ لکھتے ہیں کہ شیخ بختیار کی کوئی بات اور کوئی گفتگو کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے سوا نہیں ہوتی تھی

[1] مراۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم صاحب مراۃ الاسرار نے ان شطحیات کی تاویل بھی کی ہے، انوار العیون ص ۳۶

[2] انوار العیون میں ان کی مریدی کا واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے، ہم نے اس کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔

ذوق سماع | لیکن سماع سے بڑا ذوق تھا، جب آپ سماع کی حالت میں ہوتے تو دونوں آنکھیں ہوا کی سمت میں ہوتیں کبھی روتے کبھی ہنستے، چہرہ سرخ تمتایا ہوا ہوتا، ایک دن ایک درویش نے آپ سے پوچھا کہ سماع کی حالت میں کبھی آپ اس طرح روتے ہیں کہ ساری مجلس رو دیتی ہے، اور کبھی ہنستے ہیں اور آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، فرمایا جب اہل سماع اس کو جمالی صفت میں مشاہدہ کرتے ہیں، اور اس کا بے اندازہ لطف و کرم دیکھتے ہیں تو مسکراتے ہیں، اور جب اس کا جلالی چہرہ دیکھتے ہیں تو پریشان ہوتے ہیں، اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے[1]،

سماع کے بعد گھر میں جو کچھ ہوتا تھا قوالوں کو دیدیتے تھے، ایک مرتبہ سماع کے بعد لونڈی سے فرمایا جاؤ گھر سے کچھ لاکر قوالوں کو دیدو لونڈی اندر گئی تو حضرت کی اہل خانہ بہت برہم ہوئیں اور کہا جاکر کہہ دو کہ گھر میں کچھ نہیں ہے آپ نے یہ جواب سنا تو قوالوں سے فرمایا، اسی لونڈی کو لیجاؤ، بعض مریدوں نے قوالوں کو تین تنکہ دیکر لونڈی واپس لے لی، حضرت شیخ جب زنانخانے میں تشریف لے گئے اور لونڈی پر نظر پڑی تو فرمایا جب تک یہ لونڈی گھر میں ہے میں نہ رہونگا، اور کچھ دنوں کے لیے اجودھیا چلے گئے[2]،

ایک دن جمن قوال کے گانے سے آپ پر وجد و ذوق طاری ہو گیا، آپ جمن سے بہت خوش ہوئے، فرمایا جو مانگنا ہو مانگ اس نے آپ کا خرقہ مانگا، فرمایا تو اسکو برداشت نہ کر سکے گا کوئی دوسری چیز مانگ، مگر اس نے پھر خرقہ مانگا، اس کے اصرار پر آپ نے اس کو خرقہ عطا کر دیا، اس نے تین دن تک اس کو پہنا، چوتھے دن فریاد کرتا ہوا

---

[1] ضمیمہ انوار العیون بحوالہ مونس العارفین ص ۴۲ [2] انوار العیون ص ۹۴،

حاضر ہوا، اور عرض کیا، پیر دستگیر مجھ میں اس کے پہننے کی طاقت نہیں ہے، تین دن تک میں آگ کے دریا میں پڑا رہا، اور ساحل نجات نظر نہ آتا تھا، یہ کہہ کر خرقہ واپس کر دیا آپ نے فرمایا، تم نے بھی بڑا کام کیا کہ تین دن تک اس فقیر کا خرقہ برداشت کر لیا،[1]

زہد عن الدنیا وہ تجرید و تفرید اور زہد کے اس درجہ پر تھے جہاں دنیا اور دولت دنیا کا گذر نہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ العالم کے دربار فیض میں اہل دنیا اور دولت دنیا کا گذر نہ تھا، جب کوئی شخص اس قسم کا تذکرہ کرتا تو آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا، اس لئے کسی کو اس کی ہمت نہ ہوتی تھی، اسی لئے آج تک جب کہ آپ کے وصال پر پچاس سال گذر چکے ہیں، آپ کی اولاد میں اتنی وسعت نہ پیدا ہو سکی، کہ اطمینان سے زندگی بسر ہو سکے، اور فکر معاش کی طرف سے بے فکری ہو،[2]

چنانچہ حضرت مخدوم نے کبھی امرار و سلاطین سے تعلق نہیں رکھا، انھوں نے جاگیریں پیش کیں مگر آپ نے انکار فرمایا، البتہ ان کی اصلاح کے لئے ملنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سلطان ابراہیم کی اصلاح کی غرض سے اس سے ملنا چاہا، مگر قاضی رضی نے سلطان سے آپ کی ملاقات مصالح حکومت کے خلاف سمجھی، اور پہلے امتحاناً آپ کی خانقاہ کی مصارف کے لئے سلطان سے سوادِ ردولی میں چار مواضعات اور ایک ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان لکھا کر اور دوسرے ہدایا و تحائف کے ساتھ حضرت مخدوم کی خدمت میں لاکر پیش کیا، انھوں نے اس کو پڑھ کر فرمایا قاضی کلمہ پڑھو تم کافر ہو گئے، قاضی صاحب نے تعجب سے پوچھا حضرت مخدوم میری زبان سے کون کلمۂ کفر نکلا ہے، فرمایا یہ کفر نہیں ہے کہ تم اور ابراہیم دوسرے خدا پیدا ہوئے ہو، جو رزاقی کا دعوی کرتے ہو؛

---

[1] انوار العیون ص ۴۳، [2] ایضاً ص ۱۳۱،

وہ خدا جو ابراہیم کے خدم و حشم، اس کے گھوڑے، ہاتھیوں اور خود تم کو اور تمھارے خدم و حشم کو رزق دیتا ہے، وہ خدا جس کی درگاہ کا میں ایک گدائے بینوا ہوں، کیا وہ میرے فرزندوں کو رزق نہ دیگا، تم اور ابراہیم کیوں درمیاں میں پڑتے ہو، قاضی خاں نے ہرچند اصرار کیا مگر جاگیر قبول نہ کی، اور فرمایا، میری اولاد فقر کی قدر نہ پہچانے گی،" الفقر کنز من کنوز الجنۃ اور یہ شعر

کنداں ہوے تو پاؤں سمند کہ پاٹن جائے	باراہوئے تو برجوں جھیل کہ برجن جائے

پڑھکر لوٹ آئے،[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ اور ہے، ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم محمد خاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے داماد میاں جھانسہ (شیخ زید) نے حضرت مخدوم سے فرمایش کی، کہ وہ محمد خاں سے کہہ کر کاشت کاری کے لئے تھوڑی سی زمین دلادیں حضرت مخدوم معلوم نہیں کس حالت میں تھے، محمد خاں سے فرمایا کہ یہ مردک (میاں جھانسہ) کہتا ہے کہ میں محمد خاں سے کہدوں کہ تھوڑی سی زمین کاشت کاری کے لئے دیدے، چنانچہ جب محمد خاں واپس جانے لگا تو میاں جھانسہ کو ساتھ لیتا گیا اور اسی وقت موضع کلو[2] میں سات سو بیگھہ زمین کا فرمان لکھ کر ماتحت حکام کے حوالہ کیا، اور تاکید کی کہ آج ہی زمین کی پیمایش اور حد بندی کرکے اس کو میاں جھانسہ کے حوالے کردیا جائے، میاں جھانسہ یہ فرمان لیکر خوش خوش حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کو آپ کے سامنے پیش کیا، آپ نے پڑھوا کر سنا، اور سن کر بہت برافروختہ

---

[1] انوار العیون ص ۲۵، ۲۶ [2] یہ موضع اسی نام سے ردولی کے قریب موجود ہے،

ہوئے، اور اس کو لیکر پرزے پرزے کر ڈالا، اور اپنے خادم خاص بہرام کو حکم دیا کہ اسکو باہر لے جاکر اس طرح پھینکو کہ اس کا ایک پرزہ بھی میری خانقاہ میں نہ رہنے پائے، اور محمد خاں کے پاس میاں بہرام کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ تم کون ہو اور یہ زمین تم کو کہاں سے ملی ہو کہ درویشوں کو تکلیف پہنچاتے ہو، محمد خاں یہ سن کر گھبرا گیا، اور بہرام کے قدم پکڑ کر کہا، اسی طرح میری جانب سے حضرت مخدوم کے قدم پکڑ کر عرض کرنا کہ میں حضرت کا باطنی عندیہ کیونکر سمجھتا، بظاہر حضرت کا جو فرمان تھا، اس کی تعمیل میری جان کے برابر تھی، بہرام نے واپس آکر اسی طرح سے حضرت مخدوم کی خدمت میں محمد خاں کی جانب سے کر دیا[۱]

امرار کی تادیب و اصلاح امرار کی اصلاح کے لئے ان کو ہدایت اور تنبیہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ مشرقی سلطنت کا امیر کبیر مجلس عالی فیروز خاں کسی جنگی ضرورت سے ایسولی آیا ہوا تھا، حضرت مخدوم کو خبر ہوئی تو اپنے مرید بہرام کے ہاتھ اس کے پاس ایک خط بھیجا، انھوں نے لیجا کر شیخ فخرالدین کے حوالہ کر دیا، انھوں نے فیروز شاہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس نے اس کو کھولا تو یہ اشعار تھے،

ہر آں کو غافل از وے یک زمان است | دراں دم کافر است اما نہان است
مبادا غائبے پیوستہ باشد | در اسلام بروے بستہ باشد
حضورم بخش اے پروردگارم | کہ من غائب شدن طاقت ندارم

اشعار پڑھکر فیروز خاں بے قرار ہوگیا، اور شیخ فخرالدین سے کہا گھوڑا اور پالکی لے کر فوراً حضرت مخدوم کے پاس جاؤ اور میری طرف سے عرض کرو کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ میں حصار سے باہر نہ نکلوں، اس لئے حاضری سے معذور ہوں، ورنہ خود حاضر ہوتا،

---

[۱] انوار العیون ص ۱۳۱،

اور ایک عمدہ گھوڑا اور دس تنگہ نذرانہ بھیجا،[1]

ایک مرتبہ پرگنہ ردولی کا حاکم تاتار خاں بزرگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے آنکھ اٹھاکر اس پر نگاہ ڈالی اور فرمایا " دنیا میں ایسی چال چلو کہ کچھ دن باقی رہو" اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بیہوش ہوگیا، اس کے بعد سے وہ حضرت مخدوم کا اتنا معتقد ہوگیا کہ اکثر آپ کی خدمت میں پا پیادہ حاضر ہوتا تھا،

بعض سبق آموز واقعات | آپ ان مشائخ کو بھی سبق دیتے تھے، جن کے یہاں ظاہری شان و شوکت ہوتی تھی اور حاجب و دربان رہتے تھے،

حضرت شیخ زین الدین اودھی کے دروازے پر دربان رہتا تھا، اس کا قاعدہ تھا کہ جو آنے والا ہدیہ و تحفہ لاتا اس کو اندر جانے دیتا، ورنہ واپس کر دیتا، ایک مرتبہ حضرت مخدوم ان سے ملنے گئے آپ خالی ہاتھ گئے تھے، اس لئے دربان نے واپس کر دیا، واپس آکر آپ نے عمدہ لباس پہنا اور ایک طشت میں کنکر پتھر بھرے اور اس پر خوان پوش ڈال کر اور ایک آدمی کے سر پر رکھواکر دوبارہ پہنچے طشت دیکھ کر دربان نے اندر جانے کی اجازت دیدی، شیخ زین الدین نے خوان پوش اٹھاکر دیکھا تو کنکر پتھر تھے، پوچھا مخدوم یہ کیا ہے، فرمایا تمہارے پاس آنے کا ذریعہ جس کے پاس یہ نہ ہو وہ تم سے نہیں مل سکتا،[2]

اسی قسم کا ایک سبق آموز واقعہ یہ ہو کہ اجودھیا کے قیام کے زمانہ میں آپ نے ایک کتیا پالی تھی، اس نے بچے دیئے، اس تقریب میں آپ نے دعوت کی اور شہر کے تمام معززین کو مدعو کیا، اجودھیا کے حاکم فیروز خاں کو بھی بلایا، اور بہت سے عوام و خواص بھی شریک ہوئے لیکن مشائخ کو نہیں مدعو کیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت شیخ جمال الدین گوجری

---

[1] انوار العیون ص ۹۰ [2] ایضاً ص ۲۰۷، [3] ایضاً ص ۲۴۲،

اور وہی ان سے ملنے کے لئے آئے، اور شکایت کی، کہ حضرت مخدوم نے سارے شہر کو مدعو کیا، اور مجھے نہیں پوچھا، فرمایا یہ کتے کی تقریب تھی، اس لئے سگان دنیا کو بلایا تھا، تم تو آدمی ہو، تم کو اس دعوت میں کیسے بلاتا،[1]

تنعم کی زندگی عذاب دوزخ کا ذریعہ ہے تنعم کی زندگی اور نفس پروری کو عذاب دوزخ سے تعبیر فرماتے تھے، ان کے ایک مرید شیخ فرید کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، ایک مرتبہ بہت سا کپڑا بیچنے کے لئے خریدا، گٹھری لے کر حضرت مخدوم کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ ان کی نظر پڑ گئی، شیخ فرید کو بلایا اور گٹھری کھول کر مہین کپڑے کا ایک تھان نکالا اور اس کو بدن پر رکھ کر فرمایا کتنا اچھا کپڑا ہے، سارا بدن دکھائی دیتا ہے، پھر دوسرا نرم اور ملائم کپڑے کا تھان نکالا اور اسکو بدن پر رکھ کر فرمایا کتنا نرم اور خوبصورت کپڑا ہے، جو لوگ اس طرح کی تنعم کی زندگی بسر کرتے اور نفس پروری کرتے ہیں وہ کس طرح عذاب دوزخ سے بچ سکتے ہیں،[2] خود ان کے لباس میں ایک گدڑی رہتی تھی، اس میں بھی پیوند لگے ہوتے تھے،[3]

بعض ملفوظات ان پر ذات حق کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر کام میں حق حق حق کی آواز بلند کرتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ خدا کی ذات پاک بے نام ونشان ہے، اگر اس کی ذات پر اس کے ناموں میں سے کسی نام کا کامل اطلاق ہو سکتا ہے، تو وہ "حق" کا اسم پاک ہے کیونکہ حق کے معنی یہ ہیں کہ اسکی ذات پاک تمام کمالات کی مستحق ہے، اور یہ کمالات اسی ذات کے ساتھ قائم ہیں، اور خدا کی ذات پاک تمام کمالات کے ساتھ متصف اور بذات خود قائم ہے اسلئے خدا کی ذات پر حق کا اطلاق بدرجۂ کمال ہوگا،

اسی لئے حق کا لفظ ان کے مریدوں، اُن کے فرزندوں اور اُن کے عقیدتمندوں

[1] انوار العیون ص۳۳ [2] مرأۃ الاسرار قلمی ص۵ [3] انوار العیون ص۳۳ [4] مرأۃ الاسرار قلمی،

کی زبان پر اس طرح جاری و ساری رہتا ہے کہ جو سانس بھی اندر لیجاتے اور باہر نکالتے ہیں، وہ حق کے ذکر کے ساتھ ہوتی ہے، اور جو قدم زمین پر رکھتے ہیں، حق کے ذکر کے ساتھ رکھتے ہیں[1]،

فرماتے تھے کہ منصور بچہ تھا، قوت برداشت نہ تھی، اس لئے اسرار ظاہر کر دیئے بعض بندگان خدا ایسے بھی ہیں جو دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے، نظامی بچہ تھا کہ اس نے یہ شعر کہا،

صحبت نیکاں زجہاں دور گشت　　　خانِ عسل خانۂ زنبور گشت[2]

جب عالم شوق میں جوش زن ہوتے تو اکثر یہ اشعار پڑھتے[3]،

یخے شکستہ از ہمہ عالم برائے یار　　　آرے برائے یار دو عالم تواں شکست

احمدا تا در نبازی جان و مال جاہ و تن　　　ہرگز از عشقت نیابد شمۂ نہ رشام

سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں آپ کا درجہ

سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں حضرت مخدوم کو واسطۃ العقد کی حیثیت حاصل تھی، وہ اس سلسلہ کے مجدد تھے، اور اس کو سب سے زیادہ فروغ آپ ہی کی ذات سے حاصل ہوا، حضرت جلال الدین کبیر الاولیا رنے آپ کو خلافت سے سرفراز فرماتے، وقت فرمایا تھا کہ "بابا عبد الحق حیات و ممات میں مجھکو تمھارے کمالات کی انتہا نظر نہیں آتی[4]، اور یہ بھی دعا فرمائی تھی کہ میرا سلسلہ تمھاری ذات سے جاری ہو، تم سارے عالم کو نور معرفت سے منور کرو، اور اس کا اثر قیامت تک باقی رہے، اس کا غلغلہ کبھی کم نہ ہو، یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں کہ :-

"ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس فقیر نے اپنی آنکھوں سے ان کے فرزندوں،

---

[1] انوار العیون ص ۷۷، [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۷۶، [4] مرآۃ الاسرار قلمی پ

اور مریدوں میں ایسے ایسے باعظمت بزرگ دیکھے ہیں، جن کے اشارہ پر تیر رفتہ پلٹ سکتا ہے، اور جن کے حکم سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے، ان سے پہلے جو بزرگ گذر چکے ہیں مثلاً ان کے صاحبزادے شیخ عارف پوتے شیخ محمد، اور مریدوں میں شیخ عبد القدوس گنگوہی وغیرہ سے ساری دنیا واقف ہے[۱]،

اس دعائے مستجاب کا یہ اثر تھا کہ حضرت جلال الدین کبیرالاولیاء کے چالیس خلفاء میں آپ کا سلسلہ صرف شیخ عبد الحق سے مستحکم اور جاری ہوا[۲]،

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں، کہ شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء نے مخدوم عبد الحق کو خرقہ خلافت عطا کرتے وقت خدا سے دعا کی تھی کہ میرا سلسلہ تمھاری ذات سے جاری ہو، چنانچہ آپ کی توجہ سے آپ کے ہزاروں خلفائے نامدار اور مریدان صدق شعار ولایت کے درجہ پر پہنچے اور عرب وعجم میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے خلفاء نہ ہوں[۳]،

ان کے فرزند ارجمند شیخ محمد عارف پوتے شیخ محمد بن عارف شیخ عبد القدوس گنگوہی ابن اسمٰعیل صفی، شیخ جلال الدین محمود تھانیسری، شیخ عبد الغفور اعظم پوری شیخ جان جون پوری، اپنے دور کے اولیاء سے گوے سبقت لے گئے، اور ان میں ہر ایک سے علیحدہ سلسلہ جاری ہوا، اس طرح حضرت شیخ احمد عبد الحق نے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کو رونق تازہ اور زینت بے اندازہ بخشی[۴]،

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

"شیخ احمد عبد الحق قدس سرہ مرید شیخ جلال پانی پتی است درویش صاحب تصرف

---

[۱] سیر الاقطاب ص۲۱ [۲] ایضاً ص۲۱۲،۲۱۳،۲۱۴ [۳] اس سے مراد آپ کے سلسلہ کے خلفاء ہیں آخری دور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے عرب میں اس سلسلہ کو پھیلایا۔ [۴] خزینۃ الاصفیاء ص۳۸۶،

ومظہر خوارق عادات وکرامات وصاحب ذوق وشوق وسکر وحالت وفقر وتجرید بود، جذبہ قوی داشت ونظرے موثر وتصرفے غالب مولد او رودولی است ومرقد او نیز در آنجاست" (اخبار الاخیار ص ۱۷۱)

مشائخ زادوں کی اصلاح وتربیت حضرت مخدوم احمد عبد الحق کا مرتبہ اس سے بھی ظاہر ہے، کہ ان کے مرشد حضرت جلال الدین کبیر الاولیا نے اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کی روحانی تربیت شیخ عبد الحق کے سپرد کر گئے تھے، اور اپنے صاحبزادوں سے فرمایا تھا کہ ضرورت کے وقت احمد عبد الحق تمہاری دست گیری کے لئے کافی ہیں[۱] اور اپنا خاص خرقہ اپنے بڑے صاحب زادے خواجہ شبلی کے حوالہ کرکے وصیت کی تھی کہ اس کو باحتیاط تمام احمد عبد الحق کے حوالہ کر دینا، چنانچہ مرشد کی وفات کے بعد جب آپ مخدوم زادوں کی تربیت کیلئے پانی پت تشریف لے گئے تو خواجہ شبلی نے یہ امانت حضرت مخدوم کے حوالہ کی، انھوں نے اس کو لیکر پہنا، پھر اپنی طرف سے خواجہ شبلی کو مرحمت فرمادیا[۲]، حضرت مخدوم نے کچھ دنوں تک پانی پت میں قیام کرکے مخدوم زادوں کی تربیت فرمائی اور ان کو تکمیل تک پہنچایا، اس وقت سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیار کی اولاد مخدوم عبد الحق کے سلسلہ میں مرید ہوتی ہے اور انہی سے سلوک کی تربیت حاصل کرتی ہے،[۳]

حضرت مخدوم کے ہمعصر بعض اور بزرگوں نے بھی اپنی اولاد کی روحانی تربیت حضرت مخدوم کے سپرد کی تھی، حکیم شیخ صدر الدین، حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے اجل خلفار میں تھے، ان کے خلیفہ شیخ بدر الدین تھے، حضرت مخدوم کے دادا شیخ داؤد بھی حضرت نصیر الدین محمود کے

---

[۱] مراۃ الاسرار قلمی ۲؎ ضمیمہ انوار العیون بحوالہ تذکرہ شاہ محب اللہ الہ آبادی ص ۵۰ ۳؎ مراۃ الاسرار

حالات مخدوم جلال الدین کبیر الاولیار،

مرید اور خلیفہ تھے، اس رشتہ سے حضرت مخدوم اور شیخ بدر الدین کے بزرگوں میں بڑے تعلقات تھے، کچھ عزیزداری بھی تھی، شیخ بدر الدین کی وفات کے وقت ان کے صاحبزادے شیخ نصیر الدین صغیر السن تھے، اس لئے شیخ بدر الدین نے ان کو اپنا جانشین تو بنا دیا لیکن یہ وصیت کر دی کہ میری وفات کے بعد میرے دوست شیخ احمد آئیں گے، تمکو باطنی دولت ان سے ملے گی، چنانچہ شیخ بدر الدین کی وفات کے بعد حضرت مخدوم کو خیال ہوا کہ چل کر ان کے لڑکے کی خبر لینی چاہئے، اور ان کی تربیت کے لئے رد اسیری پہنچے، آپ کی آمد کی خبر سنکر ایک مخلوق ٹوٹ پڑی، یہاں کے حاکم قطب خاں نے جو شیخ بدر الدین کے معتقدوں میں تھا، اور آپ کے گھر والوں کی بڑی خدمت کرتا تھا، حضرت مخدوم سے بیعت کی درخواست کی، اور ایک گھوڑا نذر پیش کیا، اس خبر سے شیخ بدر الدین کے گھر والوں میں بڑی سراسیمگی پھیل گئی، حضرت مخدوم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ یہ سب مردار ہیں، گھوڑا فروخت کرکے اس کی قیمت پانسو تنکہ غریب نادار عورتوں میں تقسیم کرا دیا اور قطب خاں سے فرمایا کہ نصیر الدین کے مرید ہو جاؤ، کچھ اندیشہ نہ کرو، نصیر الدین کی کلاہ عین اس فقیر کی کلاہ ہے، اور اسی وقت قطب خاں کو شیخ نصیر الدین کا مرید کرا دیا، اور اس کی نذر بھی انہی کو دلوائی اور ان کی تربیت و تکمیل کے بعد اجازت عطا کرکے واپس تشریف لائے۔[1]

وفات ۵ جمادی الثانی ۸۲۲ھ میں ایک سو آٹھ سال کی عمر میں وفات پائی، اور اپنی خانقاہ سے متصل دفن ہوئے، ان کا مزار آج تک مرجع خلائق ہے، "دستگیر مکیاں" تاریخ وفات ہے۔

اولاد امجاد حضرت مخدوم کے کئی اولادیں ہوئیں لیکن سب بچپن ہی میں فوت ہو گئیں، اسی

---

[1] لطائف اشرفی میں اس کی بڑی لمبی تفصیل ہے، ہم نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، ص ۹۶–۹۷، شیخ بدر الدین اور نصیر الدین کا ذکر تذکرہ علمائے فرنگی محل کے دیباچہ میں بھی ہے ص ۲، مرآۃ الاسرار قلمی حالات مخدوم،

حضرت کی اہل خانہ بہت غمگین رہتی تھیں، آپ ان سے فرماتے رنج نہ کرو، ایک لڑکا ہے، انشاء اللہ تم کو دوں گا، اس کو اپنے ساتھ سفر میں لیجاکر پختہ کار بناؤنگا، اور اس شرط کے ساتھ تمھارے حوالہ کروں گا کہ ناز و نعمت کے ساتھ اس کی پرورش کرنا، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام آپ نے شیخ عارف رکھا[1]، اولاد ذکور میں یہی زندہ رہے اور انہی سے آپ کی نسل چلی،،

ان سے حضرت مخدوم بہت محبت فرماتے تھے، اور بڑے اہتمام سے ان کی تربیت فرمائی تھی، شروع میں ان کو معلم کے سپرد کرتے وقت ہدایت کی تھی کہ میں نے صرف ادب کی تربیت کے لئے تمھارے سپرد کیا ہے، ان کو اپنے علوم کی تعلیم نہ دینا، میں اپنے علوم ان کو پڑھاؤں گا[2]،

حضرت شیخ عارف الولد سر لابیہ کے مصداق تھے، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی لکھتے ہیں کہ شیخ عارف حقیقۃً عارف ربانی محقق سبحانی کامل اکمل وقت اور ولی من اولیاء اللہ تھے، ان کی شفقت و محبت خلق اللہ کے ساتھ عام تھی، ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ شیخ عارف سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں، خود ان کو بھی بڑی محبوبیت حاصل تھی، کوئی شخص ایسا نہ تھا جو شیخ عارف سے محبت نہ کرتا ہو، اور وہ اس پر شفقت نہ فرماتے ہوں، یہ عنایت ان کے کمال کا نتیجہ تھی[3]،

صاحب خزینۃ الاصفیاء لکھتے ہیں کہ شیخ عارف بڑے عظیم الشان شیخ تھے، اور شریعت طریقت اور معرفت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے[4]، یہی فرزند ارجمند حضرت مخدوم احمد عبد الحق کے جانشین ہوئے، مگر انھوں نے کل چالیس سال کی عمر پائی، اور ۸۵۹ھ میں

۱؎ انوار العیون ص۳۳ ۲؎ مراۃ الاسرار قلمی ۳؎ انوار العیون ص۴۴ ۴؎ خزینۃ الاصفیاء ج اول ص۳۹۶،

انتقال فرمایا، اس لئے آپ کے حالات تذکروں میں کم ملتے ہیں، آپ کا مزار اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں ہے، ان کے جانشین ان کے صاحبزادے شیخ محمد ہوئے، یہ بھی شیخ وقت اور تجرید و تفرید میں یگانۂ روزگار تھے[1]، ان کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے مرشد تھے، شیخ عبد القدوس گنگوہی شیخ محمد کے بڑے محبوب خلیفہ تھے، اور ان کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے شیخ بدھ اودیار کی روحانی تعلیم و تربیت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے سپرد کی تھی، اور وہ ان کے پاس شاہ آباد میں رہتے تھے، اور اپنے والد بزرگوار کے مرض الموت میں وہیں تھے، ان کی وفات کے قریب حضرت شیخ احمد عبد الحق کی روحانیت کے حکم سے ان کو لیکر ردولی آئے، اس وقت شیخ محمد کا وقت آخر ہو چکا تھا، بار بار غفلت طاری ہو جاتی تھی، مگر جب ہوش میں آتے تو فرماتے" سبحان اللہ فہم کردم، فہم کردم"، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے پوچھا کیسی فہم فرمایا، ارشاد فرمایا" توحید مطلق"، نزع کے وقت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ نے عرض کیا، "یہ مردوں کی ہوشیاری کا وقت ہے"، حضرت شیخ محمد نے جواب دیا "میری طرف سے بےفکر رہو، اس وقت میرے دل میں خدا کے سوا کسی کا گذر نہیں ہے"، شیخ عبد القدوس گنگوہی نے عرض کیا، آپ ساری دولت لیکر سفر کر رہے ہیں، آپ کے بعد میرا کیا حال ہوگا، فرمایا تم کو کیا اندیشہ تم خدا کے دلیوں میں ہو، اور شیخ بدھ اودیار، کو اپنا جانشین بنا کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی[2]،

آپ کا مزار بھی آپ کے جد امجد کے حظیرے کے باہر اس سے متصل مغربی سمت میں ہے، حضرت شیخ محمد کے بعد سے دو سلسلے چلے، ایک خاندانی اور نسبی، سجادہ نشینی کا جس کا

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۹۷، [2] لطائف قدوسی) و مراۃ الاسرار قلمی،

سلسلہ جو اب تک قائم ہے، دوسرا حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ سے، اور ان ہی سے اس سلسلہ کو فروغ ہوا،

شیخ عبد القدوس گنگوہی اس لئے حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے ذکر کے بغیر حضرت مخدوم احمد عبد الحق کا تذکرہ ناقص رہے گا، وہ حضرت مخدوم کے کمال ولایت کی سب سے روشن دلیل ہیں، وہ بیعت تو شیخ محمد سے تھے، لیکن سلوک و معرفت کی تربیت تمامتر حضرت مخدوم احمد عبد الحق کی روحانیت سے حاصل کی تھی، اس کی تفصیل انھوں نے انوار العیون میں خود اپنے قلم سے لکھی ہے، اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے کچھ حالات لطائف قدوسی میں تحریر کئے ہیں، انوار العیون میں شیخ عبد القدوس گنگوہی فرماتے ہیں کہ:۔

"اس فقیر کو ارادت و اجازت پہلے عالم معاملہ میں حضرت شیخ العالم سے درست ہو گئی، اس کے بعد حضرت کے پوتے شیخ الوقت حضرت شیخ محمد مدظلہ و اعلیٰ قدرہ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اجازت کے شرف سے مشرف ہوا، حضرت شیخ العالم نے کئی مرتبہ عالم معاملہ میں اس فقیر پر لطف و کرم فرمایا، اور ہاتھ پکڑ کر بڑے لطف و کرم سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تجھکو خدا تک پہنچا دیا، فالحمد للہ علیٰ ذالک، اس فقیر کو حضرت شیخ العالم کے ساتھ اس قدر معاملات پیش آئے کہ حد شمار سے باہر ہیں، کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا تھا کہ اس سے غفلت ہوتی ہو اور یہ واقعات حضرت کی وفات کے چالیس سال بعد پیش آئے، اس سے پہلے کیا کچھ نہ رہا ہوگا ..... حضرت شیخ العالم کی ولایت بدرجہ کمال ہے اور قیامت تک ایسے ہی رہے گی، اگر تمکو اس میں شک ہو تو صدق و اخلاص اختیار کرو، ولیس الخبر کا المعاینہ"[1]

انوار العیون کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:۔

---

[1] انوار العیون ص ۱۸،

"فقیر حقیر خادم فقراء اللہ و مفتقر رجاء اللہ، عبد القدوس بن اسمٰعیل حنفی حنیفی غزنوی خاکروب خانقاہ قطب الاقطاب تاج الاولیاء، ہادی الاصفیاء، سلطان العارفین برہان الواصلین، حضرت شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق ردولوی صاحب توشہ قدس اللہ سرہ العزیز، کہتا ہے کہ جب میں نے مدتوں آنحضرت کی متبرک خانقاہ اور پاک روضہ میں جو اپنے تقدس کے اعتبار سے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ اور مسرت و انبساط کے گلستانوں میں سے ایک گلشن ہے، شدید مجاہدوں اور لمبی لمبی ریاضتوں سے اپنے کو گھلا کر زار و نزار کر دیا، بھوک پیاس کی شدت برداشت کی تا آنکہ درا ج بیعت محویت کے مقام پر پہنچ گیا، اور بلبل جان بوستان قلب میں بیخود ہو کر چہچہانے لگی اور دوست کی ہمراز و دمساز بن گئی، یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا کی حالت طاری ہوگئی۔"[1]

شیخ رکن الدین لطائف قدوسی میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القدوسؒ اگرچہ حضرت شیخ احمد عبد الحق سے ان کی حیات ظاہری میں مشرف نہ ہوئے، لیکن ان کی حیات باطنی سے استفادہ بہرہ یاب ہوئے، کہ حضرت شیخ العالم عالم باطن میں ہر وقت و ہر حال میں ان کی تربیت اور رہنمائی فرماتے تھے، اور شیخ عبد القدوس کو شغل باطن میں تمام تر شیخ احمد عبد الحق سے جمال و کمال سے واسطہ رہا، ان کا بیان ہے کہ میں ویرانوں، مقبروں اور حجروں میں جہاں میرے سوا کوئی نہ ہوتا تھا، تنہا مشغول بحق رہتا تھا، جب نماز اور تہجد کا وقت آتا قطب عالم شیخ احمد عبد الحق کی ولایت آکر بیدار کر دیتی، حق حق حق کی آواز کانوں میں آنے لگتی، اس سے غفلت دور ہو جاتی، اور میں ہوشیار ہو جاتا، اور یہ معاملہ ہمیشہ پیش آتا،[2]

انوار العیون میں اس قسم کے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں، حضرت شیخ کا یہ

---

[1] انوار العیون ص۳ [2] لطائف قدوسی ص۸،

روحانی فیض ہر زمانہ میں جاری رہا، مصنف مرأۃ الاسرار شیخ عبد الرحمٰن چشتی، حضرت مخدوم کی چھٹی پشت میں حضرت شیخ حمید کے مرید اور خلیفہ تھے، وہ لکھتے ہیں کہ اس فقیر کاتب الحروف نے جبکہ آنحضرت کی وفات پر دو سو سال سے زیادہ گذر چکے ہیں، آپ کے فیضِ روحانیت سے تربیت حاصل کی، اور جب کوئی صوری و معنوی تفرقہ پیش آتا ہے، تو حضرت قبلہ گاہی کو بیداری کی حالت میں اپنی طرف متوجہ پاتا ہے، آپ کی ولایت اور کمالات کے تصرفات تقریر و تحریر سے باہر ہیں،[1]

حضرت شیخ عبد القدوس کو حضرت مخدوم سے روحانی تعلق کے علاوہ رشتہ کا بھی تعلق تھا حضرت شیخ عارف کی صاحبزادی حضرت مخدوم کی پوتی آپ کے ساتھ منسوب تھیں،

خلفاء و ممتاز مریدین حضرت مخدوم کے خلفاء میں ان کے صاحبزادے اور جانشین شیخ عارف احمد اور میاں قدو کے علاوہ کسی کی خلافت کی صراحت نہیں ملتی، میاں قدو کو خلافت عطا کرنے کے بعد برناوہ میں مامور کیا تھا، انھوں نے عرض کیا پیر دستگیرے مجھ پر جو کرم فرمایا ہے میں اس کے لائق نہیں ہوں وہ کسی کو مرید نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ مجھکو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے، پیری مریدی کار دیگر ہے، جس کو خود اپنی نجات کا یقین نہ ہو وہ دوسروں کو کس طرح مرید کر سکتا ہے، اس زمانہ میں برناوہ بالکل ویرانہ تھا، اس لئے میاں قدو نے برناوہ کے بجائے راتہری میں قیام کیا تھا،[2]

حضرت مخدوم کے مریدین میں جن کی خلافت کی تصریح نہیں ملتی بعض بڑے درجے کے بزرگ تھے، ان میں شیخ بختیار اور میاں مخلص ممتاز حیثیت رکھتے تھے، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ انھوں نے کسی کے سامنے زانوے تلمذ

---

[1] مراۃ الاسرار قلمی، [2] انوار العیون ص ۶۶،

نہیں کیا تھا، اور نہ رسمی تعلیم حاصل کی تھی، لیکن پیر دست گیر حضرت شیخ العالم قدس سرہٗ کے فیضانِ علم سے ایسے بہرہ ور ہو گئے تھے کہ علمائے وقت اپنی مشکلات ان سے حل کرتے تھے، اور وہ جو کچھ کہتے تھے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے سوا نہ ہوتا تھا، اور بڑے بڑے علماء ان کے کمالات کے معترف تھے[1]

یہ ثانی الشیخ تھے، ان کی انقیاد و طاعت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ مرشد نے حکم دیا کہ خانقاہ میں ایک کنواں کھود دو، بختیار اسی وقت پھاوڑا لے کر کنواں کھودنے لگے جب پانی نکل آیا، تو حضرت مخدوم نے اس پر تکبیر کہہ کر تقسیم فرمایا اور بختیار کو حکم دیا کہ اس کنوئیں کو باہر کی مٹی سے پاٹ دو، اور کنوئیں کی مٹی سے ایک چبوترہ بنا دو، بختیار نے اس حکم کی بھی بے چون و چرا تعمیل کی، باہر کی مٹی سے کنواں پاٹ دیا، اور کنوئیں کی مٹی سے چبوترہ تیار کر دیا، اور یہ بھی نہ پوچھا کہ حضرت نے کنواں کیوں کھدوایا تھا اور پھر کیوں پٹوا دیا[2]،

دوسرے خاص مرید حضرت شیخ مخلص تھے، یہ فیروز شاہ کے ملازم تھے، عرصۂ دراز تک حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور دونوں وقت کھانا لاتے رہے، آپ کھانا لے کر صرف فرما دیتے، اور کبھی یہ نہ پوچھا کہ کون ہو، کس مقصد سے آتے ہو، چھ مہینے اسی طرح گذر گئے، ایک دن مخلص نے اپنے دل میں خیال کیا کہ چھ مہینہ اس درویش کی خدمت کرتے گذر گئے، اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے، اگر اتنے دن پتھر کی بھی خدمت کرتا تو بھی مقصد حاصل ہو جاتا، یہ خیال کرتے ہوئے گھر واپس ہوئے، حضرت مخدوم بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے، اور دروازہ پر دستک دی، اندر

---

[1] انوار العیون ص ۲۰۰ [2] ایضاً ص ۴۰،

سے لونڈی نکلی، حضرت نے نے فرمایا، مخلص سے کہو کہ احمد دروازے پر کھڑا ہے، اس نے مخلص کو اطلاع دی، وہ جلدی سے نکل کر قدم بوس ہوئے، حضرت مخدوم نے فرمایا تم مجھ سے گلہ مند ہو گئے، مخلص نے کوئی جواب نہ دیا اور کھانا لاکر پیش کیا، حضرت مخدوم تناول فرما کر خانقاہ لوٹ گئے، مخلص بھی ساتھ ساتھ پہنچ گئے، حضرت مخدوم نے پوچھا کوئی اولاد ہے، عرض کیا، ہاں ایک لڑکا، ایک لڑکی ہے، فرمایا، جاؤ پہلے اس کی شادی کرو، اس سے پہلے میرے پاس نہ آنا، مخلص لوٹ گئے اور چند دنوں کے بعد دونوں کی شادی سے فراغت کرکے حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ نے مرید فرمایا، ان کی مریدی کا واقعہ اوپر گذر چکا ہے، اور چند دنوں میں حضرت کی توجہ سے مرتبہ ولایت پر پہنچ گئے[1]، آپ نے اپنا خرقہ بھی ان کو مرحمت فرمایا تھا، مخلص کی وفات حضرت مخدوم کی حیات ہی میں ہو گئی تھی، وفات کے بعد ان کے صاحبزادے بہرام نے خرقہ لاکر حضرت مخدوم کی خدمت میں پیش کیا، فرمایا یہ خرقہ انہی کے لائق تھا، اس لئے اس کو انہی کے ساتھ دفن کردو چنانچہ وہ ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا[2]،

ایک مرید با اختصاص سدکبیر دیوانہ تھے، یہ ہر وقت مست و مدہوش رہتے تھے، اسلئے دیوانہ ان کا لقب پڑ گیا تھا، یہ اتنے مقرب تھے کہ وفات کے بعد مرشد کے مزار کے پاس دفن کئے گئے[3]،

---

[1] انوار العیون ص ۷۵-۵۰ [2] ایضاً ص ۶۰ [3] ایضاً ص ۴۰،

ضمیمہ

ملفوظاتِ خواجگان چشتؒ

ہماری علمی و مذہبی وراثت کے جو قیمتی سرمایے ہیں، ان میں ہندوستان کے شروع کے اکابر خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے مجموعے بھی شمار ہوتے رہے ہیں، اور یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی (یا ہروانی) کے ملفوظات انیس الارواح کے نام سے قلمبند کئے، اس کے مطبوعہ نسخہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زبانی یہ روایت ہے کہ "حضرت خواجہ (یعنی حضرت عثمان ہارونیؒ) بغداد میں معتکف ہوئے تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے باہر نہ نکلیں گے، میں چاشت کے وقت آجایا کروں، وہ کچھ ایسی باتیں کہیں گے، جو مریدوں اور فرزندوں کے لئے یادگار کے طور پر رہ جائیں گی، یہ حکم سن کر میں روزانہ حضرت خواجہ کے یہاں مقامِ عزلت میں پہنچ جاتا، اور جو کچھ ان کی زبانِ دربار سے سنتا قلمبند کر لیتا،" (مطبع مجتبائی ص ۴)

اسی طرح عام خیال یہی رہا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے مرتب کئے، پھر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

کے ملفوظات فوائد السالکین کے نام سے جمع کیے، خواجہ نظام الدین نے بھی اپنے مرشد خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات راحت القلوب کے نام سے اکھٹے کیے، اور حضرت بدر اسحٰق نے بھی ان کے ملفوظات اسرار الاولیا کے نام سے مرتب کیے،

لیکن یہ تمام ملفوظات کے مجموعے حضرت خواجہ نصیر الدّین چراغ دہلی کے اس بیان سے مشکوک اور فرضی سمجھے گئے ہیں، جو خیر المجالس کی مجلس یازدہم میں درج ہے، خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے سامنےؒ ...... کسی نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات کا ذکر کیا تو خواجہ نصیر الدین چراغ نے فرمایا کہ یہ ملفوظات ان کے نہیں ہیں، پھر فرمایا کہ یہ ملفوظات کے نسخے میری نظر سے بھی گذرے ہیں، ان میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو ان کے اقوال کے مناسب نہیں، اس کے بعد یہ بھی کہا کہ شیخ نظام الدین اولیاؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی کیونکہ شیخ الاسلام فرید الدین، شیخ الاسلام قطب الدّین اور خواجگان چشتؒ جو داخل شجرہ ہیں، کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی (خیر المجالس، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اڈیشن ص۵۲)

راقم ہی نے اس ملفوظ کی طرف اردو میں غالباً پہلی دفعہ جولائی ۱۹۴۵ء کے معارف (ص۵) کے ذریعے سے توجہ دلائی پھر ۱۹۴۹ء میں اپنی اس حقیر تالیف بزم صوفیہ کی تمہید میں ذکر کیا کہ خواجگانِ چشتؒ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے ملفوظات کے مجموعوں کو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے پھر اکتوبر ۱۹۵۰ء، اکتوبر ۱۹۵۱ء اور دسمبر ۱۹۵۲ء کے معارف میں ان ملفوظات پر کچھ بحث بھی کی لیکن ایک عرصہ تک کشمکش میں رہنے اور مزید غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ خیر المجالس کی روایت پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، سیر العارفین کے مؤلف

کے مؤلف نے اپنے زمانہ میں جو خیر المجالس دیکھی تھی، اس میں سے مذکورہ بالا روایت کو دوسر طریقہ سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ملفوظ خیر المجالس کے کاتب حمید قلندر سے مروی اور منقول ہے کہ ایک شخص نے حضرت نصیر الدین محمود دہلیؒ سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہٗ کے ملفوظ میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے، میں نے بچشم خود ان کے ملفوظات کو دیکھا ہے، حاشا اللہ یہ کلام انکا نہیں ہے، اکثر غلط کلمات الحاقی ہیں، جو مجاوروں نے بڑھا دیے ہیں، کسی طرح قطب صاحب قدس سرہٗ کے حال اور اعمال کے موافق نہیں، (اردو ترجمہ جلد دوم ص ۴۲)

سیر العارفین کے فارسی نسخہ کے متن میں تھوڑا سا اختلاف ہے،

نقل است از حمید قلندر کاتب ملفوظ خیر المجالس ایشاں کہ یکے بحضرت شیخ نصیر الملۃ والدین محمود قدس سرہٗ عرض نمود کہ در ملفوظ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ وحضرت خواجہ قطب الدین چنیں نوشتہ دیدہ ام، ایشاں بفرمودند کہ ایں سخنہا ہرمن رسیدہ اند، حاشا کہ از ایشاں باشد مدآں جا بسیار کلمات مجاوراں و معتقدان بادقوت نوشتہ اند کہ ہرگز موافق احوال و اعمال ایشاں نیست" (ص ۹۵)

سیر العارفین کے فارسی متن اور اس کے اردو ترجمے میں فرق ضرور ہے، پھر بھی دونوں بیانات کا مطلب یکساں ہے، یہ خیر المجالس کے مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے مگر ان سے یہ ظاہر ہے کہ خواجہ معین الدین اور قطب صاحب کے ملفوظات مرتب ہوئے، جن میں کچھ یا اکثر یا بہت سے ملفوظات الحاقی ہیں،

خیر المجالس کی مجلس یازدہم ہی میں اس کے مرتب حمید قلندر نے یہ بھی لکھا ہے کہ کہ میں نے عرض کیا کہ فوائد الفواد میں ہے کہ ایک شخص نے شیخ الاسلام شیخ نظام الدین

قدس اللہ سرہٗ العزیز سے عرض کیا کہ

"من بر شخصے کتابے دیدہ ام از تصنیف شیخ"

تو حضرت شیخ نے فرمایا۔

"او تعاوت گفتہ است، من ہیچ کتابے تصنیف نہ کردہ ام، وخواجگانِ ما نیز نہ کردہ اند"

یہ سن کر حضرت نصیر الدین چراغؒ نے فرمایا کہ واقعی حضرت یعنی شیخ نظام الدین اولیاء نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس کے بعد حمید قلندر نے کہا کہ جو رسالے اس وقت ملتے ہیں، مثلاً شیخ قطب الدین و شیخ عثمان ہارونی، کیا وہ شیخ کے زمانہ میں نہ تھے، حضرت نصیر الدین چراغؒ نے فرمایا کہ نہ تھے، اگر ہوتے تو شیخ ان کا ذکر کرتے، اور دستیاب ہوتے (ص ۵۵)

لیکن حمید قلندر نے فوائد الفواد کے جس ملفوظ کا ذکر کیا ہے، وہ اس کے موجودہ مطبوعہ نسخہ سے کچھ مختلف ہے، فوائد الفواد میں ہے :۔

"سخن در کتب مشائخ افتاد و فوائدے کہ ایشاں نویسند عزیزے حاضر بود، عرضداشت کرد کہ مرا در اودھ مردے کتابے نمود، گفت کہ ایں بنشتہ خدمت مخدوم است خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر گفت کہ تعاوت گفتہ است، من ہیچ کتاب نہ نوشتہ ام، بعد ازاں فرمود کہ شیخ علی ہجویریؒ چو کشف المحجوب بنشست او کتاب خود یاد کرد ..." (ص ۱۴۵)

اس میں یہ نہیں ہے کہ :۔

"خواجگان ما نیز نہ کردہ اند"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ مجموعۂ ملفوظات کو تصنیف قرار نہیں دیتے تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مرشد کے جو ملفوظات مرتب کئے انکے

مجموعہ کو اپنی کتاب نہیں سمجھتے تھے، کیونکہ اسی فوائد الفواد میں ہے کہ انھوں نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کیے جو ۷۰۸ھ تک ان کے پاس تھے، وہ ۲۸؍ شوال ۷۰۸ھ کی ایک مجلس میں فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ اپنے شیخ سے سنتا لکھ لیتا، اور ان کو دکھاتا، جب شیخ کوئی حکایت یا نکتہ بیان کرتے اور میں مجلس میں نہیں ہوتا تو جب میں واپس آتا تو اپنی باتوں کو میرے لیے دہراتے تا کہ میں لکھ لوں، وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اسی زمانہ میں ایک شخص نے مجھ کو سفید کاغذ جلد بندھوا کر دیا، اسی میں شیخ کی باتیں لکھ لیا کرتا تھا، وہ مجموعہ میرے پاس ہے، فوائد الفواد کی پوری عبارت یہ ہے۔

"خواجہ فرمود ہرچہ از شیخ شنودہ شد نوشتم، چوں بمقام خود باز آمدم، بر جائے نسخہ کردم، بعد ازاں ہر بار آنچہ سماع می افتاد، در قلم می آوردم تا ایں معنی بخدمت شیخ باز نمودیم، بعد ازاں ہرگاہ کہ حکایتے و اشارتے بیان کردے می فرمودے کہ حاضر ہستی تا ایں غایت کہ اگر من غائب بودمے چوں بخدمت باز پیوستمی، فائدہ کہ در غیبت فرمودہ بودے آنرا اعادت کردے، بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ کراستے معائنہ کردم، ہمدراں ایام مردے مرا کاغذ سپید داد یکجا جلد کردہ، من آنرا ستدم، فوائد شیخ ہم در آنجا ثبت کردم، بالا نبشتم کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، بعد ازاں کلماتے کہ از شیخ استماع داشتم نبشتم وتا ایں غایت آں مجموع بر من ہست" (ص ۳۱-۳۰)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد مرتبۂ امیر خسرو میں ہے کہ ملفوظات کو جمع کرنے کا دیرینہ رواج ہے، اور یہ بڑی سعادت سمجھی جاتی ہے، چنانچہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی یہ بیان ہے کہ جب مرید

اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو تو جو کچھ اپنے پیر سے سنے، اس کو قلمبند کرلے، کیونکہ اس کے ہر حرف کے بدلے بہشت میں اس کے لئے ایک قصر تیار ہوگا،

"فرمود کہ چوں مرید بخدمت پیر ملازمت نماید، انچہ از زبان پیر بشنود، آنرا یکبار برد. ہرچہ در پند و نصیحت و جز آں بود، آں را در قلم آرد، پس حق سبحانہ تعالیٰ بہ ہر حرفیکہ در کتاب درج کند در بہشت بنام او قصرے بنا کند" (افضل الفوائد از مطبوعہ نسخہ ص۱۱۱)

اس کے بعد افضل الفوائد کا بھی بیان ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے، جس میں ان کے مرشد کی بھی مدد شامل رہی، اور تقریباً وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو فوائد الفواد میں ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی ہے کہ جب شیخ الاسلام فرید الحق والدین نے سنا کہ میں جو کچھ ان کی زبان سے سنتا ہوں، لکھ لیتا ہوں تو جب کبھی میں ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی مجلس سے غائب ہو جاتا اور واپس آتا تو پھر اس کو بیان فرماتے، اور مجلس میں غافل ہو جاتا تو فرماتے کہ تم حاضر ہو؟"

"فرمود کہ شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز شنیدہ بود کہ دعاگوی ہرچہ از زبان شیخ فوائد و جز آں می شنود می نویسد، پس ہر وقتیکہ دعاگوی یک لحظہ از مجلس غائب بودے، آں زماں کہ بہمتے فرمودے کہ کجا بودی و ہر فوائد کہ پیش فرمودہ بودے باز آں را بیان کردے او اگر اثر غفلت در دعاگوی بدیدی روے موئے دعاگوے کردی وگفتے حاضر ہستی" (افضل الفوائد ص ۱۱۲)

اس طرح فوائد الفواد اور افضل الفوائد دونوں کی روایتوں سے ظاہر ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے، افضل الفوائد میں

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی یہ بھی روایت ہے کہ جس روز حضرت خواجہ معین الدین نے حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ سے بیعت کی تو وہ بھی جو فوائد شیخ کی زبان گوہر بیان سے سنتے قلمبند کر لیتے،

"بعد ازاں سخن در بزرگی شیخ معین الدین سجزی قدس اللہ سرہ افتاد، حکایت فرمود آں روز کہ شیخ معین الدین بخدمت خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ پیوست و بیعت آورد او نیز ہر فوائد کہ از زبان شیخ می شنید آں را بقلم می آورد" (ص ۱۱۱)

پھر اس کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے یہ بھی فرمایا کہ ان ملفوظات کو انھوں نے بھی دیکھا ہے،

"چنانچہ ایں حکایت در بزرگی خواجہ حسن بصری در فوائد ایشاں بستہ دیدہ ام (ص ۱۱۱)

افضل الفوائد کے ایک قلمی نسخہ (مملوکہ دار المصنفین) کے تتمہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خواجہ مودود چشتیؒ، خواجہ حاجی شریفؒ، خواجہ عثمان ہروانیؒ، خواجہ معین الدین سجزیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اپنے اپنے مرشدوں کے ملفوظات جمع کیے،

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغؒ کے ایک دوسرے مجموعہ ملفوظات مفتاح العاشقین میں بھی خواجگان چشت کے ملفوظات کے حوالے جا بجا ملتے ہیں، خواجہ نصیر الدین چراغؒ کی زبانی ہے کہ:۔

"در رسالہ شیخ الاسلام خواجہ معین الحق والشرع والدین قدس اللہ العزیز نوشتہ دیدہ ام کہ چوں صبح صادق بدمدیں ہمت اندام بزبان حال چنیں زاری فریاد کند"

(ص ۶ مطبع مجتبائی دہلی)

"بعد ازاں فرمود کہ اے درویش در اسرار الاولیا بنشستہ دیدہ ام۔۔ (ص ۱۵)

"بعد ازاں ہم ازیں محل فرمود کہ اے درویش در انیس الارواح بنشستہ دیدہ ام۔۔ (ص ۱۶)

"بعد ازاں فرمود کہ اے درویش در دلیل العارفین می نویسند ...... (ص ۳۰)

سیرالاولیاء ایک مستند تذکرہ قرار دیا جاتا ہے، اس میں بھی ان ملفوظات کے حوالے ملیں گے، اس کے مؤلف امیر خورد کا بیان ہے کہ:

"در ملفوظات شیخ الاسلام شیخ معین الدین سجزی بنشستہ دیدہ ام۔ (ص ۴۶)

در بیان بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود در قلم آوردہ .... (ص ۶۷)

"بزرگے از ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز یا بصد کلمہ جمع کردہ است، ازاں چند کلمہ آوردہ شد۔ (ص ۶۷)

اوپر کی تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ فرید الدینؒ گنج شکر کے ملفوظات مرتب ہوئے، جن سے سیرالاولیاء کے مؤلف نے بھی استفادہ کیا، پھر سیرالاولیاء کے مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے کوئی رسالہ بھی مرتب کیا، کیونکہ اس کے صفحہ ۲۰۲، ۲۳۳، ۳۴۴، ۳۴۱، ۳۵۲، ۳۷۱، ۳۱۲، ۵۴۱، ۵۶۰، ۵۸۰ وغیرہ پر ہے،

"بخط مبارک سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بنشستہ دیدہ ام۔"

اس کے بعد جا بجا عربی میں اقتباسات ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے عربی میں کوئی رسالہ مرتب کیا، اس میں شاید ان کی یادداشت کے طور پر کچھ تحریریں ہوں، جن کو حضرت خواجہ اپنی تصنیف شمار کرنا پسند نہ کرتے ہوں،

کچھ اہل علم ایسے ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرار الاولیاء اور راحت القلوب کے ساتھ افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو بھی غیر مستند نقلی جعلی مجموعۂ ملفوظات سمجھتے ہیں لیکن وہ سیر الاولیاء کو غیر مستند قرار نہیں دیتے، البتہ سیر الاولیاء میں خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے جو حوالے ہیں ان پر تعجب کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتے ہیں،

ان میں سے جو لوگ ملفوظات کے مذکورۂ بالا تمام مجموعوں کے ساتھ اسرار الاولیاء کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں، ان کی تائید حضرت خواجہ گیسو دراز کے ملفوظات جوامع الکلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا بدر الدین اسحٰق نے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا، خواجہ گیسو درازؒ کی زبان سے ہے،

"ملفوظی از اں شیخ فرید الدین در اجودھن دیدم کہ آں را نسبت مولانا بدر الدین اسحٰق می کنند، سر بسر ہمہ افتر است، می گویید جمع کردہ مولانا بدر الدین اسحٰق نیست" ص ۱۴۲

لیکن حضرت خواجہ گیسو درازؒ انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین اور راحۃ القلوب کے متعلق خاموش ہیں، ان کا یہ بھی بیان ہے، کہ فوائد الفواد تو معتبر ہے، لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے اور ملفوظات مستند نہیں ہیں،

"ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است، و ملفوظہائے دیگر از اں شیخ بستہ اند، ہمہ باد ہوا است"

اس طرح سیر الاولیاء میں خواجہ نظام الدین اولیاؒء کے جو ملفوظات ہیں، وہ بھی اس بیان کے مطابق معتبر نہیں، لیکن اس سلسلہ کا سب سے تعجب خیز نکتہ اور وہ

ہے جس میں حمید قلندر کے جمع کردہ ملفوظات (خیر المجالس) کے متعلق بھی سخت رائے پائی جاتی ہے، خواجہ گیسو دراز اس کو بھی مستند تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں،

"ملفوظی کہ حمید قلندر جمع کردہ است، مولانا کمال الدین خواہر زادہ شیخ مواز نہ دو جزی پیش شیخ برد، خدمت شیخ دید، گفت من چیزے دیگر گفتہ ام، مولانا حمید الدین چیزے دیگر بستہ است، ارگرت بر دل اداحت، مولانا کمال الدین گفت از خدمت شیخ نظام الدین ملفوظے یادگار ماندہ است، از خواجہ ہم باشد، فرمودند چہ کنیم فرصت ندادم کہ ایں را صحیح کنم" (ص ۱۲۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نصیر الدین چراغ نے اس مجموعے کے کچھ حصے کو سن کر رد کر دیا، جس کے بعد ان کو اس کو دیکھنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ اب جہاں خیر المجالس کے حامی جوامع الکلم کی اس روایت کی کچھ نہ کچھ تاویل کر سکتے ہیں، وہاں ان کے ناقد کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا ہے کہ اگر خیر المجالس میں وہ باتیں نہیں لکھی گئیں جو شیخ نصیر الدین چراغ فرماتے رہے تو اس کی روایت کے مطابق خواجگانِ چشت کے ملفوظات کے جن مجموعوں کو وضعی قرار دیا جاتا ہے، وہ بڑی حد تک مجروح ہو جاتی ہے، لیکن آگے چل کر اگر جوامع الکلم کی روایت بھی اسی طرح مجروح کر دی گئی، تو پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ کہاں پر آکر ختم ہوگا،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملفوظات کے ہر مجموعہ کے مرتب کی یہ خواہش غالب رہی کہ اسکا مجموعہ اتنا اہم سمجھا جائے کہ اس کے پیشرو کے مجموعوں کی اہمیت کم ہو جائے اس لئے وہ اپنے مرشد کی زبانی کوئی نہ کوئی ایسی روایت بیان کر دیتے جس سے پہلے کے مجموعوں کی اہمیت خود بخود گھٹ کر رہ جاتی، اس طرح خیر المجالس کے مرتب کی

روایت کے مطابق شروع کے خواجگان چشت کے ملفوظات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، تو جوامع الکلم کے مرتب کی روایت کے مطابق خیر المجالس کی اہمیت جاتی رہتی ہے۔

اوپر کی سطروں سے ظاہر ہوگا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کی حمایت میں روایتیں زیادہ ہیں، اور مخالفت میں نسبتاً کم ہیں، لیکن ان گنجلک اور متضاد روایتوں سے قطع نظر کر کے اب صرف ان ملفوظات کا ناقدانہ مطالعہ کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کہاں تک مستند اور معتبر ہیں۔ پروفیسر محمد حبیب (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے بھی ان ملفوظات کو فرضی اور جعلی قرار دیا ہے۔ انھوں نے اکتوبر ۱۹۴۶ء کے مڈیول انڈیا کوارٹرلی علی گڑھ میں انگریزی میں ایک طویل مقالہ Chishti Mystic Record of the Sultanate Period کے عنوان سے لکھا جس میں بظاہر بہت ہی مدلل طریقہ سے ان ملفوظات کو نقلی اور فرضی بتانے کی کوشش کی ہے۔ راقم الحروف طالب علمی کے زمانہ سے پروفیسر صاحب کی دقت نظر اور وسعت علم سے متاثر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جب اس مضمون کو بہت ہی ذوق اور شوق سے پڑھا تو اس میں جو دلائل دیے گئے ہیں، ان سے تشفی نہ ہو سکی،

جناب پروفیسر صاحب کے نزدیک انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرار الاولیا، راحت القلوب، افضل الفوائد، اور مفتاح العاشقین وغیرہ سب ہی جعلی مجموعے ہیں، اس سلسلہ میں وہ شیخ فرید الدین عطارؒ کی تذکرۃ الاولیاء کو بھی جعلی قرار دیتے ہیں، وہ ملفوظات کے مجموعوں میں فوائد الفواد اور خیر المجالس کو مستند اور تذکروں میں سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار کو معتبر سمجھتے ہیں، ملفوظات خواجگان چشت پر ان کے جو اعتراضات ہیں، ان کا ہم ذیل میں تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

بدقسمتی سے ملفوظات کے تمام مجموعوں کی کتابت و طباعت بہت ہی خراب ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محنت اور اہتمام کے بغیر بڑی عجلت میں وہ شائع کر دیے گئے ہیں اسی لیے ان میں سنین اور اسمار کی بڑی غلطیاں رہ گئی ہیں، جن سے بڑی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا، لیکن ان غلطیوں پر مخالفانہ اور معاندانہ بلکہ ہمدردانہ نظر ڈالنے کی ضرورت ہے،

انیس الارواح میں ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے مرشد سے مرید ہوے تو ان سے مرشد نے فرمایا کہ اوپر نظر اٹھاؤ اور جب انھوں نے نظر اٹھائی، تو پوچھا کیا دیکھتے ہو، فرمایا عرشِ عظیم، پھر زمین کی طرف دیکھنے کو کہا اور جب انھوں نے زمین کی طرف دیکھا تو پوچھا کیا دیکھتے ہو، فرمایا تحت الثریٰ تک نظر جاتی ہے، پھر فرمایا کہ سورہ اخلاص ہزار بار پڑھو اور جب پڑھ چکے تو پوچھا پھر دیکھو، کیا دیکھتے ہو، تو فرمایا حجابِ عظمت، پھر کہا آنکھیں بند کر لو، اور جب بند کر لیں تو کھولنے کا حکم دیا اور دو انگلیاں دکھا کر پوچھا کیا دیکھتے ہو، تو جواب دیا اٹھارہ ہزار عالم، پروفیسر صاحب اس قسم کی روایت کو صحیح تسلیم کرنے کو طیار نہیں ہیں، ان کو عرش عظیم، تحت الثریٰ حجابِ عظمت، اٹھارہ ہزار عالم وغیرہ کی صوفیانہ اصطلاحیں عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں اس لیے یہ ان کے نزدیک بے سرو پا باتیں (Wild Talks) ہیں، لیکن اس قسم کی اصطلاحیں برابر استعمال ہوتی رہی ہیں، خود فوائد الفواد میں ہے

"حکایت جماعت متحیران افتاد کہ بحق چناں مشغول باشند کہ از ہیچ آفریدہ خبر نداشتند یکے از حاضران حکایت کرد کہ من وقتے جائے رسیدم وایں چنیں ہفت بہشت را دیدم، دو حجیم در ہمان داشتہ و شب در دو متحیر ماندہ مگر آنکہ وقت نماز در میان آمد

از ایشاں نماز می گذار وند و ما ازہم چناں میتری مانند، خواجہ ذکرہ اللہ بخیر فرمود

کہ آرے انبیا معصوم اند و اولیا محفوظ ہمچنیں باشند کہ گفتی" (ص ۱۴۴)

.... اما فقرا تا عرش نہ بینند، نماز نہ کنند.... قاضی را در خواب نمودند کہ

شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز مصلا بر عرش انداختہ نماز می گذارد (ص ۲۳)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں اس قسم کے رموز اور بھی واضح طریقہ پر پیش کیے گئے ہیں، وہ اپنے احوال وکیفیات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"میں شدت شوق میں رونے لگا، ایک روز کے بعد بیخودی کی کیفیت محسوس ہوئی، میں نے اس بیخودی میں ایک وسیع دریا دیکھا، اس بیخودی میں دنیا کی شکلیں اور صورتیں دریا میں سایہ کے رنگ میں نظر آئیں، اس بیخودی نے رفتہ رفتہ غلبہ پیدا کیا اور یہ کبھی ایک پہر، کبھی دو پہر اور کبھی تمام رات رہتی .... اس کے بعد مجھکو ایسا نور دکھائی دیا، جو ہر چیز پر محیط تھا، میں نے اس کو خدا سمجھا اس نور کا رنگ سیاہ تھا، میں نے جاکر عرض کیا، فرمایا حق مشہود ہوا، لیکن نور کے پردے ہیں....

اس نور میں انبساط ہے جس کی نفی کرنا چاہئے، اس کے بعد انبساط والے نور انقباض کی طرف رخ کیا، وہ تنگ ہونے لگا، یہاں تک کہ ایک نقطہ ہو گیا فرمایا اس نقطہ کی بھی نفی کرنا چاہئے، اور حیرت کی طرف آنا چاہئے، میں نے ایسا ہی کیا، وہ موہوم نقطہ زائل ہو گیا، پھر حیرت کی طرف آیا، اور یہی شہود حق کا مقام ہے.......

"اس کے بعد دوسری بار فنا حاصل ہوئی، جس کو فنائے حقیقی کہتے ہیں، دل میں اس قدر وسعت پیدا ہو گئی کہ آسمان سے زمین تک تمام عالم کی حیثیت رائی کے

دا نست زیادہ نہ تھی، اس کے بعد اپنے کو، دنیا کے ہر فرد کو، بلکہ ہر ذرہ کو خدا ہی دیکھا ..... اور اپنے اور ہر ذرہ کو اس قدر کشادہ اور وسیع دیکھا کہ تمام دنیا اس میں سما گئی تھی، بلکہ اپنے اور ہر ذرہ کو ایک نور پایا جو ہر ذرہ پر چھایا ہوا تھا، اور دنیا کی شکل اور صورت اس میں گم تھی، اس کے بعد اپنے بلکہ ہر ذرہ کو ساری دنیا کا جز پایا" جب میں نے (مرشد سے) عرض کیا تو فرمایا کہ توحید میں حق الیقین کا مرتبہ بھی ہے، اور مقام جمع الجمع سے بھی مراد ہے،

"واضح رہے کہ پہلی بار جب یہ مردیش سکر و صحو میں لایا گیا تو فنا سے نکل کر بقا سے مشرف کیا گیا، اور جب اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ پر نظر کی تو سوائے حق تعالیٰ کے اور کچھ نہ پایا، اور ہر ذرہ کو اس کے شہود کا آئینہ دیکھا، اس مقام سے پھر حیرت میں لایا گیا، جب اپنے میں آیا تو حق سبحانہ تعالیٰ کو اپنے وجود کے ذرات میں سے ہر ذرہ کے ساتھ پایا، اور پہلا مقام اس دوسرے مقام سے فروتر نظر آیا، پھر حیرت میں لایا گیا اور جب اس دنیا میں آیا تو اس مرتبہ حق سبحانہ کو عالم متصل نہ منفصل نہ خارج اور نہ داخل پایا، اور پہلی دفعہ جو میں نے پایا تھا کہ وہ دنیا کے ساتھ ہے، اس کو گھیرے ہوئے اور اس میں سرایت کئے ہوئے ہے اس کو نفی دیکھا، اسی کیفیت میں مشہود ہوا، دنیا بھی اس وقت مشہود نظر آئی لیکن حق تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں، پھر میں حیرت میں لایا گیا، اور جب میں صحو میں آیا تو معلوم ہوا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو دنیا سے نسبت ہے، لیکن یہ نسبت معلوم نہیں اور وہ اسی نسبت نامعلوم سے مشہود ہوا، پھر حیرت میں لایا گیا، اس مرتبہ انقباضی کیفیت طاری ہوئی، لیکن جب اپنے میں آیا تو خدا اس نامعلوم نسبت کے بغیر معلوم ہوا، اس طرح کہ وہ دنیا سے کوئی نسبت نہیں

رکھتا ہے، اس وقت دنیا بھی مشہود تھی، اس کے بعد ایسا علم حاصل ہوا کہ اس علم کے سب خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی نسبت باقی نہ رہی، اور دونوں شہود کے حاصل ہوجانے کے بعد اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ شہود اپنی صفت اور تنزیہہ کے کے باوجود حدائی ذات نہیں، بلکہ اسکی تکوین کے تعلق کی ایک مقامی صورت ہے ایسے ماورا تعلقات کوئی ہے، خواہ وہ تعلق معلوم الکیفیت ہو یا مجہول الکیفیت" (مکتوب ۲۹ دفتر اول)

بیسویں صدی میں اس قسم کے جو تجربات و مشاہدات علامہ اقبال کو حاصل ہوئے، وہ بھی ملاحظہ ہوں، وہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے تو فرماتے ہیں

سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لئے مزار مبارک پر تخلیہ کرادیا تھا میں ایک گھنٹہ تک مراقب رہا، اور حضرت مجددؒ کی روح میری طرف متوجہ رہی، مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں، رقت کا عالم برابر رہا زمان و مکان کا احساس ختم ہوگیا تھا، روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا، دل میں اسقدر وسعت آتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سماگئی ہے (نقل از مکتوب پروفیسر سلیم چشتی محررہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء لاہور)

انیس الارواح میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے حج کرنے کا ذکر آیا ہے، لیکن پروفیسر حبیب نے اس کی تردید یہ لکھ کر کی ہے کہ سیر الاولیا میں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا،

Amir Khurd Tells us on good authority that none of the chishti shaikhs Perfomed The Haj pilgrimage (Siyar-ul-Auliya P. 407)

سیر الاولیاء کا جو نسخہ (مطبوعہ مطبع محب ہند دہلی) میرے سامنے ہے، اس میں ہے کہ

"شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہٗ چند بار آرزوے حج کردہ در دل شد، بحدے کہ در او چہ رسید در دل مبارک شیخ شیوخ العالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ حج نکردہ است، مرا چرا باید کرد کہ مخالفتِ پیر کنم از انجا کہ باز گشت (ص ۴۰۰)

اس عبارت سے کہیں ظاہر نہیں ہے کہ چشتی مشائخ میں سے کسی نے حج نہیں کیا، بعض ملفوظات حیرت انگیز بتائے گئے ہیں، مثلاً بیوی کی فرماں برداری کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ

"ہر آن زنے کہ شوہر او را بخانۂ خواب خود خواند و او نیاید و در شود ہمہ نیکیہا کہ کردہ باشد، چناں بیروں آید، چوں مار از پوست"

پروفیسر حبیب نے خانہ خواب کو جامۂ خواب پڑھا ہے، اسی لئے اس کا ترجمہ Night cloth کیا ہے، ان ملفوظات میں یہ بھی ہے:

"مومن کو گالی دینا، اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا تین دن تک مستجاب نہیں ہوتی، ......

پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، تو وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، وغیرہ وغیرہ"

معلوم نہیں کہ کن اسباب کی بنا پر پروفیسر صاحب نے ان فرمودات کو حیرت انگیز (Startling) بتایا ہے، صوفیہ کرام ترغیب و ترہیب کی خاطر تو موضوع حدیثوں کو بھی استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں، پھر انداز بیان میں شدت اور سختی ان کے یہاں

حیرت انگیز نہیں مثلاً حضرت شرف الدین یحیٰی منیری نے ارشاد السالکین میں لکھا ہے :۔

"تا کافر نشود مسلمان نہ شود، تا سالک برادر خود را نہ برد مسلمان نہ شود و تا بمادر جفت نشود مسلمان نشود۔"

یہ فقرے بظاہر بہت ہی حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کی جو تصریح کی ہے اس سے ان فقروں میں بڑی کیفیت پیدا ہو گئی ہے، وہ فرماتے ہیں، کفر سے مراد کفر طریقت ہے، یعنی جب تک کہ کوئی کفر طریقت اختیار کر کے کافر نہ بن جائے، اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا ہے، پھر جو یہ کہا گیا ہے کہ جب تک اپنے بھائی کو نہ مارے تب تک مسلمان نہیں ہوتا، بھائی سے مراد ہمزاد شیطان ہے، جو انسان کے ساتھ رہ کر ہر وقت اس کو شر و فساد کی طرف مائل کرتا ہے، اسی طرح بھائی کا سر کاٹنے سے مراد احکام شریعت کی تلوار سے شیطان کا سر کاٹنا ہے، اور جب تک اپنی ماں سے جفت نہ ہو مسلمان نہ ہوا اس سے مراد مقام حقیقت کا وصل حاصل کرنا ہے، جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں ام بھی کہتے ہیں، (تفصیل کے لیے دیکھو مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب ۳۲)

ایک اعتراض یہ بھی ہے، کہ انیس الارواح میں احمد معشوق کا ذکر ہے، جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی روایت کے مطابق شیخ عثمانؒ کے بعد کے بزرگ ہیں، لیکن فوائد الفواد (ص ۲۵۷) میں احمد معشوق کی جو کیفیت لکھی ہوئی ہے، اس میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ احمد معشوق حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے بعد کے بزرگ ہیں، بلکہ سیر الاولیاء (ص ۳۴۳) میں ہے کہ

"سلطان المشایخ فرمود کہ بزرگے گفتہ است کہ از خواجہ احمد غزالی شنیدم

در قیامت ہمہ صدیقاں تمنا برند کہ کاشکے ما خاک می بودیم کہ روزے خواجہ معشوق بر آں پائے نہادہ بودے"

اس سے صاف ظاہر ہے، کہ خواجہ معشوقؒ حضرت امام غزالی سے پہلے کے بزرگ ہیں، اور امام احمد غزالی کی وفات ۵۲۰ھ میں ہوئی۔ خواجہ عثمان ہارونی کی ولادت چھٹی صدی ہجری میں اس کے بعد ہی ہوئی جبکہ امام احمد غزالی مذکورہ بالا قول کہہ چکے تھے

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انیس الارواح میں مشارق الانوار کا ذکر ہے، جو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے بعد کی تصنیف ہے،

"برلفظ مبارک راند کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ در مشارق الانوار مسطور است از خوردن شراب مویز گفت اے عمر حلال نیست واں عین حرام است" (ص ۱۴)

ان سطروں میں جو حدیث لکھی گئی ہے، وہ مشارق الانوار کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کسی اور کتاب سے یہ حدیث لی گئی ہے، جس کے نام کے بجائے مشارق الانوار کی غلط کتابت ہو گئی ہے،

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مجموعۂ ملفوظات دلیل العارفین پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کی مجلس اول کی تاریخ ۵۱۴ھ لکھی ہوئی ہے، جو مہمل اس لئے ہے، کہ اس وقت تک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، لیکن یہ کتابت کی اسی طرح کی غلطی ہے، جس طرح کہ سیر الاولیاء (ص ۴۸) میں ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ ۵۲۲ھ میں حضرت خواجہ معین الدینؒ سے بیعت ہوئے، جب کہ حضرت خواجہ کی پیدائش ۵۳۰ھ میں بتائی جاتی ہے، یا فرشتہ جیسے دیدہ ور مورخ کی تاریخ (جلد دوم ص ۳۷۷)

میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ۵۶۱ھ میں اجمیر تشریف لائے، جب کہ وہاں سید حسین مشہدی المشہور بہ خنگ سوار قطب الدین ایبک کی طرف سے وارد و تھے حالانکہ قطب الدین ایبک دہلی کا سلطان ۶۰۲ھ میں ہوا، پروفیسر صاحب سیر العارفین کو مستند تذکرہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں اسمار اور سنین کی بہت سی غلطیاں ملیں گی، اس بنا پر اس کو جعلی نہیں قرار دیا جا سکتا ہے،

دلیل العارفین میں ایک روایت کے سلسلے میں یہ لکھا گیا ہے:

"گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امروز قریب چہل سال است کہ نمازی گذارم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چشم پر آب کردو فرمود کہ ہیچ نماز نکردہ"

اس پر اعتراض یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو چالیس سال کی مدت نہیں ملی، اس لئے آپؐ کے سامنے یہ کیسے کہا گیا کہ چالیس سال سے نماز پڑھ رہا ہوں، یہ اعتراض صحیح ہے، لیکن "چہل" سال یقیناً کتابت کی غلطی ہے، یہ چہار یا چندیں سال ہے، کاتب کو چندیں سال، چہار سال اور چہل سال لکھنے میں تسامح ہو گیا ہے،

دلیل العارفین کی بارہویں مجلس میں روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی وفات سے بیس روز پہلے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اجمیر چھوڑ کر دہلی آئے، اور یہاں انھوں نے کل چالیس روز قیام کیا، تھا کہ ان کی وفات کی خبر آئی؛ پروفیسر موصوف کا یہ کہنا ہے کہ یہ بیان صحیح نہیں ہے، کیونکہ اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق حضرت خواجہ معین الدینؒ کا وصال رجب ۶۳۳ھ میں ہوا، اور ان سے پہلے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات اسی سال ۱۴ ربیع الثانی میں ہو چکی تھی لیکن یہ اعتراض اسی وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، جب کہ اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ معین الدین

چشتی کی جو تاریخ وفات لکھی گئی ہے، اس کو قطعی اور آخری سمجھ لیا جائے، راقم کی تحقیق ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی وفات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے پہلے ۶۲۰ھ میں ہوئی، گو زیادہ تر تذکرہ نویس ان کے وصال کی تاریخ ۶ رجب ۶۳۲ھ لکھتے ہیں اگر ۶۲۲ یا ۶۳۲ھ ان کی تاریخ وفات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی وفات سے پہلے ہوا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کی تاریخ ۱۴ ربیع الثانی ۶۳۳ھ بالاتفاق تسلیم کر لی گئی ہے، اس لحاظ سے دلیل العارفین کی مجلس یازدہم میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں کوئی پیچیدگی یا تضاد نہیں ہے۔

دلیل العارفین (ص۲۳) میں جامع الحکایات کا حوالہ ہے اعتراض ہے کہ محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایت ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے، اسلئے دلیل العارفین میں اس کا حوالہ دینا تعجب خیز ہے، جامع الحکایت کو محمد عوفی کی جامع الحکایات فی الروایات تسلیم کر لینا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے، جب کہ دلیل العارفین میں جو روایت لکھی گئی ہے وہ عوفی کی جامع الحکایات میں بھی موجود ہو، میری نظر سے دلیل العارفین کی روایت عوفی کی جامع الحکایات میں نہیں گذری، اس سے قطع نظر دلیل العارفین میں عوفی کی جامع الحکایات کا حوالہ کوئی تعجب خیز نہیں، کیونکہ محمد عوفی کی وفات ۶۳۰ھ میں ہوئی، جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ کتاب ۶۳۰ھ سے پہلے لکھی جا چکی تھی، اس لحاظ سے اگر حضرت خواجہ کی نظر سے گذری ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،

دلیل العارفین میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی زبانی روایت ہے:-

"مولانا رضی الدین گھوڑے پر سے گر گئے، ان کا پاؤں ٹوٹ گیا، گھر آئے تو

سوچا کہ یہ بلا کہاں سے آئی، ان کو یاد آیا کہ فجر کی نماز کے بعد وہ سورۂ یٰسین پڑھا کرتے تھے، اس وقت یہ وظیفہ فوت ہو گیا۔"

یہی روایت راحت القلوب (ص ۲۲) میں بھی حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی زبانی بیان کی گئی ہے، اس میں نام مولانا رضی الدین کے بجائے قاضی رضی الدین مرقوم ہے، لیکن فوائد الفواد کی اس روایت میں نام مولانا عزیز زاہد لکھا ہوا ہے،

" فرمود کہ مولانا عزیز زاہد رحمۃ اللہ علیہ یک بار از اسپ نیفتاد کر دو پای او فرود آمد، ازو پرسید ند چہ حالست، گفت کہ من ہر روز سورہ یٰسین می خوانم امروز نخواندہ ام۔" (ص ۱۰۰)

سیر الاولیا میں یہی روایت لفظ بلفظ نقل کر دی گئی ہے، صرف مولانا عزیز زاہد کے بجائے، اس میں مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے،

پروفیسر محمد حبیب کا اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کی یہ روایت فوائد الفواد سے سرقہ ہے، صرف نام بدل دیا گیا ہے، یہ بھی اعتراض ہے کہ دلیل العارفین کے گمنام مرتب نے مولانا کمال الدین زاہد کو مولانا رضی الدین صغانی سے خلط ملط کر دیا ہے پروفیسر صاحب نے مولانا رضی الدین کے نام کے ساتھ صغانی بڑھا دیا ہے، حالانکہ دلیل العارفین میں صغانی نہیں ہے، اور پھر فوائد الفواد میں مولانا کمال الدین زاہد کا نام نہیں، اس میں مولانا عزیز زاہد ہے، جس کو سیر الاولیا نے مولانا عزیز الدین زاہد لکھا ہے، اسکو سرقہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے بزرگانِ دین فجر کی نماز کے بعد سورۂ یٰسین کی تلاوت کا بڑا التزام رکھتے تھے، اس کے فوت ہو جانے پر مولانا رضی الدین یا مولانا عزیز الدین زاہد کو جو حادثہ پیش آیا اس کا ذکر پہلے تو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ پھر حضرت

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اور پھر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے کیا، ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی روایت بیان یا اس کو قلمبند کرتے وقت نام لکھنے میں وہی سہو ہو گیا جو خود پروفیسر صاحب کو ہو گیا ہے، انھوں نے عزیز زاہد کو کمال زاہد اور مولانا رضی الدین کو مولانا رضی الدین صغانی تسلیم کر لیا ہے،

دلیل العارفین کی مجلس یازدہم میں ہے،

"فرمود کہ در ملتان بودم، از بزرگے شنیدم کہ توبہ اہل محبت بہ سہ نوع است"

اعتراض یہ ہے کہ اس میں ملتان کا ذکر کیسے آیا، جب کہ ان ملفوظات کی ترتیب حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہندوستان میں آنے سے پہلے بغداد میں ہوئی، لیکن یہ سمجھنا کہ یہ تمام ملفوظات بغداد میں مرتب ہوئے، صحیح نہیں، کیونکہ دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم اجمیر کی جامع مسجد میں ہوئی، پھر جہاں ذکر ہے کہ "در ملتان بودم۔ اسی کے بعد یہ بھی ہے کہ

"مسافری شدیم جائیکہ وطن ما خواہد بود یعنی اجمیر می رودم، ہر کسے را وداع کردہ دعاگو بر درراہ بودیم، بعد ازاں در اجمیر رسیدیم" (ص ۵۴)

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے اجمیر سے پہلے ملتان میں قیام کیا جہاں ان کی ملاقات کسی بزرگ سے ہوئی، اس کا ذکر مجلس یازدہم کے بجائے علیحدہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اس تصنیفی ترتیب کے نہ ہونے کی وجہ سے واقعہ کی اصلیت میں فرق نہیں آنے پاتا۔

دلیل العارفین (ص ۵۵) میں ہے،

"آنگاہ فرمود کہ مرتبہ اہل محبت چنانست کہ اگر پرسند شب نماز گنراردی، گوید کہ

ما را فراغت نیست و ملک الموت می‌نگر دیم و ہر جا کہ در ماندہ است او را دست می گیرم"

اس ملفوظ میں موت کی جو خوفناکی دکھائی گئی ہے اس کو تصوف کے اداشناس ہی سمجھ سکتے ہیں، پروفیسر صاحب اس کو پست درجہ کا تصوف (degrading type of mysticism) کہتے ہیں، لیکن حسب ذیل تحریروں میں اسی قسم کی باتیں ملیں گی،

"ایک مرید ہے جو پانچوں وقت کی نماز پڑھتا ہے، تھوڑے اوراد بھی پڑھ لیتا ہے لیکن اپنے شیخ کی محبت اس کے دل میں بہت ہے اور پیر سے بڑا راسخ اعتقاد رکھتا ہے، دوسرا مرید وہ ہے کہ عبادت بہت کرتا ہے، بہت تسبیح اور اوراد پڑھتا ہے، اس نے حج بھی کیا ہے لیکن شیخ کی محبت میں کمی کرتا ہے، اور اس کے پیر سے اعتقاد رکھنے میں فتور ہے تو ان دونوں مریدوں میں سے کون بہتر ہے، فرمایا جو اپنے پیر سے محبت کرتا ہے اور اس کا معتقد ہے" (فوائد الفواد ص ۱۲۰)

(شیخ نصیر الدین دہلویؒ) نے فرمایا کہ خواجہ ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ علالت پر تھے، ان پر سخت وقت گزرا، تو اس وقت مریدوں میں سے ایک نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کی کہ خداوندا! خواجہ ممشاد کو بہشت عنایت کرنا، خواجہ ممشاد نے ..... آنکھ کھولی اور فرمایا یہ دعا تم میرے لئے کرتے ہو، چالیس سال سے بہشت مجھکو دی جا رہی ہے، لیکن میں اس کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتا ہوں" (خیر المجالس ص ۲۴۲)

فوائد السالکین پر جتنے اعتراضات ہیں وہ اور بھی زیادہ کمزور قسم کے ہیں، ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اس کو مرتب کیا تو وہ فوائد الفواد میں اس کا ذکر ہوتا، لیکن اس کا ذکر نہ ہونا، اس کے فرضی ہونے کی کوئی قوی دلیل نہیں ہے، حضرت نظام الدین اولیاؒ نے اپنے دوسرے مجموعۂ ملفوظات افضل الفوائد میں

اس کا ذکر کیا ہے، تو وہ قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھا جاتا ہے، البتہ اس میں ۵۸۴ھ کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، وہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، جس کو فاضل معترض نے بھی تسلیم کیا ہے،

فوائد السالکین (مجلس دوم ص ۱۳) میں ہے،

"ہم دریں محل فرمود کہ وقتے من و قاضی حمید الدین ناگوری طواف خانہ کعبہ می کردیم بزرگے بود، او را شیخ عثمان گفتندے و او از بندگان خواجہ ابوبکر شبلی بود"

اس پر یہ اعتراض صحیح ہے کہ ابوبکر شبلیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زمانے میں بڑا فرق ہے، اس لئے ان کے حج کے زمانے میں بندگان خواجہ ابوبکر شبلیؒ کا ہونا ممکن نہیں، بندگان کتابت کی غلطی ہے اس کے بجائے نبیگان ہونا چاہئے، پھر خواجہ ابوبکر شبلیؒ کے نبیگان (پوتے پڑپوتے) میں سے کسی کا ہونا کوئی بعید از قیاس نہیں، اسی طرح حسب ذیل عبارت میں کتابت کی ایک ایسی غلطی رہ گئی ہے، جس پر اعتراض کرنا محض خردہ گیری ہے،

"ہم دریں محل فرمود کہ وقتے بخدمت شیخ معین الدین حسن سجزی نشستہ بودم در اجمیر پتھورا کافر زندہ بود، ہر بار می گفت چہ نیکو بود کہ ایں درویش از اینجا برود وپیش ہر کہ بودے گلہ می کردے، چنانچہ ایں خبر بہ سمع شیخ معین الدین چشتیؒ رسید و در دل نیاک دیگر نشستہ، در حال متفکر بود، سر در مراقبہ کرد، در مراقبہ فریاد کرد، پتھورا را زندہ بمسلمانان دادیم ہم دریں چند روز لشکر سلطان شمس الدین محمد شاہ آنجا رسید تمام شہر را نہیب کردند پتھورا را زندہ گرفت در رواں شد......" (ص ۱۵)

اوپر کی عبارت میں سلطان شمس الدین محمد شاہ کے بجائے سلطان معز الدین محمد بن سام ہونا چاہئے، اس کے بعد پوری عبارت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا، سلطان

شمس الدین محمد شاہ کا لکھ جانا کتابت و طباعت کی غلطی ہے، جس کی نشان دہی تاریخ کا ایک ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی کر سکتا ہے،

فوائد السالکین میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زبانی روایت ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں تھا، وہاں سماع تھا، قوالوں نے ایک قصیدہ کا یہ شعر پڑھا،

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

تو مجھ پر اور قاضی حمید الدینؒ پر اس شعر کا یہ اثر ہوا کہ تین رات دن مدہوش اور متحیر رہے، اس کے بعد ہم دونوں گھر آئے، قوالوں سے یہی شعر پڑھواتے تھے، تین متواتر رات اور دن اس شعر پر کھوئے رہے، ہم لوگ اپنی خبر نہ رکھتے تھے، لیکن نماز وقت پر ادا کرتے تھے، پھر سماع میں مشغول ہو جاتے تھے، اس طرح سات رات اور دن حیرت میں رہے، قوال جب یہ شعر گاتے تو ایسی حالت اور حیرت پیدا ہو جاتی کہ اس کی شرح نہیں ہو سکتی ہے،، (ص ۱۸)

اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس تحیر کی کیفیت میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال ہو گیا، اس کی تصریح فوائد الفواد میں ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبانی روایت ہے کہ شیخ علی سجزی کی خانقاہ میں سماع تھا" شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز وہاں موجود تھے، قوالوں نے ایک قصیدہ شروع کیا اور جب یہ شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را　　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

تو شیخ الاسلام قطب العالم حضرت خواجہ قطب الدین نور اللہ مرقدہ کو اس پر وجد آگیا، وہاں سے گھر آئے تو مدہوش اور متحیر تھے۔ فرماتے کہ وہی شعر پڑھو۔ وہ پڑھا جاتا، وہ اسی طرح متحیر رہتے، جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھتے، اور پھر وہی شعر پڑھواتے، جس کو سن کر ان پر حال اور حیرت طاری ہو جاتی، چار رات دن یہی حال رہا، پانچویں رات رحلت فرمائی، شیخ بدر الدین غزنوئی فرماتے ہیں کہ میں اس رات وہاں موجود تھا۔" (ص۱۴۱)

فوائد السالکین پر اعتراض ہے، کہ اس کی اکثر روایتیں فوائد الفواد سے سرقہ ہیں، اگر مذکورۂ بالا روایت بھی سرقہ ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سلسلہ میں رحلت کا ذکر فوائد السالکین میں کیوں حذف کر دیا گیا ہے، سیر الاولیاء، سیر العارفین، اخبار الاخیار اور دوسرے تذکروں میں فوائد الفواد ہی کی روایت نقل کی گئی ہے، فوائد السالکین اور فوائد الفواد دونوں میں یہ روایت حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی وفات کے سلسلہ میں نہیں، بلکہ کیفیت تحیر کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ فوائد الفواد میں ہے کہ اسی حال میں حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکیؒ کی رحلت ہو گئی، لیکن فوائد السالکین کی روایت کے مطابق اس موقع پر قطب صاحبؒ کی رحلت نہیں ہوئی، فوائد الفواد کی روایت زیادہ مستند سمجھی گئی ہے لیکن محض اس اختلاف سے فوائد السالکین جعلی قرار دیئے جانے کے لائق نہیں ہے، خیر المجالس اور جوامع الکلم جیسی مستند کتابوں میں بھی ایک روایت کو مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بھی خیر المجالس کے دیباچہ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ جوامع الکلم میں بہت سی ایسی روایتیں ہیں جو خیر المجالس میں بھی ہیں، اور بعض روایتوں کی تفصیلات میں اہم اختلافات ہیں،

فوائد السالکین میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زبانی ہے کہ ہم لوگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی مجلس میں حاضر تھے، بغداد میں کئی روز تک ان کے ساتھ اختلاط کیا، میں نے ان کی مشغولیت دیکھی، میں نے دنیا کی اتنی سیاحت کی لیکن شیخ شہاب الدین جیسا کوئی آدمی مشغول نہیں دیکھا، (ص ۱۲) پروفیسر صاحب نے حضرت خواجہ قطب الدین اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ملاقات کو مہمل (ص ...) قرار دیا ہے، لیکن وجہ نہیں بتائی ہے، حضرت شہاب الدین سہروردی کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی، قطب صاحب اور ان کا زمانہ ایک تھا، فوائد الفواد (ص ۲۱۲) میں سلطان شمس الدین التمش کے ذکر میں ہے کہ وہ بھی شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ اوحد کرمانی سے ملا، پھر قطب صاحب کی ملاقات کو بعید از قیاس سمجھنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اس کو تسلیم ہی نہ کیا جائے کہ انھوں نے سیاحت کی، لیکن ان کی سیاحت سے انکار کرنا خود اپنی جگہ تعجب خیز ہے، اگر وہ گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوتے تو اوش چھوڑ کر اجمیر نہ آتے اور دہلی میں اگر وہ سکونت پذیر نہ ہوتے پھر ان کے مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ برابر متحرک رہے، اس لئے ان کی سیاحت کا دائرہ وسیع رہا، مرشد کی روایت کے مطابق انھوں نے بھی مختلف مقامات کی سیاحت کی تو اس کو یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں، فوائد السالکین میں ... مرشد بغداد کی سیاحت کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کا بھی جا بجا ذکر ہے، لیکن سیر الاولیاء کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کبھی حج نہیں کیا، اسی لئے مولف نے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کی زبانی یہ بیان کیا جیسا کہ پہلے بھی ذکر آچکا ہے،

"شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ چند بار آرزو دست حج کردہ ..."

روان شد بجرے کہ در اوجہ رسید، در دل مبارک شیخ تصیمشہ عالم گذشت کہ شیخ من شیخ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ حج نہ کردہ است مرا چرا باید کرد کہ مخالفت پیر کنم از آنجا کہ بازگشت۔"

اگر یہ روایت شک وشبہ سے بالاتر اس لئے ہے کہ یہ سیر الاولیاء جیسے مستند تذکرہ کی روایت ہے تو پھر اس کے اس بیان کو بھی تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات مرتب ہوئے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،

فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت علمائے ظاہر کی نظر میں کھٹکتی ہے، اس لئے راقم بھی اس کو الحاقی سمجھتا رہا،

"فرمایا الخ حضرت شیخ معین الدین کی خدمت میں حاضر تھا، دوسرے درویش بھی تھے، اولیاء اللہ کا ذکر ہو رہا تھا، اتنے میں ایک شخص باہر سے آیا، اور بیعت کے لئے قدمبوسی کی، حضرت خواجہ نے فرمایا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا اس نے کہا کہ آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لئے آیا ہوں، انھوں نے فرمایا میں جو کچھ تم سے کہوں کرو، اور بجا لاؤ، تو پھر مرید کروں گا، اس نے کہا جو حکم ہو، فرمایا کہ تم تو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہو، لیکن ایک بار اس طرح پڑھو، لا الہ الا اللہ چشتی رسول اللہ، وہ راسخ العقیدہ تھا، اس لئے اس نے اسی طرح پڑھ دیا، حضرت خواجہ نے اس کو بیعت کر لیا خلعت اور بہت کچھ نعمت عطا کی، لیکن اس آدمی سے کہا سنو، میں نے تم سے اس طرح کلمہ پڑھایا تاکہ تمہاری عقیدت کا امتحان لوں، ورنہ میں جانتا ہوں کہ میں کیا ہوں، اور کون ہوں محمد رسول اللہ کا کمترین غلام ہوں اصل کلمہ وہی ہے، جو تم نے پڑھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ مرید کو صادق ہونا چاہیے،.........." (ص ۲۳-۲۴)

لیکن اسی نام کی روایت فوائد الفواد (ص ۱۳۳) سیر الاولیاء (ص ۲۴۳) اور مفتاح العاشقین (ص ۴) میں بھی نظر سے گذری، صرف نام بدلا ہوا ہے۔ فوائد السالکین میں شیخ معین الدین کا اسم گرامی ہے، اور ان تینوں کتابوں میں شیخ شبلی کا نام ہے، ان روایتوں کو دیکھ کر فوائد السالکین کی روایت کو الحاقی سمجھنے سے رجوع کیا، اور خیال ہوا کہ متابعت پیر کے سلسلہ میں صوفیۂ کرام کے حلقہ میں اس قسم کے روایتوں کا بیان کرنا عام تھا، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ جب یہ روایت الحاقی نہیں ہو سکتی ہے تو پھر ان ملفوظات میں سب ہی روایتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہو سکتی ہیں، جن کے رموز و نکات کو یہ بزرگان دین ہی سمجھ سکتے تھے فوائد السالکین کی حسب ذیل روایت بھی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے،

> حج کا ذکر آیا، قاضی حمید الدین ناگوری، مولانا علاء الدین کرمانی، سید نور الدین مبارک غزنوی، سید شرف الدین، شیخ محمود موزہ دوز، مولانا بقیہ خداداد اور دوسرے لوگ تھے، یہ سب ایسے تھے جن کے درمیان عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک کوئی خبر باعث حجاب نہ تھی، سب صاحب کشف و کرامات تھے، خانہ کعبہ کے مسافروں کا ذکر ہونے لگا، حضرت خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا جو اللہ کے خاص بندے ہیں جب وہ اپنے مقام پر ہوتے ہیں، تو خانہ کعبہ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کے گرد طواف کرے، یہ کہہ کر وہ اور دوسرے حاضرین کھڑے ہو گئے، اور عالم تحیر میں ایسے مشغول ہو گئے کہ اپنے آپ کی خبر نہ رہی، یہ دعاگو بھی عالم شوق میں مستغرق ہو گیا، پھر حضرت خواجہ اور دوسرے لوگوں نے اسی طرح تکبیریں کہنی شروع کر دیں، جس طرح طواف کعبہ کے وقت کہا کرتے ہیں، اور ہر ایک کے جسم سے خون ٹپک رہا تھا، اور جو قطرہ زمین پر گرتا تھا، اس سے تکبیر کا نقش بنتا چلا جاتا تھا، اور جب ہم ہوشیار ہوئے تو ہم نے کعبہ کو اپنے آگے دیکھا، چنانچہ ہم نے اس کا وہی ادب و تعظیم

کیا جو ہونا چاہیے، اس کے بعد ہم نے چار بار طواف کیا، غیب سے ندا آئی، اے عزیزو! ہم نے تمہارا حج، طواف اور نماز قبول کی اور ان لوگوں کو بھی جو تمہارے نقش قدم پر چلیں اور تمہاری پیروی کریں۔

"پھر فرمانے لگے کہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہٗ العزیز ہر سال اجمیر سے زیارت خانۂ کعبہ کے لیے جایا کرتے تھے، رات وہاں گذارتے، اور صبح ہوتے ہی واپس ہو جاتے، اور جماعت خانہ میں نماز ادا کرتے۔ پھر فرمایا کہ میں نے شیخ معین الدینؒ کی زبان سے شیخ عثمان ہارونیؒ کی یہ حکایت سنی کہ جب خواجہ مودود چشتی کو خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق غالب ہوتا تو فرشتوں کو حکم ہوتا کہ خانہ کعبہ کو چشت لے آئیں اور خواجہ کی نظروں کے سامنے کر دیں۔ خواجہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور نماز پڑھتے، تو فرشتے خانہ کعبہ کو لے جاتے، پھر فرمایا کہ خواجہ حذیفہ مرعشی قدس اللہ سرہٗ العزیز پر ستر برس تک اپنے سجادہ سے نہیں اٹھے، اور کہیں نہیں گئے، لیکن جو مسافر اور حاجی خواجہ کی زیارت کو آتے، کہتے کہ انھوں نے خواجہ کو خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں دیکھا ہے۔" (ص ۲۵-۲۶)

لیکن اس قسم کی روایتوں سے پورے مجموعے کو جعلی اور فرضی قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ سیر الاولیاء میں اس سے زیادہ عجیب و غریب روایتیں ہیں، ملاحظہ ہوں:-

"مولانا بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ صادق القول تھے، ان کی روایت ہے کہ میں نے ایک روز سلطان المشائخؒ کی دہلیز کے پاس ایک اونٹ دیکھا، وہ دریچہ سے باہر دریچہ کے نیچے کھڑا تھا، سلطان المشائخ اس اونٹ پر سوار ہوئے، اونٹ ہوا میں اڑ گیا، میں بیخود ہوا اور کچھ دیر کے بعد جب اپنے آپے میں آیا، بیند جاتی رہی، (خواب از سرم رفت) یہاں تک کہ رات آخر ہوگئی، پھر میں نے دیکھا کہ وہ اونٹ آگیا ہے، اور دریچہ کے نیچے کھڑا ہے

سلطان المشائخ نے دریچہ کھولا، اندر چلے گئے، اور اونٹ واپس ہوگیا، اس کاتب حروف نے ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ شیخ نجم الدین صفاہانی ساٹھ سال تک خانہ کعبہ کے مجاور تھے، انھوں نے ایک گھر اس طرح بنایا تھا کہ وہاں سے بیٹھے خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے تھے، بڑے کامل حال شیخ تھے، ایک روز مکہ کے مجاوروں نے ان سے پوچھا کہ اس میں بڑا خلقت ہے کہ سلطان المشائخ مقتدائے عالم ہیں اور صدہا لوگ ان کے معتقد تک پہنچا دیتے ہیں، لیکن خانہ کعبہ کی زیارت نہیں کرتے ہیں اور حج کی دولت نہیں پاتے ہیں، شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ وہ اکثر فجر کی نماز خانہ کعبہ میں آکر پڑھتے ہیں، اور ہم لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں، خیال ہے کہ وہ اونٹ فرشتہ تھا جو غیب سے آتا اور سلطان المشائخ کو خانہ کعبہ لیجاتا۔ (ص ۱۶۲-۱۶۶)

آگے چل کر سیر الاولیاء کی ایک دوسری روایت یہ ہے۔

"ایک عزیز نے بیان کیا کہ میں اپنے قصبہ سے سلطان المشائخ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا، میرا گذر قصبہ بوندی سے ہوا، میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ یہاں ایک بزرگ ہیں جو شیخ مومن کہلاتے ہیں، ان سے جاکر ملاقات کروں، ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے فرمایا کہ تم کہاں جاؤگے، میں نے کہا حضرت سلطان المشائخ کے پاس انھوں نے کہا سلطان المشائخ سے میرا سلام پہنچاؤ، اور کہا کہ جمعہ کی ہر رات کو ان سے کعبہ میں ملاقات کرتا ہوں، جب میں سلطان المشائخ کے پاس پہنچا، تو عرض کیا، قصبہ بوندی کے ایک درویش نے سلام کہا ہے اور پھر وہ پیام کہا تو شیخ منغص ہوئے اور فرمایا،

"او درویشے عزیز است ولیکن زبان خود بر خود نداد" (ص ۱۶۶)

فوائد الفواد کے مرتب کی زبانی یہ روایت ہے:۔

"میں نے اپنے ..... یک دوست سے ایک بات سنی ہے، جو دل میں گھر گئی ہے، وہ بات یہ ہے کہ اس نے حاجی کے لیے دیکھا ہے جس کا کوئی پیر نہ ہو، خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے جب یہ ات سنی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور یہ مصرع زبان مبارک پر آیا، ع

آں رہ بسوئے کعبہ برود ایں بسوئے دوست

اس کے بعد فرمایا کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد مجھ پر حج کا شوق غالب ہوا، انتہا نے کہا ذرا جو دھن حالہ شیخ کی زیارت کروں، جب شیخ الاسلام کی زیارت کو پہنچا تو میرا مقصد حاصل ہو گیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی حاصل ہوا، دوسری بار پھر ہوس ہوئی، پھر شیخ کی زیارت کو گیا پھر غرض حاصل ہو گئی۔" (ص ۱۵۵)

اسرار الاولیاء، مرتبہ بدر اسحٰق کے مطبوعہ نسخہ میں بھی سنین و اسما کی لکھائی چھپائی کی اسی طرح کی غلطیاں ہیں، جو اور مجموعوں میں ہیں، لیکن اس کے باوجود اس میں چشتیہ سلسلہ کی جو تعلیمات بیان کی گئی ہیں وہ وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس میں ہیں، اس میں کہیں کفر و شرک کی بو نہیں آتی، جس کی بنا پر یہ رسالہ بالکل ہی نظر انداز کرنے کے لائق سمجھا جائے۔

اس مجموعہ پر جزوی اعتراضات کے ساتھ ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی سیاحت کا ذکر ہے، جب کہ فوائد الفواد میں ان کی سیاحت کا کوئی ذکر نہیں، لیکن فوائد الفواد میں سیاحت کا ذکر نہ آنا، اس سے قطعی انکار کی دلیل

نہیں، ممکن ہے کہ فوائد الفواد میں اس لیے ذکر نہ کیا گیا کہ راحت القلوب اور سیر الاولیاء میں اس کا ذکر بار بار آچکا ہے، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے سفر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس زمانے میں منگولوں کے حملوں کے سبب راستے محفوظ نہ تھے، لیکن رہروانِ سلوک کے سفر کے لئے یہ سبب مانع نہیں ہو سکتا تھا، خود حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے مرید شیخ عارف کو سیوستان بھیجا، اور حج کے لئے روانہ کیا (سیر الاولیاء ص ۱۸۴-۱۸۵) اسی زمانہ میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ نے سفر کیا، اور شہاب الدین سہروردیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، حضرت جلال الدین تبریزیؒ تو اس زمانہ میں برابر متحرک رہے، ان کے پاؤں میں ہمیشہ چکر رہا، اس طرح حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بھی حضرت خواجہ عثمان ہارونی، حضرت خواجہ معین الدینؒ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی روایت کے مطابق روحانی تعلیمات کی غرض سے مختلف مقامات پر جاکر بزرگانِ دین سے کسب فیض کیا، تو اس سے انکار کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، پروفیسر خلیق احمد نظامی کو اپنی فاضلانہ کتاب دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنج شکرؒ میں اس کو تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے کہ انھوں نے قندھار اور سیستان کا سفر کیا، گو وہ بھی حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے اور دوسرے مقامات کی سیاحت کے قائل نہیں ہیں، لیکن وہ اس پرآشوب زمانہ میں ہندوستان سے نکل کر قندھار اور سیستان جا سکتے تھے، تو پھر ان کا غزنی، بخارا، بغداد اور بدخشاں پہنچنا ناممکن نہیں کہا جا سکتا ہے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت ۶۳۲ھ میں ہوئی جب کہ حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر کی عمر ۵۷۱ھ کے سنہ پیدائش کے لحاظ سے ۶۲ برس کی تھی اور اپنے مرشد کی رحلت کے بعد اجودھن میں رشد و ہدایت کی مسند پر مستقل طور سے متمکن

ہوئے، اس سے پہلے اپنی عمر کی اس طویل مدت میں اگر وہ مختلف مقامات کی سیاحت کے لیے باہر گئے تو کوئی تعجب کی بات نہیں، خصوصاً جب چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں مختلف مقامات پر پہنچ کر بزرگانِ دین سے کسب فیض کرنے کی بڑی اہمیت تھی،

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنج شکر میں لکھتے ہیں:

"عہد وسطیٰ میں صوفیوں کی تعلیم و تربیت میں سیاحت لازمی جزو تھا، اس کے متعدد فوائد تھے، مولانا عزیز الدین محمود بن علی کاشانی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ ان سیاحتوں سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے تھے، اکابر خواجگانِ چشت میں شیخ عثمان ہرونی، شیخ معین الدین چشتی اور شیخ قطب الدین برسوں دور دور تک سفر کرتے رہے" (ص ٢٧)

البتہ یہ غور کرنا ہے کہ اسرار الاولیاء اور اس کے ساتھ راحت القلوب میں اس سیاحت کے دوران میں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے جن جن بزرگوں کی زیارت کی وہ ملتی بھی کہ نہیں، وہ بغداد میں حضرت شہاب الدین سہروردی (المتوفی ٦٣٢ھ) بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی ٦٥٦ھ) سے ملے، بغداد میں ان کی ملاقات خواجہ اجل سجزی، اور سیوستان میں شیخ اوحد الدین کرمانی سے بھی ہوئی، ان دونوں بزرگوں کا سنہ وفات تو نہیں معلوم، لیکن وہ دونوں حضرت شہاب الدین سہروردی کے معاصر تھے، اس لحاظ سے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کا ان تمام بزرگوں سے ملنا بعید از قیاس نہیں، البتہ راحت القلوب میں دو جگہوں پر عبارت کھٹکتی ہے، ایک تو جس میں ہے

"وقتے جانب بدخشاں مسافر بودم، و آں شہر بر کان اولیاء بود، چنانچہ عبدالواحد

نبیسہ شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ العزیز بیرون شہر میان غاری مسکن داشت،
چون شنیدم نزدیک آں غار شدم " (ص ۱۰)

نبیسہ کے معنی پوتے لئے جائیں تو ذوالنون مصری (المتوفی ۲۴۶ھ) کے پوتے سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی ملاقات ممکن نہیں ہو سکتی، لیکن نبیسہ سے پوتوں کی اولاد بھی مراد لی جائے تو پھر شیخ عبدالواحد کو حضرت ذوالنون مصری کے پوتے کی اولاد سمجھنا چاہئے، جن سے پھر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی ملاقات کے سلسلہ میں شبہ پیدا نہیں ہوتا، اسی طرح راحت القلوب میں ایک جگہ ہے :۔

" وقتے در خدمت شیخ یوسف چشتی قدس اللہ سرہٗ حاضر بودم " (ص ۲۲)

معلوم نہیں شیخ یوسف چشتی سے کون مراد ہیں اگر یہ خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی ہیں، تو ان سے ملنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے دادا پیر کے پیر ہیں، اگر ہمدردانہ طور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور بزرگ تھے، جو خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی سے مختلف تھے، اگر اس کو میری بے جا تاویل سمجھی جائے، اور مذکورہ بالا فروگذاشت کو ناقابل معافی غلطی قرار دیکر راحۃ القلوب کو جعلی سمجھنے پر اصرار کیا جائے، تو پھر ایک عیب جو ناقد حمید قلندر کی حسب ذیل روایت کو پڑھ کر خیر المجالس کے متعلق وہی رائے قائم کر سکتا ہے، جو راحۃ القلوب کے بارے میں ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ خواجہ عثمان ہرونی کا ایک مجذوب درویش کا ساتھ تھا، جن کا نام فرزند خیر تھا[1]، وہ درویش ایک شہر میں گئے، تو وہاں کی جامع مسجد میں قیام

---

[1] علی گڈھ کے مطبوعہ نسخہ میں فرزند خیر نام لکھا ہوا ہے، اسی کے حاشیہ میں ایک دوسرے نسخہ کے حوالے سے یہ لکھا گیا ہے کہ "نام او یاد نماند"، خیر المجالس کے اردو ترجمہ سیر المجالس میں نام "چک" تحریر ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ بعض اوقات نام لکھنے میں کتنا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے،

کیا، اور محراب کے سامنے سوگئے مسجد لکڑی کی بنی ہوئی تھی، اس کی دیوار اور چھت بھی لکڑی کی تھی، نماز کے وقت موذن آیا اور پائے مبارک کو کھینچا، وہ درویش اٹھ گئے، انھوں نے ایک آہ کی تو ان کے منہ سے آگ پیدا ہوئی، مسجد میں آگ لگ گئی، درویش باہر نکل آئے، آگ شہر تک پہنچ گئی، شہر جلنے لگا، شیخ عبداللہ انصاری شہر میں تھے، ان کو خبر کی گئی کہ ایک بزرگ جامع مسجد میں سوئے ہوئے تھے، موذن نے ان سے گستاخی کی، ان کا پاؤں کھینچا، انھوں نے آہ کی، تو ان کے منھ سے آگ نکلی، اس وقت وہ آگ شہر میں آگئی ہے، اور جلا رہی ہے، شیخ عبداللہ انصاری نے کہا کہ وہ بزرگ کس طرف گئے لوگوں نے بتایا کہ فلاں طرف گئے، پیچھا کیا، تو ان کے پاس جا پہنچے، فرمایا اے درویش! یہ شہر مجھکو بخش دو، کہا میں بخشتا ہوں، پھر فرمایا بخش دو، کہا ایک ثلث دیا فرمایا کچھ اور زیادہ دیدو، کہا دو ثلث دیا، شیخ عبداللہ انصاری واپس آئے، ایک ثلث شہر جل چکا تھا، دو ثلث باقی رہ گیا تھا" (ص ۵۲)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہرونی، مجذوب بزرگ اور شیخ عبداللہ انصاری کا زمانہ ایک تھا، حالانکہ یہ صحیح نہیں، شیخ عبداللہ انصاری کی وفات پانچویں صدی میں ۴۸۱ھ میں ہوئی، حضرت خواجہ عثمان کی ولادت چھٹی صدی ہجری اور وفات ساتویں صدی ہجری میں ہوئی، دونوں کی معاصرت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ممکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ شیخ عبداللہ انصاری ہرات والے بزرگ نہ تھے، جن کی وفات ۴۸۱ھ میں ہوئی، بلکہ کوئی اور دوسرے بزرگ تھے، جن کے نام کی غلطی کتابت ہوگئی ہو، یہ کہتے وقت راحت القلوب کے نساخ کو بھی سامنے رکھنا پڑے گا،

اسرار الاولیاء کی مجلس دوم (ص ۱۱) میں ہے،

"بعد ازاں فرمود کہ اے درویش وقتے بہ حرم مولانا بہاء الدین زکریا ...

یکجا نشستہ بودیم حکایت سلوک می رفت، ناگاہ برآمد، برادرم بہاء الدین بیرون ست و ایستادہ شدہ بہ پائے پائے بگریست و گفت انا للہ و انا الیہ راجعون، دعاگوی پرسید کہ این چہ حالست گفت برخیز بیا بیرون برخاستم، چہ بینم از دروازہ بغداد و جنازہ شیخ سعد الدین حمویہ آوردہ اند و نماز جنازہ می گزارند پیش مسجد جامع زادہ" (ص ۱۱)

اس روایت میں کوئی تضاد یا ضعف نہیں کیونکہ حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ) کی وفات حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی زندگی ہی میں ہوئی، فوائد الفواد میں ہے:-

"بعد ازاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر فرمود کہ اوّل شیخ سعد الدین حمویہ نقل کرد، بعد ازو بسہ سال شیخ سیف الدین باخرزی بعد ازو بسہ سال شیخ بہاء الدین زکریا بعد ازو بسہ سال و شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین" (ص ۱۳)

لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس کی فصل اوّل ۶۳۱ھ میں شروع ہوئی، اور اس کے آخر میں بیان ہے کہ اس میں بارہ سال تک کے ملفوظات جمع کئے گئے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ اس میں ۶۴۳ھ تک کے واقعات ہیں، پھر حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ) کا ذکر کیسے آسکتا ہے، پہلے کہا گیا ہے کہ اس میں سنین اور اسماء کی غلطیاں ہیں اس لئے ممکن ہے کہ ۶۳۱ھ کے سنہ میں کتابت کی غلطی ہوگئی ہو۔ پھر آخر میں اجمالی طور پر یہ کہا گیا ہے کہ:-

"از اسرار و انوار و الفاظ در بار شیخ الاسلام در مدت دوازدہ سال شنیدہ است درین مجموعہ بنشتہ آمد"

اس کو ۶۳۱ھ کے بعد ہی کے بارہ سال سے مخصوص کرنا خردہ گیری ہے، اسرار الاولیاء

کی پہلی فصل میں تو تاریخ دی ہوئی ہے، لیکن ۳۲ فصلوں میں سے کسی ایک میں بھی تاریخ نہیں درج ہے، اس لئے پہلی فصل کی تاریخ کو غلط سمجھ کر کتاب سے نکال دیا جائے، تو پھر ترتیب زمانی میں کوئی التباس پیدا نہیں ہوتا، اس طرح اس میں جو واقعات درج ہیں، اس لحاظ سے یہ یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوگا کہ حضرت سعد الدین حمویہ (المتوفی ۶۵۰ھ)، شیرخاں (المتوفی ۶۶۲ھ) اور حضرت نجیب الدین متوکل کی وفات سے پہلے یہ ملفوظات مرتب ہوئے، پھر پروفیسر صاحب موصوف کا یہ اعتراض صحیح نہیں ہوگا، کہ ان بزرگوں کی زندگی کا جو زمانہ ہے، اسی میں ان کی وفات کا ذکر کردیا گیا ہے،

اسرار الاولیا (ص ۹۰) میں ہے :-

"فرمود کہ اے درویش وقتے من و شیخ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بداون رسیدیم روزے در دہلیز خانہ نشستہ بودیم "

اس پر پروفیسر صاحب کا اعتراض ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے، لیکن جن مستند ماخذوں کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے، ان کے نام نہیں لکھے گئے ہیں، قطعی طور پر یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کبھی بدایوں تشریف نہیں لے گئے، کیونکہ سیر الاولیاء میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی یہ روایت ہے کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے ایک بھائی بدایوں میں تھے، اور وہ ہر سال ان سے ملنے کے لئے جاتے تھے،

"سلطان المشائخ می فرمود کہ شیخ نجیب الدین متوکل را برادرے بود در بداؤں ہر سال بدیدن او آنجا رفتے تا شبے کہ ہر دو برادر بدیدن شیخ علی بزرگ کہ صاحب نعمت بود در بداؤں رفتند " (ص ۶۷)

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی تھے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ ۔ بھی اپنے بھائی سے ملنے بدایوں گئے ہوں، ایسی حالت میں حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ بدایوں میں ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہوسکتی، خصوصاً فوائد الفواد، خیر المجالس اور سیر الاولیار کی روایتوں سے ظاہر ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کئی بار بدایوں پہنچے،

اسی کے ساتھ اسرار الاولیار کی مذکورہ بالا روایت کو ہمدردانہ صورت سے پڑھنے کے بعد یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے، اس میں من اور جمع متکلم کا صیغہ غلط کتابت کی وجہ سے اضافہ ہوگیا ہو، کیونکہ اسی روایت میں پھر یہ صیغہ نہیں آیا ہے، اس لئے اگر اسرار الاولیار کا کوئی قدیم ترین نسخہ دیکھا جائے تو ممکن ہے کہ اس میں مذکورہ بالا الفاظ کے بجائے حسب ذیل الفاظ ہوں،

"فرمود کہ اے درویش وقتے شیخ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز در بداؤں رسید
هر روزے در دہلیز خانہ نشستہ بودے"

اس طرح یہ روایت فوائد الفواد (ص ۱۳۲) کی روایت کے بالکل مطابق ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد ہی کی زبانی یہ روایت دہرائی جو فوائد الفواد میں قلمبند کر دی گئی، خیر المجالس کی مجلس پنجاہ و ششم میں یہ روایت کچھ بڑھا کر درج کی گئی ہے، لیکن اس جزوی اختلاف سے نفس حکایت اور پوری کتاب پر کوئی حرف نہیں آتا، اسی روایت کے سلسلہ میں پروفیسر صاحب نے یہ بھی لکھا ہے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒر کی ملاقات حضرت فرید الدین گنج شکر سے بدایوں میں کبھی نہیں ہوئی، اس کے لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ خود پروفیسر صاحب

نے لکھا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ولادت ہوئی، ظاہر ہے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ حضرت جلال الدینؒ تبریزی کے ساتھ اگر آئے بھی ہوں گے تو اس وقت حضرت نظام الدین اولیاء سے ملنے کا سوال ہی نہیں ہو سکتا،

اسرار الاولیاء کی فصل یازدہم میں ہے:۔

"فرمود کہ اے درویش دعا گو را برادرے بود شیخ نجم الدین متوکل نام او بود و از حد مشغول چنانچہ دعا گوئی چند سیاحی کردہ است ہیچ کسے را ہم چنیں ندیدم و در ہیچ شہرے نیافتم، از آنکہ آں زماں کہ او را خوب حق مستولی شدی" (ص ۱۷)

جس طرح اس مجموعہ میں کتابت کی اور غلطیاں ہیں، اسی طرح مذکورہ بالا اقتباس میں نجیب الدین متوکل کے بجائے نجم الدین متوکل کی کتابت ہو گئی ہے، اعتراض یہ ہے کہ ملفوظات کا یہ مجموعہ ۶۳۲ھ میں ختم ہو گیا تھا، اس کے بعد بہت دنوں تک شیخ نجیب الدین متوکل زندہ رہے، پھر ان ملفوظات میں "برادرے بود"، کیسے لکھا گیا، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ صحیح ہے، یعنی وہ اپنے بھائی کا ذکر ان کی وفات کے بعد کر رہے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ملفوظات ان کے بھائی کی رحلت کے بعد کے ہیں، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ ملفوظات کے قلمبند ہونے کی جو تاریخ مجموعہ نسخہ میں درج ہے وہ غلط ہے، اور یہ یقیناً کتابت کی غلطی ہے، جس کو خود پروفیسر صاحب یہ کہہ کر تسلیم کرتے ہیں کہ

The date for first fasl is monday 11 Shaban 631 A.H (1233-34) which is impossible to accept.

اسرار الاولیا میں حضرت خواجہ معین الدینؒ کے ذکر میں ہے :۔

"دریں میاں لشکر محمد شاہ در اجمیر در آمد پتھورا را زندہ گرفتند" (ص ۔۔)

اس پر اعتراض کرنا بھی قابل اعتراض ہے کیونکہ یہ کتابت کی صریحاً بھونڈی غلطی ہے، اسرار الاولیا (ص ۳۳) پر بھی سلطان معز الدین محمد بن سام کا ذکر آیا ہے، لیکن وہاں سلطان معز الدین محمد شاہ مرقوم ہے سام کے بجائے شاہ کی کتابت ہو گئی ہے، مذکورہ بالا عبارت میں بھی معز الدین محمد سام ہی ہوا ہے۔ جو غلطی سے صرف محمد شاہ لکھا گیا ہے، کتابت و طباعت کی غلطیوں سے صاف ظاہر ہے کہ ان رسالوں کی کتابت و طباعت میں وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو واقعی ہونا چاہیے۔ ان غلطیوں سے فائدہ اٹھا کر طرح طرح کے اعتراضات کرنا بالکل مناسب نہیں،

اسرار الاولیا کی فصل یازدہم، شانزدہم، ہفدہم اور ہژدہم میں شیخ نظام الدین اولیا کے ساتھ شیخ بدر الدین غزنوی کا بھی ذکر آیا ہے۔ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ تعجب ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ کیسے دکھایا گیا ہے کیونکہ شیخ بدر الدین غزنوی سے شیخ نظام الدین اولیا کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی، اور شیخ نظام الدینؒ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے دہلی پہنچنے سے پہلے ان کی وفات ہو گئی تھی، معلوم نہیں پروفیسر صاحب موصوف نے یہ کیسے لکھدیا ہے، کیونکہ فوائد الفواد میں ہے، کہ

"بعد ازاں دریں معنی حکایت فرمود کہ شنودہ ام از شیخ بدر الدین غزنوی کہ وگفت کہ من چوں از غزنین بہ لاہور آمدم" (ص ۴۳)

سیر الاولیا میں بھی دو جگہوں پر ہے :۔

" سلطان المشائخ ... می فرمود کہ از شیخ بدر الدین شنیدم کہ برادر خواجہ حمید الدین

ناگوری درآمدم، دیدم جامہ بہ شستن دادہ است و چادر سراست، میرزئی در تہ داشت، کہ بجہ د اشتم نو پیش آوردم در حال قبول کرد، و بپوشید و گفت پدر تو ابر من منت ہاست۔" (ص ۱۹۲)

سلطان المشائخ می فرمود: من از شیخ بدر الدین غزنوی شنیدم می گفت کہ شیخ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز این دو بیت بسیار گفتے۔ (ص ۱۹۲)

سودائے تو اندر دل دیوانہ ماست | ہرچہ نہ حدیث نسبت افسانہ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت از خویش من ست | خویشے کہ نہ از تو گفت بیگانہ ماست

ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ دونوں میں ملاقاتیں ہوئیں۔

اسرار الاولیا میں ہے:۔

"اس کے بعد فرمایا کہ اے درویش کل قیامت کے دن جب عاشقوں کو مقام تجلی میں لایا جائیگا، تو حکم ہوگا کہ آنکھیں کھولو اور عاشقوں میں سے ہر ایک کو سامنے لاؤ تاکہ ان میں ہر ایک کو تجلی نصیب ہو وہ ستر ہزار سال تک بیہوش رہیں گے لیکن جب ان کو ہوش آئے گا تو وہ فریاد کریں گے کہ پھر تجلی اور نصیب ہو، اسی طرح سات بار کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس ہونگے، جب شیخ الاسلام دام اللہ برکاتہ نے یہ بات ختم کی تو ایک چیخ لگائی اور بیہوش ہو گئے۔" (ص ۳۲)

حضرت فرید الدینؒ کے اس قسم کے تحیر اور کیفیت سکر کو پروفیسر صاحب نے جھوٹ اور مہمل قرار دیا ہے۔ falsehood it is absurd لیکن پروفیسر صاحب کے نزدیک فوائد الفواد، خیر المجالس، سیر الاولیا، غیر مستند کتابیں نہیں ہیں، بلکہ انہی کی روایتوں سے اپنے دعوے کو مستحکم بناتے ہیں، ان میں بھی تحیر کی روایتیں ملیں گی، مثلاً فوائد الفواد (ص ۱۴۴) کی اس روایت کا ذکر پہلے آچکا ہے، کہ حضرت قطب الدین

بختیار کاکی ایک شعر کو سن کر چار رات چار دن عالم تحیر میں مدہوش رہے، اور اسی تحیر میں ان کی رحلت ہو گئی،

خیر المجالس میں ہے،

"قیامت کا ذکر تھا، تو خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا، قیامت نزدیک آگئی ہے، ہو گیا ہے، اس ذکر سے بشرۂ مبارک سفید ہو گیا، اور حاضرین کھو گئے، اس حال میں فرمایا کہ یاروں کے لئے شیرینی لاؤ، لیکن حاضرین پر قیامت کا خوف ایسا تھا کہ ان کی عمر تلخ ہو رہی تھی، شیرینی ان کے سامنے رکھی رہی کسی کو کچھ خبر نہ تھا، خواجہ نے خادم سے فرمایا شیرینی واپس لے جاؤ تھوڑی دیر میں پھر لاؤ، اس وقت ہم لوگوں کو پتہ نہیں ہے، کہ ہم لوگ آسمان پر ہیں یا زمین پر ہیں، دن ہے کہ رات، اس حال میں ایک پہر گذر گیا، کوئی دم نہ مارتا تھا، یہاں تک کہ ایک صاحب واپس آئے، اور بلند آواز سے سلام کیا، ان میں سے کچھ تو اپنے آپے میں آئے اور کچھ قیامت کے خوف سے اسی طرح مستغرق رہے" (ص ۱۲)

سیر الاولیاء (ص ۱۶۲) میں ہے،

"شیخ شیوخ العالم کی حیات میں مولانا بدرالدین اسحٰق قدس سرہٗ العزیز نے یہ شعر پڑھا

پیش سیاست غمش رو چہ تعلق نمی زند ... اے زہزار دست وہ گم ہیں تو نوا چہ می زنی

اس بیت سے عالم تحیر طاری ہو گیا، جب یہ شعر پڑھا جاتا بکاء اور اہتزاز طاری ہو جاتا، مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو شیخ شیوخ العالم نے مولانا بدرالدین اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ سے امامت کرنے کو فرمایا، مولانا نے نماز شروع کی، تحریمہ باندھا لیکن قرأت کہنے کے بجائے یہی شعر ان کی زبان پر آیا، اس کے بعد وہ بے ہوش ہو گئے"

جب اپنے ہوش میں آئے تو شیخ شیوخ العالم نے فرمایا پھر اسے شروع کر دو اور حاضر رہو"
راحت القلوب پر اسی قسم کے کمزور اعتراضات ہیں، مثلاً شروع ہی میں کہا گیا ہے کہ اس میں باتیں فوائد الفواد سے لی گئی ہیں ،

It contains matters taken from Fawaidul fuwad

لیکن پھر فوراً ہی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے مرتب کی رسائی براہ راست فوائد الفواد تک نہیں ہوئی،

The author does not borrow directly from Fawaidul Fuwad which seems to have been out of his reach"

طرز استدلال یہ ہے کہ اگر کوئی روایت فوائد الفواد سے ملی جلی ہے تو اس کو سرقہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن کوئی روایت فوائد الفواد سے کچھ مختلف ہے تو اس کو جعلی قرار دیکر رد کرنے کی تلقین کی جاتی ہے،

راحت القلوب کو جعلی بنانے کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ فوائد الفواد اور خیر المجالس کو بیان کے مطابق حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کو چودھویں کی تیسری بار کی حاضری میں خلافت ملی لیکن راحت القلوب میں پہلی ہی بار کی حاضری میں خلافت ملنے کا ذکر ہے، ایسا سمجھنا صحیح نہیں، راحت القلوب کے آغاز میں جو باتیں لکھی گئی ہیں اس کو دراصل تمہید سمجھنا چاہیے جس میں خلافت کا بھی ذکر آگیا ہے، لیکن یہ ذکر مجلس اول ہی کے سلسلہ میں کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ التباس پیدا ہو گیا ہے، پھر مختلف مجلسوں میں ۵۵ھ کا ذکر ہے، لیکن یہ سنہ بھی یقیناً کتابت و طباعت کی فروگذاشت ہے، کیونکہ ان تاریخوں

میں جو واقعات لکھے گئے ہیں، اُن میں تطبیق نہیں ہوتی، اگر محنت کی جائے تو یہ تاریخیں معلوم ہو سکتی ہیں، میری ذاتی رائے ہے کہ یہ تمام مجلسیں حضرت خواجہ کی آخری بار (یعنی سنہ ۶۶۳ھ) کی حاضری کے موقع کی ہیں، اگر ہر مجلس کے ساتھ یہ سنہ لکھ دیا جائے، یا خیر المجالس کی طرح سنہ اور تاریخ کا ذکر ہی نہ کیا جائے تو پھر واقعات میں کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا، پروفیسر صاحب کو سنہ کے غلط اندراجات کی وجہ سے ہر قسم کی غلطیاں نکالنے کا موقع مل گیا ہے، لیکن نفس واقعہ میں کوئی غلطی نہیں، مثلاً اس میں شیر خاں (المتوفی سنہ ۶۶۳ھ) شیخ بہاء الدین زکریا (المتوفی سنہ ۶۶۱ھ) اور شیخ سیف الدین باخرزی (المتوفی سنہ ۶۵۸ھ) کی وفات کا ذکر ہے اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ملفوظات ان بزرگوں کی وفات کے بعد مرتب ہوئے، تو پھر ہمدردانہ تنقید میں صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس میں سنہ کا جو اندراج ہے، وہ غلط ہے، لیکن مخالفانہ تنقید ہی میں یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ اس سنہ میں بزرگوں کی وفات نہیں ہوئی، اس لئے پورا مجموعہ جعلی اور فرضی ہے۔

راحت القلوب میں اسرار الاولیاء کی طرح حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے مختلف مقامات کی سیاحت کا ذکر ہے، پروفیسر صاحب اس کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن تسلیم نہ کرنے کے اسباب پر ہم نے جو کچھ پہلے لکھا ہے، وہ ناظرین کی نظروں سے گذر چکا ہے،

اسرار الاولیاء ہی کی طرح راحت القلوب پر یہ اعتراض ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ اور ذوالنون مصریؒ کے مریدوں (ص ۳۰-۳۱) اور حضرت بابا گنج شکرؒ کی ملاقاتوں کا ذکر تعجب خیز ہے، کیونکہ دونوں کے زمانہ میں بڑا تفاوت ہے لیکن اس سلسلہ میں پروفیسر صاحب سے جو فروگذاشت ہوئی ہے اس کی طرف توجہ مبذول کرانے کی ضرورت ہے۔ راحت القلوب (ص ۴۴) کی ایک عبارت ہے:-

"پیر باعظمت صد و پنجاہ سال عمر او بود از نبیسگان خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ"
اس کا ترجمہ پروفیسر صاحب نے انگریزی میں یہ کیا ہے:۔

A mystic .. who was one hundred and fifty years old and was a disciple of Khuwaja Hasan Basari.

پیر باعظمت کو پروفیسر صاحب نے خواجہ حسن بصری کا مرید بتایا ہے حالانکہ وہ نبیسگان میں تھے نبیسگان سے مراد پوتوں پڑپوتوں کی اولاد بھی ہے پھر مرید بتا کر تفاوتِ زمانہ دکھانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح راحت القلوب (ص ۱۰) میں ہے:۔

"و من از نبیسگان خواجہ جنید بغدادی ہستم"

راحت القلوب (ص ۱۷) میں ہے:۔

"عبدالواحد نبیسہ شیخ ذو النون مصری قدس اللہ سرہ العزیز"

ان دونوں عبارتوں میں نبیسگان اور نبیسہ کا ترجمہ مرید ہی کیا گیا ہے، جس سے راحت القلوب سے خواہ مخواہ سوء ظن پیدا ہو جاتا ہے، راحت القلوب (ص ۴) کے حسب ذیل بیان پر جو اعتراض ہے، اس سے بھی سوء ظن پیدا کرانے کی کوشش کی گئی ہے،

"شیخ بدر الدین غزنوی شیخ جمال الدین ہانسوی و مولانا شرف الدین نبیسہ قاضی حمید الدین ناگوری نیز حاضر بود"

پروفیسر صاحب اس پر اعتراض کرتے ہیں،

In majlis No II (16 shaban 655 A.H) both Shaikh Badruddin Ghaznawi and Qazi

Hameeduddin Nagor are declared to have been present.... as a matter of fact they had both died several years before Nizamuddin [illegible] reached Ajodhan. They could not have been there with him.

شرف الدین نبیسۂ قاضی حمید الدین ناگوری کو قاضی حمید الدین بتانا محض غلط فہمی پیدا کرتا ہے، پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ شیخ بدر الدین غزنوی کی ملاقات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ سے نہیں ہوئی،

ایک اور مثال ملاحظہ ہو، راحت القلوب (ص ۵۶) میں ہے :-

"شیخ الاسلام فرمود ابو طالب مکی در قوت القلوب می نویسد"

لیکن پروفیسر صاحب کا الزام یہ ہے کہ راحت القلوب میں قوت القلوب خواجہ عثمان ہارونی کی تصنیف بتائی گئی ہے، لیکن اوپر کی سطر سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی ہے،

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو، راحۃ القلوب (۱۶) میں ہے :-

"چند روز یہ دعاگو ہانسی جاکر شیخ محمد ہانسوی کے پاس رہا ہے، جو شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے یاروں میں سے تھے، اور جب واپس آکر پابوسی کی تو حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا، ایک خط جو شیخ برہان الدین نے دیا تھا، پیش کیا، اس کا مطالعہ فرمایا، اس کے بعد فرمایا، کہ تم نے دیر کی، بندہ نے زمین بوسی کی اور کہا کہ تن خاکی تو وہاں تھا لیکن دل یہاں تھا، مخدوم بندہ نواز نے فرمایا، ویسا ہی تھا جیسا کہ تم کہتے ہو، تم پر بار ہا میرا اشتیاق غالب آیا، اور تم کہتے ہو کہ اگر مجھ کو پر ہوتا تو اڑ جاتا اور

خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، اور ان سے ملتا، اس کے بعد لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ کے مرید اور فرزند کو اسی طرح ہونا چاہیے، جس طرح کہ مولانا نظام الدین ہیں، فرمایا کہ انھوں نے مجھ کو ایک خط لکھا تھا، اس میں پابوسی کا بڑا اشتیاق تھا، اس میں ایک شعر بھی تھا، اس کو میں نے یاد کر لیا ہے، اور جب تم کو یاد کرتا ہوں تو یہ شعر پڑھتا ہوں، یہ بہت ہی بے نظیر ہے، اگر تم پڑھو تو میں سنوں، میں تسلیم بجالایا اور یہ شعر پڑھا،

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا   بر ہر دکہ دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است   ورنہ چہ کسم از کجا دانند مرا

میں نے جب یہ شعر پڑھا تو شیخ الاسلام پر رقت طاری ہوگئی، اٹھے اور رقص فرمانے لگے، اتنا رقص فرمایا کہ اس کی حد نہ رہی، صبح سے دوپہر تک رقص فرماتے رہے، جب رقص ختم ہوا تو اپنا خرقۂ خاص مرحمت فرمایا، اور اسی روز عصا بھی عنایت فرمایا، مصلیٰ و نعلین چوبی بھی دیئے۔"

فوائد الفواد (ص ۱۰۰) میں ہے:-

"ایک بار میں نے ایک عرضداشت شیخ الاسلام فریدالدین قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں بھیجی تھی جس میں یہ رباعی لکھ بھیجی تھی،

زاں روئے کہ بندۂ تو دانند مرا   بر ہر دکہ دیدہ نشانند مرا
لطف عامت عنایتے فرمودہ است   ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس رباعی کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ میں نے یاد کر لیا ہے،

ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں، صرف تفصیل اور اجمال کا فرق ہے لیکن پروفیسر صاحب کا:

اعتراض ہے کہ اگر ہم فوائد الفواد کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلےگا کہ خط کے ساتھ رباعی شیخ نظام الدین نے دہلی سے بھیجی تھی، غالباً دوسری آمد کے بعد بھیجی، یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے، خود ناظرین غور کریں، راحۃ القلوب کی عبارت سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒ نے ایک خط میں یہ رُباعی لکھ کر بھیجی تھی،

پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ راحۃ القلوب کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نظام اولیاؒ، اجودھن کے قیام میں خانقاہ جایا کرتے تھے، حالانکہ وہ خانقاہ ہی میں مرشد کے ساتھ مقیم تھے، ان سے درس لیتے تھے، دن میں کئی بار ان سے ملتے، شاید پروفیسر صاحب کو غلط فہمی اس لئے ہوئی ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے قلم سے ہر مجلس کے شروع میں یہ فقرے لکھے گئے ہیں:۔

"دولت پائے بوس حاصل شد۔ دولت پائے بوس میسر شد۔۔ سعادت پائے بوس میسر شد۔۔۔۔۔۔ دولت قدم بوس حاصل شد۔۔۔۔ سعادت قدمبوس حاصل شد۔۔۔

یہ تو لکھنے کا ایک مودبانہ طریقہ تھا، ان فقروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اپنے مرشد سے الگ رہتے تھے، ساتھ رہنے کے باوجود احتراماً یہ فقرے لکھا کرتے تھے، پھر فوائد الفواد کے حسب ذیل فقرے پر تو وہی اعتراض وارد ہوتا ہے جو پروفیسر صاحب موصوف راحت القلوب پر کرتے ہیں،

"خواجہ فرمود ہرچہ شیخ شنودہ شد نوشتم چو مقام خود باز آمدم بر جائے نسخہ کردم"

یعنی وہ خانقاہ کی مجلس میں جو کچھ سنتے لکھ لیتے، پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس کو ترتیب دیتے اس سے ظاہر ہے کہ ان کی قیامگاہ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی جائے رہایش سے مختلف تھی

راحۃ القلوب (ص ۲۹) میں ہے:۔

"یہ حکایت بیان فرمارہے تھے کہ ایک درویش شہاب الدین غزنوی آئے، وہ شیخ الاسلام کے مریدوں میں سے تھے، قدمبوسی کی، حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھے، اس درویش کو والی لاہور نے کم و بیش سو دینار دے کر شیخ الاسلام کے پاس بھیجا تھا، شیخ الاسلام نے فرمایا اے درویش! جو کچھ تمہارے پاس ہے لاؤ، انھوں نے پچاس دینار شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کئے، شیخ الاسلام نے تبسم فرما کر فرمایا کہ شہاب تم نے بھائیوں کی اچھی تقسیم کی، لیکن درویشوں کے لئے اس قسم کی بات اچھی نہیں، وہ بہت شرمندہ ہوئے، فوراً سو دینار شیخ الاسلام کو پیش کر دیئے، شیخ الاسلام نے فرمایا اگر میں تمکو اس قسم کی بات نہ کہتا تو تم اس کام میں بھٹک جاتے، اس طرح تم درویشوں کے مقصد کو حاصل نہ کرتے، پھر سو دینار ان کو دیدئے اور فرمایا مجھ سے بیعت کر، بیعت میں خلل پڑ گیا"

فوائد الفواد میں یہ روایت اس طرح درج ہے، کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے خلفاء کا ذکر تھا، تو حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا،

"ان میں ایک ایسے درویش بھی تھے جن کو عارف کہا جاتا تھا، ان کو سیوستان کی طرف بھیجا، اور بیعت کی اجازت بھی دی، واقعہ یہ ہوا ایک ملک اوچ اور ملتان کی طرف تھا، یہ درویش اس ملک کے امام تھے، دونوں کچھ باہمی تعلقات بھی رکھتے تھے، ایک بار اس ملک نے سو تنکے اس عارف کو دیئے اور شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے پاس بھیجا، انھوں نے پچاس تنکے تو اپنے پاس رکھ لئے اور پچاس شیخ کی خدمت میں پیش کئے، شیخ نے تبسم فرمایا اور کہا،

"قسمت برادرانہ کردی"

وہ عارف شرمندہ ہوئے اور اپنے پاس جو بچاس تنکے رکھے ہوئے تھے ان کو شیخ کی خدمت میں پیش کئے، اور بڑی عاجزی کی معذرت کی پھر ارادت کے لئے التماس کیا، شیخ نے اپنے ہاتھ پر بیعت کر لیا اور وہ محلوق ہوگئے، اس کے بعد وہ اتنے راسخ العقیدہ ہوتے گئے کہ پوری استقامت سے ساری چیزیں حاصل کرلیں اور بالآخر شیخ نے ان کو بیعت کی بھی اجازت دیدی اور سیوستان کی طرف بھیجا" (ص ۱۵-۱۶)

سیر الاولیاء میں فوائد الفواد ہی سے یہ روایت لی گئی ہے، لیکن فوائد الفواد کی مذکورہ روایت نقل کر کے اس کے مؤلف نے یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ مولانا عارف کو خلافت نامہ ملا تو انھوں نے شیخ الشیوخ حضرت فرید الدینؒ سے کہا کہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہیں اور جو کام مشائخ کبار کرتے رہے ہیں، وہ ان سے نہ ہوگا، لیکن شیخ نے ان پر شفقت فرمائی اس کے بعد وہ شیخ الشیوخ عالم کی اجازت سے کعبہ گئے، جہاں سے واپس نہ ہوئے، یہ اضافہ اسلئے الحاقی نہیں سمجھا جاسکتا، کہ یہ فوائد الفواد میں نہیں ہے

اب راحۃ القلوب اور فوائد الفواد کی اس روایت میں جو اختلاف ہے، وہ نام کا اختلاف ہے، راحۃ القلوب میں نام شہاب الدین غزنوی اور فوائد الفواد میں عارف بتایا گیا ہے، راحۃ القلوب میں ہے کہ وہ پہلے ہی حضرت شیخ فرید الدین کے مرید تھے لیکن فوائد الفواد میں ہے کہ وہ بعد میں مرید ہوئے، راحۃ القلوب میں ہے کہ والی لاہور نے بھیجا، لیکن فوائد الفواد میں مبہم طریقہ پر بتایا گیا ہے کہ ملک اوچہ اور ملتان کی طرف تھا لیکن اس جزوی اختلاف سے کتاب کے جعلی اور فرضی ہونے کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا اس قسم کے اختلافات تذکروں میں بہت ملتے ہیں، ممکن ہے کہ ملفوظات کے مرتب کو لکھنے میں سہو ہوگیا ہو، لیکن یہ احتمال دونوں مجموعوں کے لئے ہو سکتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ

راحۃ القلوب کی یہ روایت فوائد الفواد سے سرقہ ہے، تو پھر اس سرقہ میں نام بدل دینا سمجھ میں نہیں آتا،

راحۃ القلوب میں ہے:۔

"بعد ازاں ہمدریں محل فرمود کہ وقتے قاضی حمید الدین ناگوری و شیخ قطب الدین بختیار اوشی و شیخ جمال الدین تبریزی و شیخ بدر الدین غزنوی قدس اللہ سرہم العزیز در مسجد جامع دہلی چند روز معتکف شدند" (ص ۴۵)

پروفیسر صاحب اس روایت کو فرضی قرار دیتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فوائد الفواد کے بیان کے مطابق حضرت جلال الدین تبریزیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے صرف دو ملاقاتیں ہوئیں، ایک کیلوکھڑی کی سرحد پر اور دوسری ملک عز الدین بختیار کی مسجد میں (فوائد الفواد ص ۱۵۰)

فوائد الفواد سے جامع مسجد میں دونوں کا معتکف ہونا ثابت نہیں، اول تو مذکورہ عبارت کے جمال الدین تبریزی کو واقعی جلال الدین تبریزی سمجھا جائے، تو اس میں اسماء کی کتابت و طباعت کی غلطیوں کا ایک ثبوت اور فراہم ہو جاتا ہے، اس میں صرف مسجد کے نام کا فرق ہے، فوائد الفواد میں ہے،

"وقتے در مسجد ملک عز الدین بختیار کہ ہم پیش گرمایہ اوست ہر دو بزرگ یکجا شدند" (ص ۱۵۱)

یکجا شدند کے اجمال میں ممکن ہے کہ دونوں اسی مسجد میں معتکف ہوئے ہوں، صرف نام کے اختلاف سے پوری عبارت فرضی نہیں قرار دیجا سکتی ہے،

راحۃ القلوب ص ۱۰ میں ہے:۔

"بعد ازاں ظلم و کہ در یمن بلائے مغل نازل شد یمن را گرد گرفتند"

اعتراض یہ ہے کہ یمن پر مغلوں کا حملہ کبھی نہیں ہوا، معلوم نہیں یہ کتابت کی غلطی ہے یا واقعی مغل ہے، اگر مغل ہے تو میری رائے ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان پر مغلوں کے اتنے حملے ہوئے کہ ہر جگہ کے حملہ آور کو مغل ہی کہا جانے لگا، اگر یہ غلطی ہے، تو محض ایک فروگذاشت ہے، جس کی بنا پر پوری کتاب رد نہیں کی جاسکتی،

اس قسم کی اور فروگذاشتوں کی طرف توجہ دلاکر پروفیسر صاحب رقمطراز ہیں کہ راحۃ القلوب میں اتنے اوراد و وظائف کا ذکر آیا ہے کہ اس کی تدوین کا مقصد انہی اوراد و وظائف کو نمایاں کرنا تھا، لیکن اگر ان کو نمایاں کیا گیا ہے تو یہ اس کے جعلی ہونے کی کوئی دلیل نہیں بن سکتی، پروفیسر صاحب کے نزدیک سیر الاولیا بڑی مستند کتاب ہے، اس میں اوراد و وظائف کا ذکر راحۃ القلوب سے زیادہ ہے، رہروان سلوک کی اکثریت ایسی ہی ہے کہ ان کو بزرگان دین کی کتابوں میں تاریخی، سیاسی اور معاشرتی معلومات سے زیادہ اوراد و وظائف ہی کی تلاش ہوتی ہے، کیونکہ ان ہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی تسکین ہوتی ہے، لیکن پروفیسر صاحب اس کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر قرار دیتے ہیں،

خیر المجالس کی روایت کے مطابق مذکورۂ بالا ملفوظات کو مشکوک سمجھ کر ان میں غلطیوں کی نشاندہی کرنا ایک حد تک صحیح سمجھا جاسکتا ہے، لیکن افضل الفوائد کو بھی فرضی اور جعلی قرار دینا تعجب انگیز ہے، اب تک امیر خسرو پر جتنی کتابیں لکھی گئیں، ان میں ان کی تصانیف کا سیر حاصل ذکر ہے، لیکن کسی نے ان کی افضل الفوائد کو جعلی اور فرضی قرار نہیں دیا، افضل الفوائد پر بنیادی اعتراض یہ ہے، کہ اس کا طرز انشا خزائن الفتوح، اعجاز خسروی اور دواوین کی تمہیدوں سے مختلف ہے، لیکن ایک ایسا قادر الکلام شاعر اور نثر نگار جو

تمام اساتذۂ فن کی تقلید کرسکتا ہے اور اعجازِ خسروی لکھنے کے ساتھ ہندی میں عورتوں کے لئے گیت اور بچوں کے لئے مکرنیاں اور پہیلیاں لکھ سکتا ہے، اس کے لئے افضل الفوائد کی ایسی سلیس عبارت لکھنا کوئی مشکل کام نہیں، اور خصوصاً جب کہ ایک لکھی ہوئی چیز کو صرف نقل کر دینا ہے،

امیر خسرو پر سب سے زیادہ مستند کتاب ڈاکٹر وحید مرزا کی ہے، ان کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آیا کہ افضل الفوائد ایک جعلی تصنیف ہے، بلکہ وہ لکھتے ہیں،

"یہ کتاب میر حسن کی عظیم تصنیف فوائد الفواد کی بظاہر تقلید میں لکھی گئی اسلئے یہ کتاب اعجازِ خسروی یا خزائن الفتوح سے بالکل مختلف ہے، اور اس کی زبان بہت ہی سادہ سلیس اور لفظی صنائع کی زینت سے بالکل پاک ہے، اور یہ اس زمانہ میں جو فارسی زبان بولی جاتی تھی، اس کا عمدہ نمونہ ہے" (ص ۲۲۴)

پروفیسر صاحب موصوف افضل الفوائد کی حسب ذیل تحریروں کو سستے قسم کا صوفیانہ لٹریچر بتاکر جعلی قرار دیتے ہیں:۔

"آنگاہ ملائم این معنی فرمود کہ ہمانجا در اوراد خواجہ یعنی شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی دیدہ ام ہم باسناد ابوہریرہ کہ او گفت ہر کہ روز یکشنبہ چہار رکعت نماز بگذارد و بخواند و در ہر رکعتے الحمد ایک بار و آمن الرسول یک بار فرماید ایزد تعالیٰ بنویسد در نامۂ اعمال او بعدد ہر ترسائی و ترسایہ عبادت یکسالہ راو ثواب ہزار عمرہ و ثواب ہزار پیغمبر ... و ثواب شہید ان را بدہد و میان او درمیان دوزخ چند ان مسافت بود، ہزار خندق درمیان بود، پہنلے ہر خندق پانصد سالہ راہ باشد و بکشاید ایزد تعالیٰ بروے ہشت بہشت را"

(قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۳۲)

پروفیسر صاحب کو اعتراض ہے کہ اس قسم کی تحریریں بعد کی کتابوں میں تو بہت ہیں، لیکن حضرت نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیر الدین چراغ کے مستند ملفوظات اور ان سے پہلے کے صوفیہ کی کتابوں میں نہ ملیں گی، لیکن فوائد الفواد میں سورۂ یٰسین (ص ۴) اور صلوٰۃ البروج کی جو فضیلت بتائی گئی ہے، وہ شاید پروفیسر صاحب کی نظر سے نہیں گذری، جس طرح سورۂ یٰسین پڑھ کر امام ناصری مر کر اور دفن ہو جانے کے بعد قبر سے باہر زندہ نکل آئے، اسکی تفصیل افضل الفوائد کی روایتوں سے زیادہ حیرت انگیز ہے، سیر الاولیاء کے باب ہفتم میں ادعیۂ ماثورہ اور اوراد مقبولہ کی بڑی تفصیلات ہیں، ان میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے:-

"می فرمود جعفر خالدی رحمۃ اللہ علیہ را نگینہ بود روزے در کشتی سوار شد، خواست کہ ملاح را چیزے بدہد چو جامہ باز کرد آن نگینہ در دجلہ افتاد بر ود عائے بود، مجرب آں دعا را می خواند وقتے کتابے را مطالعہ می کرد، در میان اوراق آن نگینہ یافت، دعا این است یا جامع الناس لیوم لا ریب فیہ اجمع علیّ ضالتی" (ص ۴۲۸)

افضل الفوائد کے آغاز میں حضرت امیر خسرو کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کی تفصیل ہے، لیکن اس سے پہلے مجلس اول کی تاریخ ذی الحجہ ۱۳ ھ مرقوم ہے، اس سے التباس ہوتا ہے کہ اسی تاریخ میں امیر خسرو بیعت ہوئے، حالانکہ یہ تمہیدی تعارف ہے، اگر اس تعارف کے بعد مذکورۂ بالا تاریخ لکھی جاتی تو کوئی اعتراض نہ ہوتا، لیکن یہی اعتراض واقعہ تعلوب میں کیا گیا ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب روایت کے مطابق مجلس اول کے ملفوظات قلمبند کرنے سے پہلے اپنے بیعت ہونے کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتے تھے، اس کے بعد اعتراض جاتا رہتا ہے، کہ امیر خسرو نے اس مجموعہ میں ۶۱۳ھ میں بیعت ہونے کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ اس سے بہت پہلے حلقۂ ارادت میں داخل ہو چکے تھے،

افضل الفوائد کی حسب ذیل دو روایتیں ضرور قابلِ تنقید ہیں، اسکی مجلس ۲۷ میں ہے،

"ہم دریں محل فرمود کہ اززبان شیخ نجم الدین صغریٰ شنیدہ ام" (ص ۱۰۵ قلمی نسخہ)

پھر مجلس ۲۹ میں ہے:۔

"فرمود چوں حق تعالیٰ خواست کہ حجاج را بہ بلا مبتلا کند آخریں کسے را کہ کشت برادر ابوالسعید بن ابوالخیر بود"

پروفیسر صاحب کا اعتراض ٹھیک ہے، کہ شیخ نجم الدین صغریٰ کی وفات شمس الدین التمش کے عہد میں ہو گئی تھی، لیکن اس سلسلہ کی پوری عبارت پیچیدہ قسم کی ہے،

"دریں محل فرمود کہ اززبان شیخ نجم الدین صغرا شنیدہ ام کہ در مثال علی فرمودہ کہ جنتہ دیدہ ام ذکرہ الاولیا عبادت یعنی ذکر اولیا عبادت است و در ذکر ایشاں ثواب عبادت در نامہ او بنو یسند" (ص ۴۵)

کسی اور قلمی نسخہ کا موازنہ کیا جائے تو اس پیچیدہ عبارت کی وضاحت ہو سکتی ہے، پھر اعتراض یہ ہے کہ ابوسعید بن ابوالخیر اور حجاج کے زمانہ میں بڑا تفاوت ہے، حجاج کا برادر ابوسعید بن ابوالخیر کا قتل کرنا بعید از قیاس ہے، لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے، کہ حجاج نے سعید بن جبیر کو قتل کرایا (تفصیل کے لئے دیکھو تابعین ص ۱۴۵ شائع کردہ دار المصنفین)، اس طرح برادر ابوسعید بن ابوالخیر کا نام محض کتابت کی غلطی ہے، اسی طرح نجم الدین صغریٰ میں بھی کتابت کی غلطی ہو گئی ہو گی، اسی کے ساتھ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ ان ناموں میں جو غلطیاں ہیں وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے بیان کرنے یا مرتب کے لکھنے یا کاتب کے کتابت کرنے کی غلطیاں ہیں، ان معمولی فروگذاشتوں سے پوری کتاب کو جعلی قرار دینا محض ظلم ہے، ایسی غلطیاں اچھے اچھے مورخوں

سے بھی ہوا کی ہیں،

پروفیسر صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ افضل الفوائد میں شیخ معین الدین، شیخ فرید الدین، شیخ بہاء الدین زکریا کے اور اذکار انیس الارواح، حضرت شیخ فرید الدین کے بخارا کی سیاحت کا بھی ذکر ہے، جو جعلی ملفوظات سے لئے گئے ہیں لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہے کہ افضل الفوائد کو جعلی مجموعہ نہ سمجھنے والے ان حوالوں کو مزید سند کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں کہ راحۃ القلوب اور اسرار الاولیاء میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ فرضی نہیں بلکہ اس کی تائید افضل الفواد سے بھی کی جا سکتی ہے،

افضل الفوائد میں پیغمبروں کے جو قصے لکھے گئے ہیں، ان کے لئے قصص الانبیاء کا حوالہ دیا گیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ قصص الانبیاء بعد کی تصنیف ہے، لیکن قصص الانبیا کے نام سے ہر زمانہ میں کتابیں لکھی گئی ہیں، بعد کی قصص الانبیاء کی کتابوں سے خلط ملط کرنا صحیح نہیں، حضرت خواجہ سے پہلے وہب بن منبہ (المتوفی ۱۱۴ھ) علی بن حمزہ کسائی (المتوفی ۱۸۹ھ) سہل بن عبداللہ (المتوفی ۲۸۳ھ) ابن جوزی (المتوفی ۵۹۷ھ) نے اس نام سے کتابیں لکھیں،

اعتراض ہے کہ فوائد الفواد میں حلاج منصور کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ افضل الفوائد سے مختلف ہے، لیکن میرے نزدیک کچھ زیادہ فرق نہیں، افضل الفوائد میں ہے :-

> ہم دریں محل فرمود کہ وقتے بزرگے بر سر قبر خواجہ منصور حلاج رسید بایستاد و گفت، می دانید کہ ایں روضۂ کیست ہمہ اصحاب گفتند ندانیم گفت ایں روضۂ منصور دیوانہ است کہ ہم در یک جرعہ جاں از دست شد کہ طاقت خود کہ بہر نگاہ دارد چوں کشف کرد، کشتہ شد، پس اے یاران ہمچنیں است کہ سر بادشاہاں کشف کند سزائے

این بود کہ منصور یافت یعنی ۱۲۰ قلمی نسخہ)

البتہ مقام محبت کے سلسلہ میں منصور کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"زہے صادق کہ اول روز بکشتند، دوم روز بسوزند، سوم روز در آب رها انداز آنگاہ مناسب حال این رباعی بر زبان راند"

آں روز مباد کز تو بیزار شوم | یا دیگرے دریں جہاں یار شوم
گر بر سر کوے تو مرا دار کنند | من رقص کناں بر سر آں دار شوم

(فضل الفوائد کی اس روایت میں جو کیفیت ہے، وہ فوائد الفواد سے مختلف نہیں فوائد الفواد (ص ۲۵۴) میں ہے:۔

"بندہ عرضداشت کرد کہ سیدی احمدی جناں کسے بود فرمود بزرگ بود از عرب است در رسم عرب آن ست کہ چوں کسے را بزرگی یاد کنند سوی گویند فرمود کہ در عہد شیخ حسین منصور حلاج بود رحمۃ اللہ علیہما، در انچہ حسین منصور بسوختند و خاکستر او را در آب دجلہ رواں کردند، سید احمد قدرے از آں آب کہ در و خاکستر بود، بہ تبرک برداشت و بخورد، وز آں جہہ برکتہا از آنجا بود"

اس عبارت میں منصور حلاج کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہما بھی ہے، پھر یہ کہ حضرت خواجہ ان کی خاکستر کو باعث برکت بھی سمجھتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت خواجہ کے نزدیک وہ مبغوض اور مردود نہ تھے، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے اپنے اعتراض میں ظاہر کیا ہے،

یہ صحیح ہے کہ مولانا محی الدین کاشانی سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے خلافت نامہ اس لئے واپس لے لیا کہ انھوں نے اودھ کے قاضی کا عہدہ قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن اس سے قاضی کے منصب کی اہمیت کم نہیں ہوتی اور حضرت خواجہ کی زبانی

فوائد میں جو حسب ذیل ملفوظ ہے، اس میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا،

"سخن در تو بیان افتادہ بود، بر لفظ مبارک راند کہ قاضی و تصانیف جیرے است

لر کردن بداند دحق آن کند و بجا آرد، کہ آن قوم مقام حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم"

مفتاح العاشقین پر اعتراض ہے کہ اس کی روایتیں فوائد الفواد اور خیر المجالس سے مسروقہ

اسی کے ساتھ یہ متضادبات بھی لکھی گئی ہے، کہ اس کے مرتب نے ان دونوں کتابوں

نہیں کیا، گویا پڑھا بھی ہے، اور نہیں بھی پڑھا ہے۔

یک ہی بزرگ کی روایت ان کے ملفوظات کے دو مجموعوں میں ہونا بعید از قیاس

ممکن ہے کہ یہ دو موقعوں پر کی گئی ہو، جو دو مختلف مرتبوں نے علیحدہ علیحدہ قلم بند کر لی

سی روایت کا کسی دوسری کتاب میں دہرایا جانا سرقہ کی دلیل نہیں، خیر المجالس میں

ی ایسی روایتیں ہیں جو فوائد الفواد سے لی گئی ہیں، مثلاً خیر المجالس میں شیخ ابو سعید ابو الخیر

کی صاحب جمال لڑکی (ص ۸۸) یا شیخ جلال الدین تبریزی اور قاضی جمال الدین

(ص ۱۱۲) یا شیخ نجم الدین کبریٰ سے حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کی ارادت

۱۸-۱۸۰) کی جو روایتیں بیان کی گئی ہیں، وہ فوائد الفواد (ص ۱۸-۲۱۲-۲۵۶) میں

ب، صرف اجمال یا تفصیل یا تھوڑے الفاظ کے رد و بدل کا فرق ہے، پروفیسر خلیق احمد

نے خیر المجالس کے انگریزی دیباچہ (ص ۱۱) میں جوامع الکلم کی ایسی روایتوں کی ایک

فہرست دی ہے، جو خیر المجالس میں ہیں، کیا یہ توارد و تکرار خیر المجالس اور جوامع الکلم

اور فرضی ہونے کی دلیل بن سکتی ہے؟

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کی یہ بھی دلیل پیش کی گئی ہے، کہ اس میں شیخ

الدین اجمیریؒ اور شیخ عثمان ہارونیؒ کے رسائل انیس الارواح اور دلیل العارفین

جیسی جعلی کتابوں کے حوالے ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ یہ دلیل تشفی بخش نہیں کیونکہ ان ملفوظات میں ان کے حوالے کی موجودگی کی بنا پر خیر المجالس میں حمید قلندر کی روایت کے مشکوک ہونے کی دلیل میں پیش کی جا سکتی ہے،

اباحت سجدہ کے متعلق فوائد الفواد (ص ۱۵۹) میں یہ روایت ہے :۔

"ماضی کی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، اسی لئے رعیت بادشاہ کو، شاگرد استاد کو اور امت پیغمبر کو سجدہ کرتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سجدہ روک دیا گیا، اس لئے اس کا استحباب بھی ختم ہو گیا، لیکن اس کی اباحت باقی رہی، اگر مستحب نہیں ہے تو مباح ہی، جو چیز مباح ہے، اس پر نعی عائد نہیں ہوتی ہے، اس کی ممانعت کہاں سے آتی"

مفتاح العاشقین میں یہ روایت ہے :۔

"اعتقاد سجدہ کے بیان کے سلسلہ میں فرمایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا سجدہ غیر کے لئے روا نہیں ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو غیر حق کو سجدہ کرتا ہے کافر ہے، نعوذ باللہ منہا لیکن پہلی امتوں میں سجدہ مستحب تھا، ماں، باپ، استاد، پیر اور سلاطین کو لوگ سجدہ کرتے تھے لیکن حضرت رسالت پناہ کا زمانہ آیا تو سجدہ کا استحباب ختم ہو گیا، یہ مباح ہو گیا، جیسا کہ ایام بیض کا روزہ پہلے فرض تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ فرض نہیں رہا، مستحب ہو گیا، اور جب سجدہ کا استحباب جاتا رہا، تو یہ مباح ہو گیا، اس سجدہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا ہے" (ص ۴)

ان روایتوں میں کوئی ایسا اختلاف نہیں، جس کی بنا پر مفتاح العاشقین سے سوء ظن پیدا کیا جائے، یہ اور بات ہے کہ علمائے ظاہر فوائد الفواد اور مفتاح العاشقین دونوں کی روایتوں کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھیں گے،

مفتاح العاشقین کے جعلی ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ اس میں خواجہ قطب الدین
اجہ معین الدینؒ کی غزلوں کا ذکر ہے، گو مفتاح العاشقین میں حضرت بختیار کاکیؒ کی جو
غل کی گئی ہے، وہ اُن کے نولکشور کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے. لیکن یہ تو تسلیم کرنے
ئی عذر نہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ اور خواجہ معین الدین کے اسمائے گرامی سے جو
منسوب ہیں وہ جعلی ہیں، لیکن اس کے ساتھ یہ تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں کہ انھوں نے
شعر یا غزل نہیں کہی، حضرت بدرالدین غزنوی اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ بھی
ی شعر کہہ لیا کرتے تھے، (دیکھو فوائد الفواد ص ۱۵۰-۱۵۶) حضرت خواجہ جمال الدین
ئ نے بھی کچھ غزلیں کہی تھیں، حضرت بابا فرید گنج شکر کی طرف بھی کچھ فارسی،
اور پنجابی اشعار منسوب ہیں، (دیکھو دی لائف اینڈ ٹائمس آف شیخ فرید الدین گنج
از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۸۲-۸۵-۸۴)
اس طرح اگر خواجہ قطب الدینؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بھی کچھ اشعار کہہ دیئے
ئ تعجب کی بات نہیں، حضرت خواجہ معین الدینؒ نے حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر
ـنے کے بعد جو شعر کہا وہ آج تک مشہور ہے، مفتاح العاشقین میں ان کی غزلوں
ا حوالے آئے ہیں ان سے مجموعہ کے وضعی سمجھنے کے بجائے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت
جہ نصیر الدین چراغؒ کے عہد میں بھی ایسی غزلوں کی عام شہرت ہو گئی تھی، جو بزرگان
ت کے نام سے منسوب ہو گئی تھیں، آج بھی سماع کی محفلوں میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی
ونی کی ایک غزل گائی جاتی ہے، اور لوگوں کو یقین ہوتا ہے کہ یہ غزل انہی کی ہے
ئی یہ کہہ کر اس کو گانے سے روک نہیں دیتا کہ یہ غزل ان کی نہیں ہے،
جہاں تک میری معلومات ہیں شاید کسی نے اب تک حضرت خواجہ قطب الدین

بختیار کاکیؒ کے مطبوعہ نسخہ (نولکشور پریس) پر ابتک ناقدانہ نظر نہیں ڈالی ہے۔ لیکن پروفیسر محمود شیرانی اور پروفیسر محمد ابراہیم ڈار نے یہ بتایا ہے کہ دیوان خواجہ معین الدینؒ مطبوعہ نولکشور پریس کی اکثر غزلیں مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی کی تصانیف معارج النبوت اور تفسیر فاتحہ میں پائی جاتی ہیں، لیکن نولکشور پریس میں دیوان (۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء) میں چھپا، اس سے پہلے خواجہ صاحب کی شاعری کے نمونے تذکرہ حسینی (۱۲۶۳ھ) مخزن الغرائب (۱۲۱۹ھ) اور مجمع الفصحا میں پائے جاتے ہیں، جو اس کا ثبوت ہے کہ حضرت خواجہ کے بارے میں عام شہرت تھی کہ وہ شاعر بھی تھے، اور اسی شہرت کی بنا پر ان کے نام سے ایک دیوان بھی منسوب ہو گیا۔

یہ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے اپنے پیر و ں کے ملفوظات مرتب نہیں کئے، بلکہ جو ان کے نام سے منسوب ہیں وہ فرضی ہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ ان بزرگوں کے یہاں اپنے مرشدوں کے ملفوظات کو ترتیب دینے کی سنت اور روایت نہ تھی، تو آخر خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے فوائد الفواد اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ نے خیر المجالس مرتب کرانے کی بدعت کیوں جاری کی، گو یہ بدعت حسنہ ہی سہی، وہ تو اپنے خواجگان کے مسلک کے اتنے پابند تھے کہ سیر الاولیاء کی روایت کے مطابق حضرت فرید الدینؒ نے زیارت خانہ کعبہ اس لئے نہیں کی، کہ ان کے پیر نے نہیں کی تھی، اسی طرح وہ جاگیریں بھی قبول نہیں کرتے تھے اور سلاطین کے درباروں میں بھی نہیں جاتے تھے کہ یہ ان کے خواجگان کی رسم نہ تھی تو آخر جب ملفوظات مرتب کرانے کی بھی رسم نہیں تھی، تو خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے زمانے سے یہ رسم

قائم کی گئی،

لیہ بدعت حسنہ نہ تھی، تو پھر انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین
ت القلوب کے بیانات کے علاوہ افضل الفوائد، مفتاح العاشقین اور
دیار میں ملفوظات قلم بند ہونے کی جو متواتر روایتیں ہیں، وہ لائق توجہ ہیں،
ہوں کے باوجود ان کے بین السطور میں جو کہیں کہیں کیفیت اور تاثیر ہے اور
پڑھنے سے بعض اوقات جو ذہنی آسودگی اور روحانی تسلی ہوتی ہے، اور پھر ان
لکھوں پر سلوک و معرفت کی جو باریکیاں اور موشگافیاں ہیں، ان سے اندازہ
کہ ان کے ترتیب دینے والے ادنیٰ درجہ کے مجاور نہیں ہوسکتے، اور یہ بھی باور
جی نہیں چاہتا کہ جعلی اور فرضی مجموعۂ ملفوظات کو ترتیب دینے کی ایک مسلسل
ہوئی، جو ایک عرصۂ دراز تک قائم رہی،

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بزرگانِ چشتؒ نے خود ان مجموعوں کو مرتب نہیں
اننے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے، کہ یہ مجموعے قدیم العہد ضرور ہیں، جن سے
ہ کیا جا سکتا ہے، ان کے گہرے مطالعہ کے بعد اس رائے سے کسی کو اختلاف
لہ ان میں تصوف کی بنیادی تعلیمات وہی ہیں جو فوائد الفواد اور خیر المجالس
متند اور معتبر کتابوں میں ہیں؛ اور ان کے معترضین کو بھی اعتراف ہے کہ یہ مجموعے
فواد اور خیر المجالس کی اکثر و بیشتر روایتوں کے سہارے تیار ہوئے، لیکن
بعض باتوں کو محض اس لئے رد کر دینا کہ وہ ان دونوں کتابوں میں نہیں ہیں
سے زیادہ تحقیقی سرگرمیوں کا اظہار کرنا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان
فرقوں کے اہلِ قلم تو فرضی ماخذ بنا کر اپنی تاریخ اور ماضی کو سنوار رہے ہیں،

اور ہمارے پاس جو سرمایہ موجود ہے، ہم اسکو خود ہی فرضی قرار دیتے رہے ہیں،
اس طویل خامہ فرسائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملفوظات اب تک نہایت لاپروائی سے چھپتے رہے لیکن اگر ان کو محنت سے ایڈٹ کیا جائے اور ان میں سنین اور اسمار کی جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی ہمدردانہ طور پر کر کے درست کر دیجائیں تو یہ قدیم العہد ماخذ کے طور پر احتیاط سے استعمال کئے جا سکتے ہیں، جیسا کہ عہد ماضی میں بھی صوفیۂ کرام اور اہلِ قلم کرتے رہے ہیں، حضرت شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کے مجموعۂ ملفوظات خوانِ پُر نعمت میں ہے:۔

"در ذکرے در ملفوظ شیخ عثمان ہارونی افتاد رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً کہ بندگی خواجہ معین الدین سجزی جمع کردہ اند" (ص ۸۸)

پھر ان کے دوسرے مجموعۂ ملفوظات مخ المعانی میں ہے:۔

"فرمود کہ در ملفوظ خواجہ قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہٗ العزیز دیدہ ام کہ گفتہ اند کہ من در شہرے رسیدہ بودم، طائفہ دیدم اہلِ صلاح در ہر مقامے دہکان بشگان در عالم تحیر ایستادہ و چشمہائے در ہوا داشتہ، چو وقت نماز می آمد نماز ادا می کردند، باز در عالم تحیر مشغول می شدند" (ص ۲۹)

اسی میں ایک دوسری جگہ ہے:۔

"در ملفوظ شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ آمدہ است"۔ (ص ۵۱)

اسی میں ایک اور جگہ ہے:۔

"شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ در ملفوظ آوردہ است۔" (ص ۵۷)

مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بھی ان ملفوظات کے معتبر ہونے میں کچھ شک نہ

ھوں نے حضرت نصیرالدین چراغ دہلویؒ کے اس قول کو بھی نقل کیا
ں میں انھوں نے فرمایا ہے کہ

"شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نبشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین و شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگانِ چشت ہیچ شخصے تصنیف نکردہ است" (اخبار الاخیار ص ۶۷)

لیکن اس شبہہ کے باوجود وہ ملفوظاتِ خواجگان کو ماخذ کے طور پر استعمال کرتے رہے، کیونکہ ان کے حوالے وہ بار بار دیتے ہیں، حضرت خواجہ الدین چشتیؒ کے ذکر میں ہے:۔

" در دلیل العارفین کہ خواجہ بختیار اوشی از ملفوظاتِ خواجہ قدس سرہٗ جمع کردہ اند مذکور است " (ص ۲۴)

پھر حضرت بختیار کاکیؒ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" در دلیل العارفین می نویسد ......" (ص ۲۵)

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ذکر میں ہے:۔

" بعضے از ملفوظات گنج شکر کہ بخط شیخ نظام الدین اولیا، با فوائد مکتوب می گردد" (ص ۵۳)

اور اگر محض تشکیک و شبہات کی بنا پر ان ملفوظات کو جعلی سمجھ کر ان کو بالکل ہی
دینے پر اصرار بڑھا تو ہم ایک ایسے قابلِ قدر علمی سرمایہ سے محروم ہو جائیں گے
سے صدیوں تک نہ صرف عوام و خواص بلکہ اہلِ علم اور تذکرہ نگار بھی استفادہ
تے آئے ہیں، اور اسی کے ساتھ روحانیت اور تصوف کے منکروں کو موقع فراہم
یں گے، کہ وہ اپنی کوتاہ نظری، عیب جوئی، خردہ گیری اور بدعقیدگی سے کام

سے کر فوائد الفواد اور خیر المجالس وغیرہ پر بھی نکتہ چینی کرکے ان سے سوء ظن پیدا کرادیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ کتابیں ان کے لئے نہیں ہیں، جو

خرد نے مجھ کو عطا کی نظر حکیمانہ

کے معترف ہیں، بلکہ ان کے لئے ہیں، جو

سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ

کے قائل ہیں، اور فرزانہ بن کر مقام شوق میں کھو گئے ہیں۔

تصحیح اغلاط

اس کتاب میں کتابت کی حسب ذیل بڑی غلطیاں رہ گئی ہیں انکی ناظرین ضرور تصحیح کرلیں اور دوسری غلطیوں کو امید ہے کہ خود اپنے ذوق سلیم سے درست فرمائیں گے،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
١٧١	١٣	بزم صوفیہ ص١٣		٢٨٦	٢	افصل الفواد	افضل الفواد
١٨٦	١	خود.. بھی		٢٠٩	٥	برجگیر	پرگنہ راجگیر
٢٦٦	١	ہیں	مجموعوں میں ملیں گے	"	٧	جاگیر کی جاگیر	راجگیر کی جاگیر
"	٢	فضل الفواد	افضل الفوائد	٣١٧	١٩	لاتسلیم	لاتسلم
٢٦٨	٥	افضل الفواد				کراماتیں	کرامات
٢٧٧	"	" "				س کی تھی	برس کی رہی ہے